

# معارف مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے  
علمی فقہی تبلیغی اور صلاحی موعظ و مقالہ اور نادر ملفوظات وارشادات پر  
مشتمل افادات کا حسین مجموعہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کا نایاب و انمول خزانہ

افادات

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

مرتب

سید محمد اکبر شاہ بخاری



زمزم پبلشرز

[www.ahlehaq.org](http://www.ahlehaq.org)



# مَعَارِفِ مُفْتٰی اَعْظَمِ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے  
علمی، فقہی، تبلیغی اور اصلاحی مواعظ و مقالات اور نادر ملفوظات وارشادات پر مشتمل  
افادات کا حسین مجموعہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کا نایاب انمول خزانہ

## افادات

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

## مرتب

سید محمد اکبر شاہ بخاری

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کراچی



# عِلْمِ حَقِّقِ نَاسِرِ كُفُوْظِ اِهْلِيْنَ

کتاب کا نام ————— معارف مفتی اعظم پاکستان

تاریخ اشاعت ————— فروری ۲۰۰۹ء

باہتمام ————— احباب زمزم پبلشرز

سرورق ————— احباب زمزم پبلشرز

مطبع ————— احباب زمزم پبلشرز

ناشر ————— زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹرز و مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-2725673 - 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

مِلنے پکڑنے کی جگہ پتے

❶ Darul Uloom Zakaria

P.O. Box 10786, Lenasia  
1820 Gauteng  
South Africa

❷ Azhar Academy Ltd.

54-68 Little Ilford Lane  
Manor Park London E12 5QA  
Phone: 020-8911-9797

❸ ISLAMIC BOOK CENTRE

119-121 Haliwell Road, Bolton B11 3NE  
U.S.A  
Tel/Fax: 01204-389086

❹ مکتبہ بیت العلم ندوۃ ن کراچی۔ فون: 4916690  
2018342

❺ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

❻ قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی

❼ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

❽ مکتبہ رشیدیہ، کونٹہ سرکی روڈ

❾ مکتبہ علمیہ، علوم حقانیہ اکوڑہ خشک



## فہرست معارف مفتی اعظم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
❁	پیش لفظ	۷
❁	مختصر احوال و سوانح مفتی اعظم پاکستان	۱۱
❁	باتیں ان کی یاد رہیں گی	۴۲
❁	ایک زندہ جاوید معجزہ	۶۵
❁	اسراء و معراج	۸۳
❁	حضرت فضالہ کا اسلام اور آنحضرت کا معجزہ	۹۴
❁	محمد رسول اللہ ﷺ کا ابدی و آفاقی اعلان رسالت	۹۹
❁	دعاویٰ مرزا قادیانی	۱۰۷
❁	علمائے کرام کے خصوصی خطاب	۱۲۰
❁	اخلاص اور اس سے ثمرات	۱۲۷
❁	تقریر جہاد میں اخلاص کی ضرورت	۱۳۴
❁	اقتباس از خطاب افتتاح بخاری شریف	۱۴۳
❁	درس عبرت	۱۴۵



۱۵۷	اعمالِ باطنہ	❁
۱۶۹	مجالسِ مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی	❁
۱۷۷	مسجد کا پیغام	❁
۱۸۳	نظامِ مساجد اور دعوتِ اسلامی	❁
۱۹۱	طالبِ علم کا نصابِ زندگی	❁
۲۰۶	فضیلتِ علم اور اہلِ علم	❁
۲۲۳	ارشاداتِ مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی، علم اور اہلِ علم	❁
۲۳۵	مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے بعض ملفوظات	❁
۲۴۹	ارشادات و ملفوظات	❁
۲۵۳	اصلاحِ نفس کیلئے دو کام کی باتیں	❁
۲۵۸	مجموعۃ الجواہر	❁
۲۶۲	عام مومنین کیلئے استغفار	❁
۲۷۲	روزہ میں عبادت کا مقام	❁
۲۷۸	مقامِ زہد	❁
۲۸۳	مقامِ توکل	❁
۲۸۹	صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی عدالت کا مفہوم	❁



۳۰۶	حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے زرین ملفوظات	❁
۳۲۳	اسلام کا معاشی نظام	❁
۳۲۷	آداب السفر	❁
۳۶۰	احکام السفر	❁
۳۷۰	مواقیت احرام کا مسئلہ	❁
۳۹۱	دوسروں کیلئے حج	❁
۴۰۱	بدعت اور اسکی خرابیاں	❁
۴۱۸	بدعات و محدثات	❁
۴۳۳	موت العالم موت العالم	❁
۴۴۲	کچھ تلافی مافات	❁
۴۴۶	حضور ﷺ کی مکی زندگی	❁
۴۶۷	گانا بجانا اسلام کی نظر میں	❁
۴۸۱	مفتی اعظم پاکستان رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی ایک اہم تقریر کے اقتباسات	❁
۴۸۷	مدینہ منورہ میں سب سے پہلا اسلامی مدرسہ	❁
۴۹۲	حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا سفرنامہ شام	❁



۵۰۳	شمالی افریقہ میں نورِ نبوت کی پہلی کرن	❁
۵۱۱	اسلامی خلافت	❁
۵۱۹	اخلاقِ نبوی ﷺ کے چند نمونے	❁
۵۲۶	فضائلِ بیت اللہ مع تاریخِ تعمیر	❁
۵۳۳	شبِ قدر	❁



www.ahlehaq.org



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### پیش لفظ

مرتب ذالعلماء

(از حضرت مولانا عبدالحق صاحب فاضل دیوبند)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

زیر نظر کتاب معارف افادات مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی حضرت اقدس قبلہ مفتی اعظم پاکستان الشیخ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے علمی، دینی، فقہی، تبلیغی و اصلاحی مضامین و مواعظ اور ملفوظات وارشادات کا نادر مجموعہ ہے جسے محترم و مکرم جناب سید قاری محمد اکبر شاہ بخاری نے مرتب کیا ہے۔ محترم موصوف نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی کئی تصانیف مرتب کی ہیں جو نہایت مفید نافع اور حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی قدس سرہ کے علوم و معارف کا خزانہ ہیں، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اس میں بھی حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے نادر و نایاب مضامین اور حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے بعض مواعظ حسنہ اور ملفوظات کو یکجا کر دیا گیا ہے، یہ مضامین پہلی مرتبہ جمع و ترتیب دیئے گئے ہیں، جو انشاء اللہ تعالیٰ نہایت مفید و معلومات افزاء قیمتی مضامین کا مجموعہ ثابت ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر مرتب و ناشر کے لئے ذخیرہ آخرت بنادے اور اسکی جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین۔

محمد عبدالحق عفی عنہ

۱۵ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہ العالی

مہتمم دارالعلوم کبیر والا خانیوال

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپ کی دینی، علمی، فقہی، تدریسی، تبلیغی، اصلاحی اور سیاسی و عملی خدماتِ جمیلہ سے پوری دنیا متعارف اور زمانہ آشنا ہے، قحط الرجال کے اس زمانہ میں ایسے عظیم المرتبت جلیل القدر علماء و صلحاء اور اولیاء کے حالات و خدمات کو روشناس کرانا ایک عظیم خدمت ہے، ہمارے محترم جناب سید محمد اکبر شاہ صاحب بخاری زید مجدہم نے اکابرین دیوبند کے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ ان کے مواعظ و خطبات، مقالات و مضامین اور ملفوظات وارشادات کی اشاعت کا بیڑا اٹھارکھا ہے، زیر نظر کتاب ”معارفِ مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی“ میں بھی انہوں نے حضرت اقدس قبلہ مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے چند اہم خطبات و مقالات اور ملفوظات وارشادات کو یکجا جمع کیا ہے جن کے پڑھنے سے قلب میں نورانیت اور عملِ صالح کا جذبہ زندہ ہوتا ہے، درحقیقت بزرگوں اور اکابر کے علوم و معارف، مواعظِ حسنہ، اور مقالات و مضامین ان کی محبت کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اس حوادثِ زمانہ نے ایمانی چنگاری کو زائل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھارکھی ہے اس لئے اکابر کے یہ مواعظ و خطبات اور مقالات و ملفوظات بزرگانِ دین کی محبت و



معیت کا بہترین بدل بھی ہیں اور حفاظتِ دین و ایمان کا ذریعہ بھی ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت شاہ صاحب بخاری کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ جنہوں نے بہت سے اکابر علماء دیوبند کے خطبات و مقالاتِ حسنہ اور ملفوظات وارشادات اور حالات و واقعات کو متعدد کتابی صورتوں میں شائع کرایا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے علم و عمل میں مزید برکت عطا فرمائیں اور ان کی خدمات کو قبول و منظور فرمائیں۔ آمین۔



www.ahleem.org



## عرض مرتب

سیدی و مرشدی حضرت اقدس قبلہ مفتی اعظم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ مجھ جیسے تہی دامن آدمی کے ذریعے حق تعالیٰ شانہ نے میرے اپنے اکابر و اسلاف کے حالات و خدمات اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی سعی و کاوش کو اپنی بارگاہ اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی سعی و کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمایا ہے کہ متعدد تصانیف احقر کی مرتب کردہ ملک کے بڑے دینی اداروں کے ذریعے طبع ہوئی ہیں، حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں زمزم پبلشرز کراچی کو جنہوں نے احقر کی درخواست پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے علوم و معارف کا یہ نادر مجموعہ شائع کیا ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

بقول استاذ قوم ”یہ کتاب حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے نادر مضامین و مقالات اور چند اہم تقاریر و ملفوظات کا مجموعہ ہے اور اس کتاب کے یہ علمی فقہی اور اصلاحی خطبات و مقالات حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے علوم و معارف کا خزانہ ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ نہایت مفید نافع اور معلومات اخزاء ثابت ہوں گے۔“

آخر میں ایک بار پھر زمزم پبلشرز کراچی کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں، حق تعالیٰ شانہ انہیں اجر عظیم عطا فرمائیں۔ آمین۔

احقر محمد اکبر شاہ بخاری غفر عنہ

مدرسہ رشد فیہ اختشام العلوم

جامع مسجد عثمانیہ مام پور

ضلع راجن پور (پنجاب)



## مختصر حالات و خدمات

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع

صاحب دیوبندی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

از محمد اکبر شاہ بخاری

تلخیص ”حیات مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی“ مؤلفہ مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور یو، پی کے مشہور عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ سادات میں سے تھیں اور آباؤ اجداد جو حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی اولاد میں سے ہیں اور دیوبند کے ممتاز اہل علم تھے ہمیشہ علمی مشاغل میں مصروف رہے اور اہل قصبہ ان کے معتقد رہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب دیوبندی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ایک جید عالم دین اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ۲۰، ۲۱ شعبان ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے اور ایک دینی ماحول میں آنکھ کھولی، بچپن ہی سے جلیل القدر علماء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ عبد العظیم صاحب کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی۔ فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد محترم سے دارالعلوم میں پڑھیں۔ حساب و فنون و ریاضی کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمد صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی میں داخل ہوئے، اور ۱۳۳۵ھ میں



فارغ التحصیل ہوئے۔ جن عظیم المرتبت علماء امت سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، سید العلماء حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور حضرت مولانا رسول خان ہزاروی جیسے اکابرین شامل ہیں۔

## علمی و تدریسی کارنامے

حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے تعلیم و تدریس کا سلسلہ دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی کتابوں سے شروع فرمایا پھر سالہا سال اوپر کے سب درجات میں تمام علوم و فنون اپنے باکمال اساتذہ کے زیر سایہ پڑھائے۔

حضرت مفتی اعظم فرمایا کرتے تھے کہ: ”دارالعلوم دیوبند کی طرف سے تو صرف چھ گھنٹے کی پابندی تھی مگر میں روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتا تھا۔“

بالآخر بزرگوں کی خواہش و ایماء پر آپ کو درجہ علیا (دورہ حدیث) کے اساتذہ میں شامل کر لیا گیا۔ جس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی جب سلہٹ میں تشریف فرما تھے۔ وہاں حدیث پڑھانے کے لئے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی جس کے لئے حضرت مدنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے آپ کو بذریعہ خط دعوت دی، آپ نے عذر کیا کہ:

”اس وقت تک دارالعلوم میں مجھے کبھی حدیث پڑھانے کا اتفاق نہیں ہوا میرا مشغلہ زیادہ تر ادب اور دوسرے فنون رہے۔“

اس پر تقاضے کا خط آیا کہ ایسا کیوں؟ حدیث کی تعلیم کو ضروری سمجھو۔ پھر دیوبند



تشریف آوری کے وقت دوبارہ تقاضا فرمایا۔ آپ نے عرض کیا: ”جہاں استاذ محترم حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی درس حدیث دیتے ہوں وہاں ایسا احمق کون ہوگا جو مجھ سے حدیث پڑھنے کو گوارا کر لے۔“

فرمایا نہیں کوئی نہ کوئی کتاب حدیث کی ضرورت پڑھایا کرو۔

بار بار تقاضا فرمایا۔ بالآخر دارالعلوم کی طرف سے سب سے پہلے موطا امام مالک کا درس آپ کے سپرد ہوا۔ اور اس کے بعد دورہ حدیث کی دوسری کئی کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔ سنن ابوداؤد آپ کے استاذ مہربان بزرگ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی پڑھاتے تھے۔ ۱۳۵۲ھ میں انہیں دورانِ سال سفر پیش آیا تو ابوداؤد کا درس آپ کے سپرد فرما کر تشریف لے گئے، پھر استاذ موصوف کی خواہش پر مستقل طور سے یہ درس آپ کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور سالہا سال جاری رہا۔ یوں تو ہر علم و فن میں آپ کا درس بہت مقبول رہا، علوم عقلیہ، منطق اور فلسفہ وغیرہ کی انتہائی کتابوں میں آپ کا درس بہت ممتاز سمجھا جاتا تھا لیکن آپ کے دو درس خصوصیت سے بہت مشہور ہوئے۔ ایک دورہ حدیث کی مشہور کتاب سنن ابوداؤد تشریف کا اور دوسرا عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کا۔ ان کتابوں کے درس میں شرکت کو مختلف ممالک کے نہ صرف طلباء بلکہ علماء کرام بھی اپنی سعادت شمار کرتے تھے۔

جب شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں درس بخاری دیتے تھے، سخت علیل ہو کر دیوبند تشریف لے آئے تو غالباً تعلیمی سال کے اختتام میں تین ماہ باقی تھے اس وقت جامعہ کے مہتمم صاحب ان کی جگہ حضرت مفتی صاحب کو لینے کے لئے دیوبند تشریف لائے۔ ان کے اصرار اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے ارشاد پر آپ



نے تین ماہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بخاری شریف کا درس دیا اور اس سے قبل ۲۶ سال تک دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث کا سلسلہ جاری رہا۔ پاکستان تشریف لائے تو کراچی میں کوئی دینی مدرسہ ایسا نہ تھا جہاں یہ سلسلہ جاری کیا جاسکتا مگر کچھ منتہی طلباء یہاں بھی آگئے۔ ان کو آپ نے اور حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے جامع مسجد جیکب لائن میں بعض اسباق پڑھائے۔ پھر سوال نمبر ۱۳ھ میں آپ نے دارالعلوم کراچی کی تاسیس فرمائی تو اس میں بھی کئی سال بخاری شریف کے درس سے طلباء کو مشرف فرمایا۔ جب قویٰ میں انحطاط اور ملی مصروفیات میں اضافہ ہوا تو کئی سال بخاری شریف کا درس اس طرح جاری رکھا کہ بخاری کتاب الموضوع تک آپ پڑھاتے اور باقی کتاب دارالعلوم کے دوسرے اساتذہ پڑھاتے تھے۔ زندگی کے آخری چار سال جن میں آپ صاحب فراش رہے ان میں یہ سلسلہ تو جاری نہ رہ سکا مگر طلباء و اساتذہ دارالعلوم کے اصرار پر ہر سال بخاری شریف کا پہلا اور آخری درس آپ ہی دیا کرتے تھے۔ دارالعلوم کراچی میں بخاری شریف کے علاوہ موطا امام مالک اور شمائل ترمذی کا درس بھی کئی سال جاری رہا۔

بہر حال برصغیر پاک و ہند کے تمام صوبوں اور ریاستوں کے علاوہ چین، انڈونیشیا، ملایا، برما، سیلون، افغانستان، ایران، ترکستان، بخارا، سمرقند اور افریقہ وغیرہ کے بھی ہزار ہا طلباء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔ جن میں محدثین و مفسرین بھی ہیں۔ فقہاء و متکلمین بھی، سیاسی زعماء بھی ہیں اور مدّرسین و مصنفین بھی، غرض دین کے ہر شعبہ میں آپ سے استفادہ کرنے والے جلیل القدر علماء دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاں ان کی دینی خدمات مختلف شعبوں میں جاری ہیں چند مشہور تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا مسیح اللہ خان



صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب، حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی، حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی، مولانا انوار الحسن شیرکوٹی، مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیلی، مولانا سید نور الحسن بخاری، مولانا سید بادشاہ گل صاحب، مولانا عرض محمد صاحب، مولانا سبحان محمود صاحب، مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی، مولانا قاری عبدالعزیز شوتی مرحوم، مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی، مولانا مفتی عبدالحکیم سکھروی، مولانا صدیق احمد صاحب چانگامی، مولانا مفتی محی الدین صاحب ڈھاکہ مولانا آفتاب احمد مدنی اور عبدالقدوس صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی وغیرہ وغیرہ۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر)

### بحیثیت صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

جب حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز فرمایا۔ اس وقت دارالعلوم کے صدر مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانی تھے جو جامع الکمالات ہی نہیں بلکہ مفتیان ہند کے استاذ و مربی تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے ان سے مشکوٰۃ، جلالین اور موطا وغیرہ کتابیں پڑھی تھیں۔ آپ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں آئے ہوئے سوالات گاہے گاہے حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو عنایت فرمادیتے۔ آپ جواب لکھ کر پیش کرتے جو اصلاح و تصدیق کے بعد دارالافتاء سے جاری کر دیئے جاتے۔

۱۳۴۴ھ میں مفتی اعظم ہند حضرت اقدس مولانا عزیز الرحمن عثمانی دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے۔ تو اس منصب کے لئے موزوں شخصیت کا انتخاب کا مشکل مرحلہ ذمہ داران دارالعلوم کے سامنے آیا۔ ضرورت ایسی جامع شخصیت کی تھی جو اس خلاء کو دارالعلوم دیوبند کے اعلیٰ تحقیقی معیار کے مطابق پُر کر سکے۔ چند سال تک دارالافتاء کا



کام مختلف صورتوں سے جاری رہا۔ بالآخر اساتذہ و بزرگوں اور ذمہ دارانِ دارالعلوم کی نگاہِ انتخاب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پر آکر رُکی۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال تھی۔ ہر علم و فن کے اسباق متواتر پندرہ سال پڑھا چکے تھے علمی تجربہ سب کے نزدیک مسلم، مگر تواضع کی یہ شان اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی کہ خود کو کسی طرح بھی اس منصب کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ دارالعلوم کی طرف سے اس کی پیش کش ہوئی تو قبول کرنے میں آپ کو بہت پس و پیش ہوئی۔ بالآخر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ جو حضرت مفتی اعظم کے مرشد و مربی تو تھے ہی اس وقت دارالعلوم دیوبند کے بھی باضابطہ سرپرست تھے ان کی خدمت میں مشورہ کے لئے یہ خط لکھا کہ:

”ایک ضروری عرض اس وقت یہ ہے کہ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) میں موجودہ مفتی صاحب کے متعلق ارباب حل و عقد کو عام شکایت ہے اس لئے وہ تبدیل کرنا چاہتے ہیں پہلے بھی اس سلسلے میں ایک مرتبہ میرا نام لیا گیا تھا مگر نامکمل بات ہو کر رہ گئی تھی۔ اس مرتبہ پھر یہ سلسلہ اٹھا ہے اور یہاں اکثر حضرات مجھے اس کام کے لئے مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ کام فی نفسہ سخت ہے اور پھر مجھ جیسے ناکارہ، نااہل کے لئے جس کو اس کام کی اب تک کچھ زیادہ نوبت بھی نہیں آئی۔ مگر یہ تجویز ہوئی ہے کہ مولانا سید اصغر حسین صاحب یا مولانا اعزاز علی صاحب کے ملاحظہ کے بعد فتاویٰ روانہ کئے جائیں گے تاہم ابتدائی کام تو مجھے ہی کرنا پڑے گا۔ البتہ یہ نفع بھی اس میں معلوم ہوتا ہے کہ اگر کام قابو میں آگیا تو دینی نفع بھی بہت بڑا ہے اور درس و تدریس میں جو دماغی تکلیف میری وسعت سے زائد ہو رہی تھی اس میں تخفیف ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اس کا حل حضرت ہی کی زبان فیض ترجمان سے چاہتا ہوں۔“

حضرت حکیم الامت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے جواب میں تحریر فرمایا کہ:



”قبول کر لینا چاہئے، حدیث اِنْ اَكْرَهْتَ عَلَيْهَا اُعِنْتَ عَلَيْهَا میں وعدہ ہے۔ مختصر یہ کہ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے افتاء پر بحیثیت صدر مفتی فائز کر دیا۔

آپ حسبِ عادت پوری جانفشانی کے ساتھ اس مشکل ترین علمی کام میں منہمک ہو گئے۔ درس کا سلسلہ بھی جزوی طور پر جاری رہا۔ اس وقت آپ کا مشاہرہ پینتالیس روپے مقرر کیا گیا۔ آپ کے فتاویٰ پر نظر کرنے کے لئے آپ ہی کی خواہش پر آپ کے استاذ محترم مولانا سید اصغر حسین صاحب کو مامور کر دیا گیا تھا۔ اہم اور مشکل فتاویٰ میں حکیم الامت حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے مشوروں کا سلسلہ زبانی اور بذریعہ خط و کتابت جاری رہتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کو ہر کام نہایت مستعدی، احساسِ ذمہ داری، احتیاط اور پھرتی سے نمٹانے کی عادت تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے جو فتاویٰ جاری ہوئے تھے آپ کے دارالافتاء میں منتقل ہوتے ہی ان کی تعداد اور کیفیت و ضخامت میں نمایاں اضافہ ہوا۔ جس کا اندازہ اعداد و شمار سے ہوتا ہے جو ۲۵ شوال ۱۳۵۸ھ میں دفتر اہتمام کی ہدایت پر تیار کئے گئے تھے۔ ان اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ہر سال فتاویٰ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور فتاویٰ زیادہ محققانہ اور مفصل بھی ہونے لگے۔

۱۳۴۸ھ میں (یعنی یکم شوال ۱۳۴۸ھ سے ۳۰ رمضان ۱۳۴۹ھ تک ایک سال میں) دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے کل ۲۸۷۵ فتاویٰ جاری کئے گئے جو نقل فتویٰ کے رجسٹر میں ۴۰۴ صفحات پر مشتمل تھے۔ لیکن اگلے سال کے وسط میں جب فتویٰ کا کام حضرت مفتی اعظم کے سپرد کیا گیا تو اس سال صرف چھ ماہ میں فتاویٰ کی تعداد میں ۶۶۱ کا اور رجسٹر کے صفحات میں نوے کا اضافہ ہوا۔ پھر یہ اضافہ روز افزوں ہوتا گیا۔ ۱۳۵۲ھ میں فتاویٰ کی تعداد چار ہزار چھ سو پانچ اور



صفحات رجسٹر کی تعداد ۶۸۷ ہو گئی جو ۴۸ء کے مقابلے میں تقریباً دو چند ہے۔ اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے صرف چار سال کے عرصہ میں بارہ ہزار سے زیادہ فتاویٰ تحریر فرمائے جن میں سے صرف ایک ہزار ”امداد المفتین“ کے نام سے شائع ہوئے۔ باقی دارالعلوم دیوبند کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے تقریباً اڑتیس فتاویٰ اتنے مفصل اور تحقیقی انداز میں لکھے گئے ہیں۔ کہ وہ مستقل رسالے بن کر کچھ ”امداد المفتین“ میں کچھ ”جواہر الفقہ“ میں اور کچھ الگ مستقل کتابچوں کی صورت میں شائع ہوئے۔ دارالافتاء میں دنیا بھر کے ممالک سے فقہی سوالات کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ خصوصاً جن پیچیدہ مسائل میں علماء کا باہمی اختلاف رائے ہوتا وہ بھی فیصلہ کے لئے یہیں آتے تھے۔ حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ فریقین کے آراء اور دلائل و تحقیقات کا تنقیدی جائزہ لے کر اپنی تحقیق اور فیصلہ تحریر فرماتے۔ فتاویٰ کی مذکورہ بالا تعداد میں ایسے فتاویٰ بھی بکثرت ہیں۔ آپ کے فتاویٰ اور فقہی تحقیقات کو اس زمانہ کے فقہاء ارباب تقویٰ اور آپ کے بزرگوں نے جس انداز میں سراہا اور دل کھول کر دعائیں دیں۔ اس کی تفصیلات بہت ہیں جن کا یہ موقع نہیں ہے۔

الغرض حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کے عظیم منصب کا حق پوری طرح ادا کرتے رہے اور قیام پاکستان تک اس عظیم منصب پر فائز رہے۔

(ماہنامہ ابلاغ کراچی مفتی اعظم پاکستان نمبر)

## تحریک پاکستان اور مفتی اعظم

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ طبعاً ہنگاموں، سیاسی جلسوں اور جلوسوں سے الگ رہنا پسند فرماتے تھے لیکن جب بھی اسلامی اور مسلمانوں کی کسی اہم دینی ضرورت نے سیاست میں عملی حصہ لینے کا تقاضا کیا۔ آپ اس میں بھی سرگرمی سے



بقدر ضرورت شریک ہوئے۔ پہلی جنگ عظیم کے اواخر میں جب مجاہدین بلقان ہر طرف سے زغہ میں تھے۔ اس کی نزاکت اکابر علماء دیوبند نے پوری شدت سے محسوس کی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنے تلامذہ اور مریدین کے ذریعہ مجاہدین بلقان کے لئے چندہ جمع کرنے کی مہم چلائی یہ وقت حضرت مفتی صاحب کی نو عمری اور طالب علمی کا تھا آپ نے اس پر خلوص مہم میں نہایت سرگرمی سے رضا کارانہ حصہ لیا۔ سخت بارش کے زمانہ میں پیدل گاؤں گاؤں پھر کر چندہ جمع فرمایا۔

جس زمانہ میں آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی اور تدریس کے منصب جلیل پر فائز تھے اسی زمانہ میں مسلم لیگ نے کانگریس کے علی الرغم مسلمانان برصغیر کے لئے ایک آزاد و خود مختار وطن پاکستان کا مطالبہ کیا اس موقع پر اکابر علماء دیوبند اپنی دیانت دارانہ رائے کی بناء پر دو مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ جمعیت علماء ہند کے سرکردہ زعماء کا تھا جو کانگریس کے ہم آواز ہو کر متحدہ قومیت کا حامی اور تقسیم ہند کے خلاف اور مطالبہ پاکستان کو مسلمانوں کے لئے مضر سمجھتا تھا۔

دوسرا گروہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی وغیرہم پر مشتمل تھا جو حکیم الامت تھانوی کی رائے کے مطابق مسلمانان ہند کو کافروں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے قیام پاکستان کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت سمجھتا تھا اور جس طرح کا اشتراک بعض مسلم جماعتیں کانگریس کے ساتھ کرنے لگی تھیں اسے درست نہ سمجھتا تھا۔

شروع میں یہ اختلاف آپ کے تبادلہ خیالات علمی مباحثوں اور دارالعلوم کی چہار دیواری تک محدود رہا۔ لیکن پاکستان کے لئے ہونے والا الیکشن جوں جوں قریب آ رہا تھا مخالفین کا یہ پروپیگنڈہ زور پکڑتا جا رہا تھا کہ:

”مسلم لیگ بے دین امراء کی نمائندہ ہے اسے علماء کی تائید حاصل نہیں۔“



ادھر ارباب لیگ بھی محسوس کر رہے تھے کہ جب تک ہر محاذ پر علماء کرام بھرپور تعاون نہ فرمائیں پاکستان کا قیام ممکن نہیں ہے۔

## تحریک پاکستان کی خاطر دارالعلوم دیوبند سے استعفاء

اب وقت آ گیا تھا کہ مسئلہ کا ہر پہلو کھول کر عوام کے سامنے لایا جائے اور پاکستان کا مطالبہ سیاسی و شرعی حیثیت سے جیسا کہ حق بجانب، بروقت اور ضروری ہے۔ اس کا صرف اظہار ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کی آواز پوری قوت سے پہنچائی جائے، دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے اس اختلاف کا مسلسل اظہار نظم دارالعلوم کے لئے مناسب نہ تھا اس لئے حضرت حکیم الامت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے مشورہ سے دارالعلوم سے علیحدگی کا فیصلہ فرمالیا۔ یہ فیصلہ ان حضرات کے لئے جتنا صبر آزما تھا اس کا اندازہ ہر ایک کو نہیں ہو سکتا۔ ان حضرات نے اپنے بچپن، جوانی اور کہولت کے شب و روز اسی کی چہار دیواری میں گزارے تھے۔ زندگی کی ولولہ انگیز توانائیاں اسی کی تعمیر میں صرف کی تھیں۔ ان حضرات کے لئے یہ صرف ایک درس گاہ نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی امیدوں کا مرکز تھا۔ دارالعلوم ان کا وطن بھی تھا، آغوش مادر بھی، لیکن ملک و ملت کی خاطر اب اس آغوش مادر سے ضابطہ کا تعلق باقی رکھنا ممکن نہ تھا، بالآخر ۱۶ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کا وہ دن آپہنچا جب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی معیت میں حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور آپ کے برادرِ عم زاد حضرت مولانا ظہور احمد صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی، جناب خلیفہ محمد عاقل صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی، اور دیگر علماء کرام، دارالعلوم دیوبند کی خدمات سے مستعفی ہو گئے۔ استعفاء کے بعد آپ تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ تو حضرت حکیم الامت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے دیکھتے ہی دیوانِ حماسہ کا ایک مصرعہ کچھ تغیر کر کے اس طرح پڑھا۔



اَضَاعُوْكَ وَاٰی فِتْنٰی اَضَاعُوْا

افسوس! لوگوں نے تجھے اپنے ہاتھ سے کھودیا اور وہ کیسے عظیم انسان کو کھو بیٹھے۔

۱۳۳۵ھ سے ۱۳۶۲ھ تک تدریس و افتاء کی ۲۷ سالہ خدمات کے بعد جب مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوئے تو مشاہیرہ ۲۵ روپے تھا۔ مسلم لیگ کی تحریک جو دو قوی نظریہ پر مبنی تھی حکیم الامت حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اس کی حمایت ۱۳۵۶ھ ہی سے اپنی تحریروں کے ذریعے فرما رہے تھے۔ تحریک پاکستان میں حضرت مفتی اعظم کا حصہ بھی شروع میں محض علمی خدمات تک محدود رہا۔ دارالعلوم سے استعفاء کے بعد تو قیام پاکستان کی جدوجہد ہی شب و روز کا مشغلہ بن گئی تھی۔

## قیام پاکستان کے لئے سرگرم جدوجہد

اس مسئلہ میں عام فتاویٰ اور متفرق مضامین کے علاوہ آپ نے ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ھ میں ایک مستقل شرعی فیصلہ ”تصنیف فرمایا جس میں اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کو نہایت تفصیل سے واضح فرمایا۔ اس موضوع پر یہ پہلی علمی کتاب تھی جس میں غیر مسلموں سے مسلمانوں کی موالات مصالحت اور استعانت کی تمام صورتوں کے علیحدہ علیحدہ شرعی احکام بے انتہا خوبی اور تفصیل سے جمع کئے گئے۔ دلائل میں حضرت مفتی اعظم نے اپنی عادت کے مطابق قرآن و سنت اور فقہی عبارات کے نہایت معتمد شواہد پیش کئے اور عقل و سیاست کے ہر پہلو سے یہ ثابت کیا کہ موجودہ موالات میں کانگریس کی حمایت سے دراصل کفر کی حمایت لازم آئے گی۔ اور اس میں حصہ لینا قرآن و سنت کی رو سے کسی طرح جائز نہیں۔ یہ رسالہ اُسی وقت بڑی تعداد میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں اپنے مرشد حکیم الامت حضرت تھانوی



رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے دس رسائل، متفرق مضامین اور ملفوظات و مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب کر کے کتابی شکل میں ”افادات اشرفیہ و رسائل سیاسیہ“ کے نام سے شائع فرمایا یہ مجموعہ بھی اس موضوع پر بہت مؤثر ثابت ہوا۔

## بروقت ایک اہم فتویٰ

۲۲ نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات تحریک پاکستان کے لئے بڑی اہمیت رکھتے تھے، سہارنپور اور مظفرنگر وغیرہ کے حلقہ انتخاب سے کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ سے قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کھڑے ہوئے جو بعد میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم بنے۔ یہاں مسلم لیگ کی کامیابی سب ہی کو مشکل نظر آرہی تھی مگر حضرت مفتی صاحب کے ایک فتویٰ نے فضاء یکسر بدل دی۔ یہ فتویٰ پوسٹروں کی شکل میں پورے حلقہ انتخاب میں چسپاں کیا گیا جس کا بڑا عنوان یہ تھا۔

”کانگریس کی حمایت کفر کی حمایت ہے“

جناب خواجہ آشکار حسین صاحب نے جو مسلم لیگ کی ہائی کمان کی جانب سے اس حلقہ کا جائزہ لینے پر مامور تھے ماہنامہ نقاد میں یہ واقعہ قدرے تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

”سب سے سخت مقابلہ خود لیاقت علی خان کے حلقہ انتخاب میں تھا۔“

آگے فرماتے ہیں کہ:

”ہم سہارنپور پہنچے وہاں حامیان لیگ نے کہا کہ یہاں مفتی محمد شفیع صاحب کے فتوے کے بغیر کام نہ چلے گا۔ میں نے دیوبند جا کر مفتی صاحب موصوف کا فتویٰ بھی حاصل کیا اور سہارنپور پہنچ کر اس کی طباعت کے انتظامات کرائے۔ ۲۷ نومبر کو پولنگ ہونے والی تھی۔ ۲۴ نومبر کو لیاقت علی خان سہارنپور پہنچے۔ میں فوراً ڈاک بنگلہ پہنچا۔ لیاقت صاحب بڑے جوش سے بغل گیر ہوئے اور فتوے کی کامیابی پر مبارک



باددی۔ میں نے فوراً مفتی صاحب کا فتویٰ پیش کیا دیکھ کر اچھل پڑے پھر حالات کے متعلق استفسار کرنے لگے۔“ (ماہنامہ نقاد کراچی اکتوبر ۱۹۵۲ء)

## خطبہ صدارت جمعیت علماء اسلام حیدرآباد کانفرنس

دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو جانے کے بعد نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس کے مقاصد میں سرفہرست یہ تھا کہ مطالبہ پاکستان کے لئے مؤثر جدوجہد کی جائے۔ اور جو مسلمان مطالبہ پاکستان سے منحرف یا تردد کی حالت میں کھڑے ہیں انہیں قیام پاکستان کی مجاہدانہ جدوجہد میں شریک کیا جائے۔ اس جمعیت کے سب سے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانی چنے گئے۔ حضرت مفتی صاحب جمعیت کی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ اور باقاعدہ آپ تحریک پاکستان کے لئے جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔

جمعیت علماء اسلام کی ہر شہر کانفرنسیں ہوتی رہیں اور آپ ان میں شرکت فرماتے اور حصول پاکستان کے لئے خدمات انجام دیتے رہے۔

۲۲/۱۹۴۷ء میں جمعیت علماء اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس حیدرآباد سندھ میں منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو کرنا تھی مگر بروقت ان کو شدید علالت پیش آگئی۔ تو حضرت مفتی صاحب کو اس کانفرنس کی صدارت کے لئے سندھ روانہ کیا۔ یہاں کے علماء اور عوام کے عظیم الشان تاریخی اجتماع میں آپ نے جو خطبہ صدارت پڑھا، سیاست کے اسلامی اصولوں کا بے نظیر مرقع ہے۔ اس میں آپ نے سیاسی قیادت کے شرعی اصول اور غیر صالح امیر کی اطاعت کے شرعی حدود پر سیر حاصل بحث فرمانے کے بعد معترضین کے جوابات اور علماء عوام کے فرائض و نشین انداز میں بیان فرمائے۔ یہ خطبہ صدارت اس زمانہ میں ہزار ہا کی تعداد میں طبع ہوا۔ لیکن پاکستان بن



جانے کے بعد اس کی دوبارہ اشاعت نہ ہو سکی۔

کانگریسی خیال رکھنے والے مسلمان جو گاندھی جی، پنڈت نہرو اور سردار پنیل کی قیادت کو شرعاً جائز قرار دے رہے تھے ان کا ایک بڑا اعتراض مسلم لیگ پر یہ تھا کہ اس کے لیڈر علم دین سے بے بہرہ اور اسلامی شعائر سے بے پرواہ ہیں اس لئے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی بجائے کانگریس کی حمایت کرنا چاہئے۔

حضرت مفتی صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں اس اعتراض کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں نہایت بسط کے ساتھ دیا ہے جو قائد اعظم کی قیادت پر ایک اعتراض اور اس کا جواب کے عنوان سے علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوا تھا اب اس کی ذرا تفصیل ماہنامہ البلاغ کے مفتی اعظم نمبر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا تھا کہ ”دنیا کے تمام مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر بالکل دوسری ملت ہیں۔ یہ دو متضاد ملتیں بھائی بھائی نہیں ہو سکتیں وطن کی بنیاد پر انہیں ایک قوم یا ایک برادری نہیں کہا جاسکتا۔“ مسلمان دینی اعتبار سے کتنا بھی گیا گزرا ہو مگر کافر و مشرک سے بہر حال بہتر ہے ”ہندو اکثریت کی حکومت کو اپنے اوپر اور اپنے اختیار سے مسلط کرنا مسلمانوں کے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے“

مسلمانوں کو ایک مغالطہ یہ دیا جاتا تھا کہ حضرت شیخ الہند رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے بھی تو ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کیا تھا اگر وہ جائز تھا تو اب کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کیوں جائز نہیں؟ حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنے رسالہ ”مسلم لیگ اور کانگریس کے متعلق شرعی فیصلہ“ میں اس کا نہایت مفصل جواب دیا۔ کہ حضرت شیخ الہند نے ہندوؤں کے اشتراک عمل کو اس لئے گوارا کیا تھا کہ اس وقت قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہندو اس قیادت کے پیچھے چل رہے تھے چنانچہ اگر ہندوستان اس وقت آزاد ہوا ہوتا تو حکومت مسلمانوں کو ملتی۔ ظاہر ہے کہ



اسلامی حکومت کے قیام میں کافروں سے جزوی طور پر مدد لینا فی نفسہ کوئی ناجائز کام نہیں اور اب معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کہ کانگریس کی قیادت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر پورے ہندوستان کا مرکزی اقتدار کانگریس کو ملا تو پورے ملک پر ہندو اکثریت قائم ہو جائے گی اور اپنے اختیار سے کسی کافر حکومت کو اپنے اوپر مسلط کرنے کی اسلام کسی حال میں اجازت نہیں دیتا۔ حضرت شیخ الہند نے بھی اسے کبھی جائز قرار نہیں دیا۔“

غرض شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں ان حضرات علماء دیوبند نے انتھک جدوجہد اور مجاہدانہ سرگرمی سے کام لے کر قرآن و سنت کے مدلل قانون سے مسلمانوں پر جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قیام پاکستان کا مطالبہ درحقیقت قرآن و سنت کے اصولوں پر مبنی ہے اور کانگریس کا پھیلایا ہوا کفرانہ جال مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی سے نکال کر ہندوؤں کی بدترین غلامی میں پھانسنے کے لئے بنایا گیا ہے تو وہ جوق در جوق مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

### سلہٹ اور صوبہ سرحد کا ریفرنڈم:

حضرت مفتی اعظم اور دوسرے اکابر علماء کی سرگرم جدوجہد کا یہ نتیجہ نکلا کہ جو ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے لئے ہوتے تھے ان میں تمام مسلم نشستیں مسلم لیگ کو ملیں، یہ سو فیصد کامیابی قیام پاکستان کے لئے سنگ میل ثابت ہوئی کیونکہ اسی اسمبلی کو ہندوستان کا آئین بنانا تھا اور ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ بھی بڑی حد تک اسی کو کرنا تھا اس کے بعد ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات میں بھی مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ کا لوہا منوالیا۔ اور ثابت کر دیا کہ مسلمان ہندوؤں کی غلامی کے لئے تیار نہیں، بالآخر انگریز، ہندو اور سکھ تینوں قوموں کو مطالبہ پاکستان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور تقسیم ہند کے لئے



۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی تاریخ طے ہو گئی، قیام پاکستان اور تقسیم ہند کا جو نقشہ تجویز کیا گیا تھا اس پر غور کرنے کے بعد ۹ جون ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم نے مرکزی اسمبلی کے تمام مسلم ارکان کا اجلاس دہلی میں طلب کیا اگرچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اسمبلی کے رکن نہ تھے مگر خصوصی دعوت پر دونوں حضرات بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اجلاس نے متفقہ طور پر قیام پاکستان کا مجوزہ نقشہ منظور کر لیا مگر ہندو انگریز گٹھ جوڑ نے قیام پاکستان کے فیصلہ میں ایک شق یہ بڑھادی تھی کہ سلہٹ اور صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہوں یا بھارت میں، اس کا فیصلہ وہاں کے عوام سے بذریعہ ریفرنڈم کرایا جائے گا حالانکہ ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں یہاں کے مسلمان بھی اپنا ووٹ پاکستان کے حق میں دے چکے تھے مگر یہ شق پنڈت نہرو نے اس وجہ سے رکھوائی تھی کہ صوبہ سرحد میں اس وقت کانگریسی وزارت قائم تھی جو خان برادران چلا رہے تھے۔ اس کانگریسی وزارت نے بھی گاندھی اور نہرو کے عزائم کے لئے فضا خوب بنائی تھی۔ اور پاکستان کے حامی سینکڑوں علماء کرام کو جیلوں میں بند کر دیا گیا تھا۔ اسی لئے مسلمانوں کو سلہٹ اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کی بڑی فکر تھی۔

یہ تھے وہ حالات جن میں متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے مسلم ارکان کی یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس سے فارغ ہو کر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم سے دہلی میں ان کی قیام گاہ پر ملاقات فرمائی۔ قائد اعظم نے کھڑے ہو کر پر جوش خیر مقدم کیا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے قائد اعظم کو حصول پاکستان پر مبارک باد پیش کی۔ تو انہوں نے کہا:

”مولانا! اس مبارک باد کے مستحق تو آپ ہیں اور آپ ہی کی کوششوں سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔“



اس کے بعد قائد اعظم نے کہا کہ:

”اس وقت سب سے اہم مسئلہ سلہٹ اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کا ہے اگر پاکستان اس ریفرنڈم میں ناکام رہا تو بہت بڑا نقصان ہوگا“

ان حضرات نے فرمایا کہ:

”انشاء اللہ پاکستان اس میں کامیاب ہوگا بشرطیکہ آپ اعلان کریں کہ پاکستان میں اسلامی نظام جاری ہوگا“ اس پر قائد اعظم نے کہا کہ:

”میں پاکستان کے مقدمہ میں مسلمانوں کا وکیل تھا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اس مقدمہ میں کامیاب کیا۔ پاکستان ان کو مل گیا میرا کام ختم ہوا اب مسلمانوں کو اختیار حاصل ہے کہ جس طرح کا چاہیں نظام قائم کریں اور چونکہ پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہو ہی نہیں سکتی کہ یہاں اسلامی نظام اور اسلامی ریاست قائم ہو۔“

اسی ملاقات میں یہ طے ہوا کہ سلہٹ کا دورہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی فرمائیں گے اور سرحد کا دورہ علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم فرمائیں گے۔

## پختونستان کی سازش:

جب تک قیام پاکستان کا فیصلہ نہ ہوا تھا، کانگریس کی طرف سے ایک ہی رٹ لگائی جا رہی تھی کہ ہندوستان میں بسنے والی قومیں ہندو، مسلم اور سکھ وغیرہ خواہ وہ کسی صوبے کے باشندے ہوں، سب مل کر ایک قوم ہیں۔ ان کا وطن بھی ایک ہونا چاہئے لہذا مسلمانوں کی الگ حکومت پاکستان میں قائم کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس پورے عرصہ میں کسی نے پختونستان کا نعرہ بلند نہیں کیا۔ حالانکہ ہندوستان جو چودہ پندرہ صوبوں کا ملک تھا اس میں صوبہ سرحد کی حیثیت ایک چھوٹے سے صوبے کی ہوتی اور متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں اقتدار ہمیشہ ہندوؤں کے



ہاتھ میں ہوتا۔ سرحدی گاندھی اور اُن کے ساتھیوں کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا کہ ہندوستان متحد رہے۔ مرکز میں ہندوؤں کا اقتدار ہو اور صوبہ سرحد کے غیور مسلمان ہندوؤں کے زیرِ نگیں ہوں لیکن جب انگریز اور ہندوؤں نے پاکستان کا مطالبہ مان لیا تو پاکستان کا ہر صوبہ انہیں الگ قوم نظر آئے گا۔ اور صوبائی قومیت کی بنیاد پر انہوں نے شیخ اسلام علامہ عثمانی اور مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے دورہ سرحد سے پہلے ہی یہاں پختونستان کا نعرہ بلند کر دیا۔ چنانچہ:

”سرحد کی کانگریس پارٹی، خدائی خدمت گار اور کزنٹی پختون کی ایک مشترکہ نشست منعقد ہوئی جس میں ریزولوشن پاس کیا گیا کہ تمام پختونوں کی ایک آزاد ریاست کا اعلان کیا جائے گا۔ یہ جلسہ سوکڑی ضلع بنوں میں منعقد ہوا تھا۔“

درحقیقت یہ پاکستان کو لنگڑا لولا کرنے کے لئے کانگریس کی ایک چال تھی۔ جس نے ریفرنڈم کی شرط تو رکھوا دی تھی مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی دیکھ کر پریشان تھی کہ قیام پاکستان کے لئے سرحد کے غیور مسلمانوں کا جوش و خروش دوسرے صوبوں سے کم نہیں اور اس کی امید بہت کم تھی کہ کوئی بھی غیرت مند مسلمان صوبہ سرحد کا الحاق پاکستان کے بجائے بھارت کا فرانہ حکومت کے ساتھ پسند کرے گا اس لئے کانگریس نے مسلمانوں میں صوبہ دارانہ تعصب کی آگ بھڑکا کر یہ چاہا تھا کہ اگر صوبہ سرحد بھارت کو نہ مل سکے تو یہ فائدہ بھی کم نہیں کہ وہ پاکستان سے بھی الگ ایک مستقل ریاست بنے جس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک یہ کہ پاکستان کمزور ہوگا دوسرا یہ کہ پختونستان بھارت کے لئے ایسا نوالہ تر ہوگا۔ کہ اُسے ہڑپ کر جانا اس کے لئے ہر وقت ممکن ہوگا۔ اسی مستقل ریاست کا نام پختونستان رکھا گیا تھا اور یہ نعرہ چونکہ صوبائی تعصب پر مبنی تھا اس لئے اس کے چل جانے کی امید تھی، جن کے لئے کانگریس کے پورے وسائل حرکت میں آچکے تھے۔ سرحد کے دیندار اور غیور مسلمان پختونستان کی شدت سے مخالفت



کر رہے تھے جن میں وہاں کے اس وقت کے مشہور مشائخ پیر مانگی شریف اور پیر زکوڑی شریف بہ طور خاص قابل ذکر ہیں۔ مگر یہ سب حضرات اس کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ دیوبند کے اکابر یہاں آ کر عوام کو صحیح دینی صورت حال سے آگاہ فرمائیں۔ یہاں کے عوام دینی امور میں علماء دیوبند کے علاوہ کسی کی بات پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔

یہ تھے وہ نازک حالات جن میں حضرت شیخ الاسلام کی معیت میں صوبہ سرحد کا دورہ حضرت مفتی اعظم نے کیا۔ اور بظاہر حالات اسی کے نتیجہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے صوبہ سرحد کے غیور مسلمانوں کو ہندو کی غلامی سے بچایا۔

### ریفرنڈم کے موقع پر صوبہ سرحد کا تاریخی دورہ:

یوں تو قیام پاکستان کی جدوجہد میں حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے پورے ہندوستان کے طول و عرض کے دورے کئے اور جگہ جگہ عام و خاص جلسوں سے خطاب فرمایا، آپ کا مدراس اور دکن کا دورہ بھی بہت کامیاب دورہ تھا۔ لیکن ریفرنڈم کے نازک موقع پر صوبہ سرحد کا یہ دورہ تاریخی اور انقلابی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ کانگریس نے ”پختونستان“ کے پردے میں سرحد کے غیور مسلمانوں کو غلام بنانے اور پاکستان کو لنگڑا لولا کرنے کے لئے جو خطرناک جال پھیلایا تھا وہ اسی دورے سے تار تار ہوا۔ پیر صاحب مانگی شریف اور پیر زکوڑی شریف نے اس دورے کا انتظام کیا تھا۔ وہ خود بھی ان حضرات کے ساتھ مجاہدانہ سرگرمی سے شریک رہے۔ یہ سخت گرمی کا زمانہ تھا مگر یہ حضرات صوبہ بھر میں شہر شہر، گاؤں گاؤں پھر کر کلمہ حق پہنچاتے رہے۔





## فتحِ مبین:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان مخلصانہ کوششوں کو ایسا شرف قبول عطا فرمایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پوری فضا پاکستان کے حق میں جوش و خروش سے بھر گئی۔ اور جب ریفرنڈم ہوا تو اس میں سرحد کے غیور مسلمانوں نے اپنا فیصلہ دے دیا کہ صوبہ سرحد اور پاکستان ایک ہیں اور ایک رہیں گے۔

سیاسی مبصرین کی یہ قطعی رائے ہے کہ اگر اس نازک وقت میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرحد کا دورہ نہ فرماتے اور پیرمانگی و پیرزکوڑی شریف کے اپنے اثرات پوری طرح کام نہ کرتے تو ریفرنڈم میں پاکستان کی کامیابی ممکن نہ تھی۔ ریفرنڈم کا جو نتیجہ صوبہ سرحد میں سامنے آیا۔ سلہٹ کا نتیجہ بھی اس سے مختلف نہ تھا اس محاذ کو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا اطہر علی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے سر کیا تھا۔ مضبوط پاکستان کے قیام میں یہی ریفرنڈم کا مرحلہ باقی تھا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان بوریہ نشین علماء حق کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو سرخروئی عطا فرمائی۔

## پہلے جشنِ آزادی پر پاکستان میں پرچم کشائی:

۲۷/رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کی شب کو گویا نزول قرآن کی سالگرہ کے وقت ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا اقتدار اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور پاکستان سب سے بڑی اسلامی مملکت بن کر دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوا۔ اس روز پاکستان میں جو سب سے پہلا جشنِ آزادی منایا جانے والا تھا اس میں شرکت کے لئے دیوبند سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو بھی مدعو کیا گیا لیکن حضرت مفتی اعظم شدید علالت کے



باعث سفر نہ فرما سکے۔ حضرت شیخ الاسلام کراچی تشریف لائے اور قائد اعظم کی خواہش پر اس تقریب میں پاکستان کا سبز ہلالی پرچم آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے بلند فرمایا۔ ادھر مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے انجام دی۔

### تاریخی کارنامہ قرارداد مقاصد:

قیام پاکستان مسلمانوں کی جدوجہد کا پہلا مرحلہ تھا۔ جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں خصوصی نصرت و حمایت سے نوازا تھا۔ اب دوسرا مرحلہ یہاں اسلامی نظام حیات قائم کرنے کا تھا چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء نے قیام پاکستان کے فوراً بعد اسلامی دستور کی جدوجہد کا آغاز فرما دیا اور یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلامی دستور کا ایک اجمالی خاکہ مرتب کیا جائے تاکہ حکومت کے سامنے مطالبہ قدرے وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔ یہ خاکہ مرتب کرنے کیلئے حضرت شیخ الاسلام نے جن اکابر علماء کرام کو خصوصی دعوت دی، ان میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب دکنی قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے اسلامی دستور مرتب کرنے کے لئے شب و روز محنت کی اور ایک اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کر کے حکومت کو پیش کر دیا۔ اس کے بعد شیخ اسلام علامہ عثمانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ایک تاریخی کارنامہ ”قرارداد مقاصد“ کے نام سے منظور کرا کے سرانجام دیا۔ قرارداد مقاصد جو پاکستان کے ہر آئین میں بہ طور دیناچہ شامل چلی آرہی ہے اور ۱۹۷۳ء کے موجودہ آئین میں بھی شامل ہے۔

یہ وہ اہم قومی دستاویز ہے جس میں مملکت خداداد پاکستان کے مقاصد اور قومی



جدوجہد عمل کی سمت، قرآن و سنت کی روشنی میں مقرر کی گئی ہے اور ان بنیادی حدود کا تعین کیا گیا ہے جن پر دستور سازی کے تمام مراحل انجام پائے تھے۔ اور جن کی پابندی دستور ساز اسمبلی کو اور پاکستان کے ہر آئین کو کرنی تھی۔ یہ تاریخی دستاویز پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے سب سے پہلا ٹھوس قدم تھا، اب تک پاکستان کے دستور و قانون میں جو جو اسلامی دفعات شامل ہوئیں یا آئندہ شامل ہوں گی وہ سب اس وقت کے وزیراعظم شہید ملت خان لیاقت علی خان مرحوم نے پیش کی تھیں۔ مگر اس کا مسودہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم نے طویل غور و خوض کے بعد مرتب فرمایا تھا اس کی تیاری اور اس کے بعد اسے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے منظور کرانے میں حضرت شیخ الاسلام اور حضرت مفتی اعظم کو طویل علمی اور سیاسی جدوجہد کرنی پڑی۔ برسرِ اقتدار طبقہ کا ایک گروہ اس راہ میں مسلسل رکاوٹیں کھڑی کر رہا تھا۔ قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم نے اس گروہ کے علی الرغم شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء علماء حق کی حمایت کی اور اسمبلی میں ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد خود پیش کر کے اسے منظور کرایا۔ یہ سب شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ الغرض حضرت شیخ الاسلام کی دینی، علمی اور سیاسی جدوجہد میں حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی برابر شریک رہے۔

## بورڈ آف تعلیمات اسلام کی رکنیت:

پھر جب ۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی نے باقاعدہ آئین سازی کا کام شروع کیا تو قائد ملت لیاقت علی خان نے ایک ”اسلامی مشاورتی بورڈ“ بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسلامی دستور کا خاکہ تیار کر کے پیش کرے اور اس کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی پاکستان کا آئین تیار کرے۔ یہ بورڈ مندرجہ ذیل چھ حضرات پر مشتمل تھا۔



- ☆ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی، صدر۔
- ☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، رکن۔
- ☆ جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سابق استاذ جامعہ عثمانیہ دکن، رکن۔
- ☆ جناب پروفیسر عبدالحق صاحب، رکن۔
- ☆ جناب ظفر احمد صاحب انصاری، سیکریٹری۔
- ☆ جناب جعفر حسین مجتہد شیعہ۔

مگر علامہ سید سلیمان ندوی اس وقت تک ہندوستان میں تھے پھر پاکستان تشریف لانے کے بعد کافی عرصہ بعد ۱۹۵۲ء میں آپ نے عہدہ صدارت سنبھالا۔ اس وقت تک یہ بورڈ صدر کے بغیر ہی اپنے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ یہ بورڈ ۹ اگست ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۴ء تک تقریباً چار سال قائم رہا۔ اور حضرت مفتی اعظم شروع سے آخر تک اس کے ممتاز رکن رہے۔ اس بورڈ نے نہایت عرق ریزی کے بعد دستور پاکستان کے لئے جو سفارشات پیش کی تھیں اگرچہ ۱۹۵۶ء و ۱۹۷۳ء کے دستوروں میں ان کی جھلک موجود تھی لیکن افسوس کہ اس بورڈ کی تمام سفارشات کسی بھی دور کے آئین میں نہ تو تمام کی تمام رو بہ عمل لائی گئیں نہ انہیں ارباب حل و عقد نے شائع کیا۔ بورڈ آف تعلیمات اسلام کا تعلق تو صرف دستور کی حد تک تھا پاکستان کے موجودہ قوانین سے اس کا تعلق نہ تھا موجودہ قوانین کو اسلامی ڈھانچہ میں ڈھالنے کے لئے علامہ سید سلیمان ندوی نے حکومت پر زور دیا تو ۱۹۵۰ء کے اواخر میں ایک لاء کمیشن بنایا گیا جس میں علماء کرام کی جانب سے ابتداء میں صرف علامہ سید سلیمان ندوی کو ممبر بنایا گیا۔ جسٹس رشید اور جسٹس میمن ماہر قانون کی حیثیت سے شریک کئے گئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی وفات کئی ماہ قبل ہو چکی تھی جو حضرت مفتی اعظم کے استاد بھی تھے اور پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے محسوس فرمایا کہ اسلامی قانون کے ماہر کی حیثیت



سے لاء کمیشن میں حضرت مفتی صاحب کی شرکت ناگزیر ہے۔ چنانچہ لاء کمیشن میں اپنی شرکت کا رکن بنایا جائے، بالآخر آپ کو اس کی بھی رکنیت قبول کرنی پڑی۔ یہ کمیشن دو سال تک قائم رہا لیکن وزارتوں کے تغیر اور برسر اقتدار میں کئی ایسے افراد کی طرف سے مسلسل رکاوٹوں کے باعث جو اس ملک میں اسلامی نظام دیکھنے کے روادار نہ تھے اس کمیشن کی مساعی کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکیں۔

ایک موقع پر اس کمیشن کی ایک میٹنگ میں حضرت مفتی صاحب نے کمیشن کے چیئرمین کو جو ایک جسٹس تھے مخاطب کر کے فرمایا:

”کہ قانون سازی کے کام کو اسلام کے رخ پر آپ چلنے نہیں دیتے اور غلط پر میں نہیں چلنے دوں گا نتیجہ یہ ہوگا کہ گاڑی یہیں کھڑی رہے گی۔“  
چنانچہ یہی ہوا، گاڑی کھڑی رہی۔

## مرکزی جمعیت علماء اسلام کی قیادت:

۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی مرکزی جمعیت علماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے لیکن ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء میں حضرت سید صاحب کی وفات کے بعد جہاں دستوری مساعی کی دوسری ذمہ داریاں حضرت مفتی صاحب کے کاندھوں پر آ پڑیں۔ اسی کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کی صدارت بھی آپ کو سونپ دی گئی۔ لیکن یہ وہ وقت تھا جب مغربی پاکستان میں ایک اور جمعیت اسی نام سے قائم ہو چکی تھی۔ جس کا مرکزی جمعیت سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے اسلامی دستور کی جدوجہد کے ساتھ ہی شب و روز کی مساعی سے ان منتشر جماعتوں کو مرکز سے مربوط کیا اور حضرت حکیم الامت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے خلیفہ خاص حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی بانی جامعہ اشرفیہ لاہور نے اس شرط پر صدارت قبول



فرمائی کہ جمعیت کی ذمہ داری کا تمام کام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی انجام دیں اور اس قصد کے لئے حضرت مفتی صاحب کو جمعیت کا قائم مقام صدر بنادیا گیا۔ جتنے سرکاری اداروں میں آپ بحیثیت ممبر شریک ہوئے ان سب میں آپ نے اپنی شرکت کی، یہ شرط ارباب حل و عقد سے ہمیشہ منوائی کہ ہم پر عوامی تقریر و تحریر پر وہ پابندیاں عائد نہیں ہوں گی جو سرکاری ملازمین پر ہوتی ہیں۔ چنانچہ صدارت جمعیت علماء اسلام سے پہلے اور بعد میں آپ نے جمعیت کی جانب سے تحریک دستور اسلامی کے لئے مشرقی و مغربی پاکستان کے طول و عرض کے بار بار دورے کئے اور ضلع ضلع میں پہنچ کر اسلامی دستور کے لئے عوامی شعور کو بیدار کیا۔ مغربی پاکستان کا ایک دورہ جو ۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۵۶ء تک جاری رہا اس میں حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کو بھی شرف ہمرکابی حاصل ہوا۔ قائم مقام صدر جمعیت علماء اسلام کی حیثیت سے آپ نے تقریباً ۳ سال تک جمعیت کی خدمات انجام دیں۔ آپ کی مساعی جاری تھیں کہ ملک میں انقلاب آیا اور جنرل محمد ایوب خان مرحوم نے مارشل لگا کر تمام جماعتوں کو کالعدم قرار دیدیا، دورانِ مارشل لاء میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی صدر جمعیت علماء اسلام بھی رحلت فرما گئے۔ پھر جب مارشل لا ہٹا اور جماعتیں دوبارہ منتظم ہوئیں تو جمعیت علماء اسلام کے نام سے بعض علماء کرام نے ایک نئی تنظیم قائم فرمائی۔ اس لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اصل جمعیت علماء اسلام کی تنظیم جدید کرنے سے باز رہے تاکہ علماء کرام کے مابین تفرقہ پیدا نہ ہو اور پاکستان میں اسلامی نظام کے لئے انفرادی طور پر علمی و عملی میدانوں میں کوشش فرماتے رہے جس کی تفصیل بہت زیادہ ہے اس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ جب ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے کچھ پہلے سیاسی ہنگاموں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ پاکستان میں خالص اسلامی حکومت کے بجائے کمیونزم اور



سوشلزم پھیل جانے کے خطرات قوی ہو گئے۔ اور سوشلزم کو عین اسلام باور کرانے کے لئے پروپیگنڈہ اور جلسے جلوس عام ہو گئے تو اس مسئلہ کی نزاکت نے پھر حضرت مفتی اعظم کو مرکزی جمعیت علماء اسلام کے احیاء پر مجبور کر دیا کیونکہ ضابطہ میں قائم مقام صدر آپ ہی تھے۔ چنانچہ مغربی و مشرقی پاکستان کے تمام ارکان جمعیت کا اجلاس بلا کر جمعیت کی صدارت تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی طرف منتقل فرمادی اور خود کسی عہدے کے بغیر مرکزی جمعیت علماء اسلام کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے اسلام اور سوشلزم کے درمیان جو بنیادی خلیج حائل ہے، اسے تحریر و تقریر کے ذریعہ واضح فرمایا۔ آپ نے ایک رسالہ ”اسلام کا نظام تقسیم دولت“ اور دوسرا رسالہ ”اسلامی نظام میں معاشی اصطلاحات کیا ہوں گی؟“ اسی دور میں تصنیف فرمائے۔ جو کثیر تعداد میں شائع ہوئے۔ تقریباً ایک سال اس جدوجہد میں صرف ہوا۔ جس سے مسئلہ کی وضاحت تو بجز اللہ پوری طرح ہو گئی مگر سیاست کے میدان میں مسائل اور حقائق سے زیادہ زور و زبر کام کرتے ہیں۔ انتخابات کا نتیجہ بالکل برعکس نکلا اور اس کے اثر سے پاکستان پر جو زوال آنا تھا آ گیا۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر)

## تاسیس دارالعلوم کراچی:

ہجرت پاکستان کے بعد حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے دو کاموں کو اپنا مقصد زندگی بنالیا تھا۔ ایک پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد، دوسرے کراچی میں یہاں کے شایان شان دارالعلوم کا قیام، ابتدائی دو سال تو قرارداد مقاصد اور اسلامی دستور کی جدوجہد جو انتہائی بے سروسامانی میں ہو رہی تھی اسی کی مشغولیت اتنی رہی کہ دارالعلوم کے قیام میں کامیابی نہ ہو سکی۔ فتاویٰ کا مشغلہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونے کے بعد بھی آپ کا جزو زندگی بنارہا مگر اس عرصہ



میں جو فتاویٰ لکھے گئے وہ کسی رجسٹر میں نقل کئے بغیر روانہ کر دیئے جاتے تھے۔ نقل کا کوئی انتظام نہ تھا البتہ نہایت اہم اور منتخب فتاویٰ آپ خود ہی ایک رجسٹر میں نقل فرمایا کرتے تھے۔

جیکب لائن سے آپ کی رہائش آرام باغ کے قریب ایک کرایہ کے مکان میں منتقل ہوئی تو مسجد باب السلام کے احاطہ میں دروازہ کے اوپر آپ نے ایک کمرہ دارالافتاء کا تعمیر کرایا تاکہ فتویٰ حاصل کرنے والوں کو سہولت ہو۔ نقل فتویٰ اور دارالافتاء کے انتظام کے لئے ایک صاحب کو تنخواہ پر رکھ لیا اور فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھانے کے لئے مولانا فضل محمد صاحب سواتی اور مولانا امیر الزماں صاحب کشمیری کو مقرر فرمایا۔ یہ دونوں حضرات مفتی صاحب کے شاگرد ہیں۔ اسی سال اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ محلہ نانک واڑہ میں سکھوں کے زمانے کے ایک اسکول کی خالی عمارت دارالعلوم کے لئے عطا فرمادی، حضرت مفتی صاحب نے اپنے داماد جناب مولانا نور احمد صاحب کو ساتھ لے کر چندے کی اپیل یا ساز و سامان کے بغیر نہایت سادگی سے اس عمارت میں مدرسہ قائم فرمادیا۔ ایک استاذ اور چند طلبہ سے اس مدرسہ کا محض اللہ کے بھروسہ پر آغاز ہوا۔ اس وقت تک کراچی میں مدرسہ مظہر العلوم کھڑے کے سوا کوئی مدرسہ نہ تھا، پورے پاکستان میں گئے چنے ہی مدارس تھے علوم دینیہ کے طلبہ پریشان تھے یہ مدرسہ کھلا تو ملک کے اطراف و اکناف سے طلبہ آنے شروع ہو گئے اور چند مہینے کے اندر اندر یہی مدرسہ ”دارالعلوم کراچی“ بن گیا اب دارالافتاء بھی یہیں منتقل ہو گیا۔

حضرت مفتی صاحب کا جو وقت دستوری جدوجہد سے بچتا تھا وہ درس و فتویٰ اور دارالعلوم کی انتظامی نگرانی میں یہیں صرف فرمانے لگے۔ حضرت مفتی صاحب دارالعلوم کے صدر تھے۔ اور آخر تک صدر رہے۔ جناب مولانا نور احمد صاحب دارالعلوم کے سب سے پہلے ناظم تھے جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتیں عطا فرمائی



ہیں وہ نہایت ہی جانفشانی سے دارالعلوم کا انتظام کئی سال تک چلاتے رہے۔

دارالعلوم کے ہر شعبہ میں کام جس تیز رفتاری سے بڑھ رہا تھا اس کے سامنے موجودہ عمارت بہت تنگ محسوس ہونے لگی۔ ادھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد حضرت مفتی صاحب کی دلی تمنا تھی کہ ان کی یادگار کے طور پر ان کے شایان شان دارالعلوم قائم ہو۔ اس کے لئے وہ احاطہ زمین جس میں حضرت شیخ الاسلام کا مزار ہے، شب و روز کی جدوجہد سے باضابطہ حاصل فرمایا اور دارالعلوم کو وہیں منتقل کرنے کے خیال سے نقشہ منظور کرا کے تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ مگر بعض لوگوں کی مزاحمت کے باعث کھودی ہوئی بنیادیں اس حال میں محض جھگڑا ختم کرنے کیلئے چھوڑ کر نائک واڑہ تشریف لے آئے۔ حکومت اور رفقاء کار نے بہت زور دیا کہ تعمیر جاری رکھی جائے۔ مگر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ:

”دارالعلوم بنانا فرض کفایہ اور مسلمانوں کو جھگڑے سے بچانا فرض عین ہے فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفایہ میں لگنا دین کی صحیح خدمت نہیں میں جھگڑا مول لے کر یہاں ہرگز دارالعلوم نہ بناؤں گا۔“

تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے کورنگی میں حضرت مفتی صاحب کو چھپن ایکڑ زمین دارالعلوم کے لئے عطا فرمادی۔ توجہ دید تعمیرات بقدر ضرورت مکمل ہو جانے کے بعد دارالعلوم یہاں منتقل فرمادیا۔ اور نائک واڑہ کی عمارت میں دارالعلوم کے چند شعبے رہ گئے۔

بورڈ آف تعلیمات اسلام کی رکنیت سے فارغ ہو جانے کے بعد آپ کی مصروفیات دارالعلوم میں بڑھتی چلی گئیں۔ پھر جب جنرل محمد ایوب خان کی حکومت آئی اور عوامی سطح پر اسلامی دستور و قانون کے لئے جدوجہد کے راستے مسدود ہو گئے تو آپ کی تمام تر توجہات کا مرکز یہی دارالعلوم بن گیا اور لسبیلہ چوک کے پاس اپنا ذاتی کشادہ مکان جو نہایت شوق و محنت سے کتنی ہی تکلیفیں جھیل کر اپنی ضروریات



کے مطابق تعمیر کیا تھا اسے چھوڑ کر مستقل رہائش دارالعلوم کے احاطہ کورنگی ہی میں اختیار فرمائی اور یہاں کئی سال تک کھریل کی چھت کے صرف دو کمروں میں بسر ہوئے۔ زندگی کے آخری لمحات تک درس و فتویٰ، اصلاح و ارشاد اور انتظام دارالعلوم میں مشغولیت رہی۔ احاطہ دارالعلوم کے اسی مکان میں ۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں رحلت فرمائی اور احاطہ دارالعلوم ہی کے قبرستان میں اب محو آرام ہیں، ناریل کے اُن درختوں کے سایہ تلے جو پندرہ سال قبل خود کھڑے ہو کر لگائے تھے۔ بہر حال مفتی اعظم قدس سرہ کے خلوص ولہبیت کا یہ ثمرہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دارالعلوم کو دنیا کے عظیم دینی مدارس کی صف میں لاکھڑا کیا اور پاکستان کے عظیم ترین دینی اداروں میں اسے ممتاز مقام حاصل ہے دارالعلوم اور دین کے مختلف شعبوں میں اس کی عظیم الشان خدمات حضرت مفتی اعظم کا ایسا صدقہ جاریہ ہے جو انشاء اللہ صدیوں باقی رہیگا۔

دارالعلوم کی مفصل تاریخ اسکی خدمات کا جائزہ اور اس کے مختلف شعبوں کا تعارف اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے اس کی کچھ تفصیلات ماہنامہ البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر میں ملاحظہ فرمائیے۔

## تصانیف و تالیفات:

حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی جہاں دوسری دینی و عملی خدمات مسلم ہیں۔ وہاں تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی آپ کا ایک مستقل محبوب مشغلہ تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت کی تصانیف اکثر اردو میں اور کئی عربی زبان میں ہیں۔ تصانیف کی کل تعداد ایک سو باسٹھ ہے۔ صرف فقہی موضوعات پر آپ کی پچانوے تصانیف ہیں یہاں صرف ان کی چند ممتاز تصانیف کا ذکر پیش خدمت ہے۔

تفسیر و حدیث:۔ تفسیری خدمات میں ”تفسیر معارف القرآن“ ۸ جلدوں میں



ایک مشہور زمانہ تفسیر ہے۔ جس کی اس دور میں نظیر نہیں ہے۔ ”احکام القرآن“ عربی دو جلدوں میں فقہی دلائل کا خزانہ ہے۔ حدیثی خدمات میں تقریر ترمذی، اکابر علماء دیوبند کا سلسلہ اسناد حدیث، مختصر چہل حدیث، اسلامی معاشیات پر چہل حدیث وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فقہ۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، امداد المفتیین، اسلام کا نظام اراضی، آلات جدیدہ، مسئلہ سود، آداب المساجد، تصویر کے شرعی احکام، بیمہ زندگی اور ”جواہر الفقہ“ وغیرہ فقہی کتب ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے رسائل فقہی مسائل پر شائع ہوئے ہیں۔

عقائد و کلام :- ایمان و کفر قرآن کی روشنی میں، ”مقام صحابہ“ ختم نبوت کامل، نزول المسیح عربی، ہدیۃ المہدیین فی آیات خاتم النبیین عربی، ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداہی، مشرق اور اسلام، سنت و بدعت وغیرہ۔

معیشت و سیاست :- اسلام کا نظام تقسیم دولت، اسلامی نظام میں معاشی اصطلاحات، دستور قرآنی، اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق، ووٹ کی شرعی حیثیت، سرمایہ داری، سوشلزم اور اسلام، خطبہ صدارت کل ہند جمعیت علماء اسلام حیدرآباد کانفرنس، افادات اشرفیہ و رسائل سیاسیہ، جہاد پاکستان، اور وحدت امت وغیرہ وغیرہ۔

سیرت و تاریخ :- سیرت خاتم الانبیاء ﷺ، سیرت النبی ﷺ، شہادت کائنات شہید کربلا، ذوالنون مصری، فتوح الہند، دوشہید اور درس عبرت وغیرہ۔

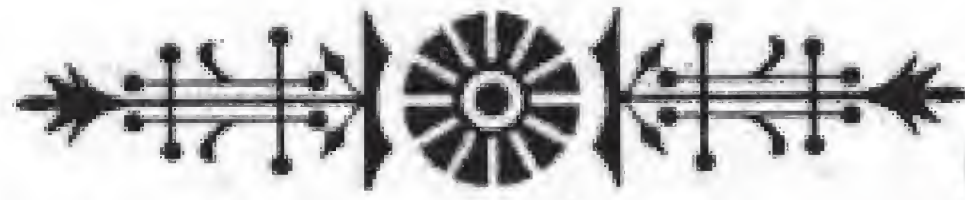
اصلاح و ارشاد :- گناہ بے لذت، گناہوں کا کفارہ، بسم اللہ کے فضائل، روح تصوف، مصیبت کے بعد راحت، ذکر اللہ اور درود و سلام کے فضائل، آداب الشیخ والمرید، خلاصہ و تسہیل قصد السبیل، دل کی دنیا، ملفوظات امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، مقدمہ حیوۃ المسلمین۔



تعلیم و تبلیغ :- امر بالمعروف ونہی عن المنکر، قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، طلبہ کے نام دوا، ہم پیغام اور وصیت نامہ وغیرہ۔

زبان و ادب :- کشلول اردو و فارسی، کلام نظم و نثر، کلیاتِ عربی نظم و نثر کا مجموعہ، تحفۃ الوطن، مکاتیب حکیم الامت، دارالعلوم دیوبند اور اس کا مزاج و مذاق، تاریخی قربانی، مقدمہ امداد الفتاویٰ، مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم وغیرہ وغیرہ۔

(تفصیلی خدمات کے لئے ابلاغ مفتی اعظم نمبر ملاحظہ فرمائیے)



www.ahlehaq.org



از شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب

دارالعلوم کبیر والا

مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے اوصاف و کمالات

باتیں اُن کی یاد رہیں گی

حق تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جب ہوش سنبھالا تو اہل حق سے اپنا تعلق پایا علماء دیوبند سے محبت بچپن سے رہی۔ جوں جوں وقت گزرتا رہا۔ اس میں اضافہ ہوتا رہا، اہل زیغ و ضلال کی صحبت اور عقیدت سے حق تعالیٰ نے ابتداء ہی سے محفوظ و مصون فرمایا۔ ان اکابر سے خصوصاً والہانہ تعلق رہا جو مخزن علم ہونے کے ساتھ عمل صالح اور تقویٰ کے میدان میں آگے تھے اور علم نبوت کے ساتھ ساتھ ان کو نور نبوت بھی حاصل تھا انہیں، میں سے ایک حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی شخصیت بھی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ان کی بعض کتابوں سے منفعہ ہوا۔ البلاغ کو اپنے نام جاری کرا کے اس کے مندرجات میں سے بالخصوص حضرت مفتی صاحب کی تحریروں سے دل و دماغ متاثر ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں میرے ساتھ ایک طالب علم رہتے تھے۔ جو سمجھدار تھے۔ مگر بعض سیاسی امور کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کے کچھ زیادہ معتقد نہ تھے۔ بلکہ حضرت سے ایک گونہ انکو اعراض اور عدم عقیدت سی ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی کوئی کتاب پڑھی اور کہنے لگے کہ مفتی صاحب کی تحریر میں اثر بہت ہے۔ میرا دل اُن کی فلاں کتاب پڑھ کر بہت متاثر ہوا۔ میں نے کہا باوجود بے تعلق ہونے کے آپ کی یہ گرویدگی مصنف کے اخلاص اور لائیت کی دلیل ہے۔



از دل خیز، بردل ریزد والی بات ہے۔ یہ تو وہم و گمان نہ تھا کہ مجھے حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے مدرسہ میں پڑھانے کی سعادت نصیب ہوگی اور کافی عرصہ حضرت کی صحبت اور انفاسِ طیبہ سے مستفید ہونے کا موقع میسر آئے گا۔ مگر حق تعالیٰ نے اس کے اسباب اس طرح مہیا فرمائے کہ شوال ۱۳۸۹ھ میں جب میں دارالعلوم کبیر والہ سے فارغ ہوا تو میرے مربی و استاذ مولانا محمد سرور صاحب مدظلہم کے واسطے سے میرا تقرر حضرت مفتی صاحب کے مدرسہ دارالعلوم میں ہو گیا۔

### فتویٰ میں احتیاط اور مفتیوں کو نصیحت

میں تدریس کے دوران تھوڑا بہت فتوے نویسی کا کام بھی کرتا تھا۔ جب کسی فتوے میں کوئی بات قابل اصلاح ہوتی تو بندہ کو کسی طالب علم کے ذریعہ سے پیغام بھیجتے کہ اسباق سے فراغت کے بعد مجھ سے مل لیں۔ میں فارغ ہو کر حاضر ہوتا تو تفہیم فرمادیتے۔ ایک دفعہ نصیحت فرمائی کہ مفتی کو ہمیشہ اس امر کا خصوصی طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے فتویٰ سے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ نہایت سوچ سمجھ کر لکھنا چاہئے، کتب کے طرف مراجعت کے ساتھ ساتھ موقع اور محل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ فقہاء رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا ہے مَنْ لَمْ يَعْرِفْ اَهْلَ زَمَانِهِ فَهُوَ جَاهِل۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مفتی کو فتویٰ دیتے وقت عوام الناس کی سہولت کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور تاحد امکان ان کے لئے گنجائش اور وسعت پیدا کرنی چاہئے۔ لیکن اپنے ذاتی عمل میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس پر یہ واقعہ سنایا کہ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے زمانہ میں یہ مسئلہ نکلا کہ ولایت سے جو کپڑا آتا ہے اس میں چمک پیدا کرنے کے لئے چربی استعمال کی جاتی ہے اور وہ چربی یقیناً مردار کی ہوتی ہے۔ لہذا وہاں سے درآمد ہونے والے کپڑے ناپاک اور ان کے بغیر دھوئے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے بھی اس بارہ میں استفسار کیا گیا تو



چونکہ یہ امر ناجائز نہ تھا اس لئے آپ نے عوام الناس کی سہولت کے پیش نظر یہ فتویٰ دیا کہ کپڑے پاک ہیں۔ اور بغیر دھوئے ان میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ مگر اپنے عمل میں احتیاط کو ملحوظ رکھا۔ جب غیر ملکی کپڑے خریدنے اور پہننے کا اتفاق ہوا تو پہلے اس کو دھلوا لیا اور پھر پہنا۔

ایک دفعہ یہ بھی نصیحت فرمائی کہ مفتی کو چاہئے کہ جن مسائل کا تعلق اپنی ذات سے ہو ان مسائل میں دوسرے علماء سے استفسار کرے اپنے نفس پر اعتماد نہ کرے کیوں کہ نفس کے کیدِ خفی کا اندیشہ ہے۔ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کو حق تعالیٰ نے فقہ میں غیر معمولی مہارت عطا فرمائی تھی۔ مگر اس کے باوجود اپنے ذاتی مسائل کے بارے میں فتوے دوسری جگہ دیوبند، سہارنپور سے منگواتے تھے۔ کئی دفعہ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی نے اپنے ذاتی مسائل میں مجھ سے استفتاء کیا میں نے جواب لکھا۔ حضرت نے جواب پر خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا۔

## اوقات کی قدر

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کو اوقات کی پابندی کا بہت اہتمام تھا۔ وقت کی بڑی قدر کرتے۔ یہ چیز آپ کو اپنے شیخ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی سے حاصل ہوئی تھی۔ ایک دفعہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہمارے اکابر خصوصاً حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی سے جو دین کا اس قدر کام لیا تو اس کا حقیقی سبب تو فضل خداوندی ہے۔ مگر ظاہر میں سبب یہ ہے کہ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی اوقات کی بہت قدر کرتے ایک منٹ بھی ضائع نہیں فرماتے تھے۔ بسا اوقات گھڑی کو ہاتھ میں پکڑے رہتے اور اس پر نظر رہتی، ایک ایک منٹ کا حساب لگاتے اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے۔ ہر کام کے لئے وقت مقرر تھا۔ اور ہر کام اپنے وقت پر انجام دیتے تھے۔



عید الاضحیٰ کا دن تھا جس کو عام لوگ حتیٰ کہ اہل علم بھی چھٹی اور آرام کا دن سمجھتے ہیں اور اپنے کام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ شام کے وقت چند نو جوان اہل علم دارالعلوم کے اساتذہ حضرت کے پاس جمع تھے۔ حضرت نے ہر ایک سے استفسار فرمایا کہ آج تم نے کیا کیا علمی کام سرانجام دیا ہے؟

تقریباً سب کا جواب یہی تھا کہ آج تو کام کرنے کا موقع نہیں ملا، گہما گہمی میں ہی وقت گزر گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نو جوانوں کے لئے کہتا ہوں کہ میں بوڑھے نے آج بھی معارف القرآن کے دس ورق (فیما اظن) لکھے ہیں۔

## مدرسہ کے اساتذہ کے حقوق کا خیال

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو اپنے مدرسہ کے اساتذہ کرام کا بڑا احترام تھا ان کی راحت رسانی کی بہت فکر کرتے۔ چنانچہ جب میں دارالعلوم کراچی میں تھا تو ایک خطیر رقم خرچ کر کے مدرسین کے لئے سوئی گیس کا انتظام کیا۔ حضرت کو اس بات کا اہتمام رہتا تھا کہ مدرسہ کے اساتذہ اپنے اکابر کے طرز پر ہوں، مخلص ہوں، دین کی نشر و اشاعت ان کا مقصود ہو۔

ایک دفعہ فرمایا کہ میری زیادہ تر یہ خواہش رہتی ہے کہ مدرسہ میں چند اللہ والے جمع ہو جائیں اگرچہ وہ زیادہ محقق نہ ہوں۔ جس مدرس کا مقصود تنخواہ لینا ہو اس کو حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اپنی اصطلاح میں پیشہ ور مولوی فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ماہ رمضان المبارک میں زیارت کے لئے میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ہم نے مدرسین کا مشاہرہ کافی بڑھا دیا ہے اگر آپ بھی یہاں ہوتے تو آپ کا مشاہرہ بھی کافی بڑھ جاتا۔ میں نے عرض کیا کہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکا۔

پھر فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ مدرسین کا مشاہرہ حتیٰ الوسع زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ وہ اپنی معاش سے مطمئن ہو کر کام کریں۔ اگر مشاہرہ کم ہو تو مدرسین کہیں



امامت خطابت، یوشن وغیرہ تلاش کرتے ہیں۔ پھر ایک معروف مدرسہ کے متعلق افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں باوجود وسعت کے مدرسین کی تنخواہیں کم ہیں اور مدرسین پریشان رہتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے ایک صاحب ثروت دوست نے افریقہ سے ایک بڑی رقم دارالعلوم کے اساتذہ کے لئے بطور ہدیہ بھیجی۔ حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ہر مدرس کو علیحدہ علیحدہ بلا کر اس کے منصب اور اس کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے رقم عطا فرمائی۔ مجھے اور دارالعلوم کے ایک مدرس کو اکٹھے بلایا اور ہم میں سے ہر ایک کو دو صد روپیہ عنایت کیا۔ اور یہ وضاحت بھی فرمائی کہ یہ رقم افریقہ سے آپ لوگوں کے لئے آئی ہے۔ اور معطی نے یہ تاکید کی ہے یہ رقم دارالعلوم کے اساتذہ کو ہدیہ دی جائے کسی اور میں اس کو خرچ نہ کیا جائے۔

## مدرسین کو نصیحت اور مدرسہ کے حقوق کا خیال

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی دورانِ سال میں بعض اوقات تمام مدرسین کو جمع کرتے، بالخصوص اسباق شروع ہونے سے پہلے ان کو نصیحت فرماتے۔ فرض منصبی کا احساس دلاتے۔ اخلاص کی تلقین کرتے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ بعض مدرسین مدرسہ سے تنخواہ تو پوری وصول کر لیتے ہیں مگر مدرسہ کی طرف سے جو کام ان کے ذمہ ہوتا ہے اس کو پورا نہیں کرتے۔ کبھی سبق میں دیر سے پہنچتے ہیں۔ کبھی بلاوجہ سبق کا ناغہ کر دیتے ہیں۔ کبھی سبق میں بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرتے ہیں۔ جس سے سبق کی کمیت اور کیفیت کا نقصان ہو جاتا ہے یہ سب باتیں امانت و دیانت کے خلاف ہیں۔ خیانت اور تطفیف میں داخل ہیں۔

ایک دفعہ جب کہ بعض مدرسین نے کتابوں کو مقامِ درس تک نہ پہنچایا تو حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو بہت افسوس ہوا اور ناراضگی کا اظہار کرتے رہے اور اس



کے سد باب کے لئے مقام درس متعین کر کے کتاب کی سالم مقدار کو سال کے مہینوں پر تقسیم کرادیا۔ اور ہر ماہ کی مقدار متعین کرادی۔ اور مدرسین پر ایک بڑے استاذ کو نگران مقرر کر دیا۔ جن کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ وہ ہر ماہ کے بعد چانچ کریں کہ مدرسین نے مقدار کو پورا کیا یا نہیں؟

مدرسین کو جب جمع فرماتے تو نصیحتوں کے ساتھ ساتھ چائے سے بھی مدرسین کی تواضع کرتے۔ اسی قسم کی ایک مجلس میں مدرسین کو امانت و دیانت کی تلقین فرمائی اور خیانت سے ڈرایا۔ اور اس مناسبت سے سیدنا حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قصہ سنایا، کہ آپ نے سیدنا حضرت ابو عبیدہ بن جراح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شام کا امیر مقرر فرمایا، ایک دفعہ آپ شام تشریف لے گئے اور دل میں خیال پیدا ہوا کہ ابو عبیدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ یہاں کے امیر ہیں۔ شاید آپ نے مال و منال اور زیب و زینت کا سامان جمع کر رکھا ہو تو اس امر کی تحقیق کے لئے آپ نے یہ تجویز اختیار فرمائی۔ کہ آپ نے سیدنا حضرت ابو عبیدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے گھر چلوں اور وہاں کچھ دیر آرام کروں۔ تو حضرت ابو عبیدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا خوشی سے تشریف لے چلیں۔

چنانچہ آپ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اور گھر میں داخل ہونے کے بعد گھر میں مجتہسانہ نگاہ ڈالی مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ اتنے بڑے حاکم اور امیر کے گھر کسی قسم کا سامان موجود نہیں۔ صرف زمین پر بچھا ہوا معمولی سا بچھونا ہے۔ جس پر وہ آرام کرتے تھے۔ ایک پیالہ جس میں وہ کھانا کھاتے تھے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر سیدنا حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر رقت طاری ہوئی۔ کہ ان کے گھر میں زیب و زینت کا سامان تو بجائے خود رہا، ضرورت کا سامان بھی نہیں ہے۔ پھر آپ نے سید حضرت ابو عبیدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے متعلق حضور ﷺ کا فرمان حرف بحرف صحیح نکلا کہ ”ایمن هذه الامة ابو“



عبیدہ بن الجراح۔ جب حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے یہ واقعہ سنایا تو حضرت اور مدرسین پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ اور بعض آبدیدہ ہو گئے۔

ایک دفعہ آپ نے مدرسین کے لئے اس ضابطہ کا اعلان کیا کہ اگر کوئی مدرس کسی مجبوری کی وجہ سے دیر سے پہنچے۔ تو زیادہ دس منٹ کی تاخیر معاف ہے اس سے زیادہ تاخیر چھٹی میں محسوب ہوگی۔ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ایک دفعہ جبکہ میں حضرت کے پاس اکیلا تھا اپنا واقعہ سنایا کہ دارالعلوم دیوبند کی ملازمت کے آخری سالوں میں بعض عوارض کی وجہ سے امور مفوضہ کے ادا کرنے کے لیے پورا وقت نہ دے سکتا تھا، کچھ کوتاہی ہو جاتی تھی اور تنخواہ بھی مجھے پوری مل جاتی تھی۔ مگر مجھے اس کاشت سے احساس تھا۔ جب میں دارالعلوم سے علیحدہ ہوا تو مجھے بڑی فکر ہوئی کہ مدرسہ کا حق میرے ذمہ ہے اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہو اس وقت میرے پاس زائد سرمایہ بھی نہ تھا جو مدرسہ میں داخل کر دیتا۔ ہاں ایک ذاتی کتب خانہ کافی مالیت کا تھا۔ وہ میں نے مدرسہ میں داخل کر دیا اور مدرسہ کے حق سے سبکدوش ہوا اور اس کی مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ انتہی کلامہ۔

اہل اللہ چونکہ اپنے نفس سے بدگمان رہتے ہیں اس لیے آپ نے اپنی معمولی کوتاہی کو بڑی کوتاہی سمجھا اور بالآخر اس کا تدارک کر کے چھوڑا۔ اہل درس و تدریس کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

## مفتی صاحب کی اصلاحی مجلس

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی جہاں علم و فقہ کے میدان میں سباق الغایات تھے وہاں طریقت اور تصوف میں بھی حق تعالیٰ نے ان کو اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ تب ہی تو مجدد الملت حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور خلق خدا کی اصلاح کے لئے آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دی بلکہ مامور



فرمایا۔ چنانچہ آپ اسی اصلاح خلق کے جذبہ سے اتوار کے دن ایک مجلس منعقد فرماتے تھے۔ اس زمانہ میں حکومت کی طرف سے اتوار کی چھٹی ہوا کرتی تھی اور اتوار کا دن بھی اسی مصلحت سے تجویز کیا گیا تا کہ سرکاری ملازمین بھی اس مجلس میں حاضر ہو سکیں۔ کبھی کبھی مختصر طور پر جمعہ کے دن بھی یہ مجلس ہو جاتی تھی۔ اتوار کی مجلس میں مختلف مقامات سے لوگ حاضر ہو کر روحانی پیاس بجھاتے۔ حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے نصائح اور ملفوظات سے بہرہ ور ہوتے۔ اس مجلس میں زیادہ تر ارشادات اصلاح باطن کے متعلق ہوتے۔ خوف خدا اور فکر آخرت کا بیان ہوتا، اتباع سنت کی تلقین ہوتی، حقوق العباد کے ادا کرنے کی تاکید ہوتی۔

حاضرین مجلس حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے ارشادات سے متاثر ہوتے۔ غزم و ہمت میں قوت پیدا ہو جاتی۔ خصوصاً خوف خدا اور فکر آخرت کے متعلق بیان کرتے تو مجلس پر خوف کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اور بعض کی چیخیں تک نکل جاتیں۔ یہ مجلس بہت پر کیف اور پر انوار ہوتی۔ افسوس کہ اب ہم اس مجلس سے محروم ہیں۔ اور اب تو ایسی مجالس بہت کم رہ گئیں، جو شاذ و نادر رہ گئیں وہ غنیمت کبریٰ ہیں ان کی قدر پہنچانی چاہئے، اپنی اس مجلس کے متعلق ایک دفعہ فرمایا کہ بغیر سخت مجبوری کے میں اس کا نانا نہ نہیں کرتا۔ حاضرین کو تو خدا جانے نفع ہوتا ہے یا نہیں مگر میں اپنے اندر تو فائدہ محسوس کرتا ہوں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جو لوگ آتے ہیں ان کا مقصود دین کا نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ مخلص ہوتے ہیں۔ اور چند مخلصین کے مل بیٹھنے کی برکت سے حق تعالیٰ مجھ کو بھی نفع پہنچاتے ہیں۔ اور انشاء اللہ العزیز مجھے توقع ہے کہ آنے والوں کو بھی نفع ہوتا ہوگا۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ جو لوگ باقاعدہ اس مجلس میں آتے، ان کی حالت روز بروز بدلتی چلتی۔ ایسے بہت سے افراد دیکھے گئے جن کی دینی حالت اچھی نہیں تھی۔ انگریزی وضع قطع، انگریزی لباس میں ملبوس تھے شکل و صورت بھی اسلام کے خلاف تھی۔ مگر جب باقاعدہ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی مجلس



میں آنے لگے تو بغیر اس کے کہ حضرت ان کے افعال پر نکیر کرتے یا خصوصی خطاب سے تنبیہ کرتے خود بخود ان کی حالت درست ہوتی چلی گئی۔ وضع قطع شکل و صورت درست ہو گئی، لباس و معاشرت شریعت کے مطابق ہو گئی۔ جو حضرات یا قاعدہ اس مجلس میں آتے رہے اور اپنی اصلاح کا اہتمام رکھا۔ اور اپنے اخلاق و اعمال کو درست کیا۔ ان میں سے جن کو حضرت نے اصلاح خلق کا اہل سمجھا ان کو بیعت و تلقین کی اجازت دی۔

ایک دفعہ فرمایا کہ میں اپنی علمی مصروفیتوں کی وجہ سے تو وسیع سلسلہ کی طرف توجہ نہیں کر سکا جو کچھ تھوڑا بہت ہو رہا ہے حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اپنے شیخ کی طرح بیعت کرنے میں تعجیل نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی نظر صورت بیعت سے زیادہ اعتقاد و انقیاد شیخ ہے۔ ایک دفعہ جب حضرت اپنی مجلس میں تشریف رکھتے تھے ایک شخص حاضر ہوئے اور کہنے لگے حضرت! مجھے بیعت فرمائیں۔ حضرت نے کچھ انکار کیا تو کہنے لگے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے مجھے فرمایا کہ مفتی محمد شفیع سے بیعت ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا بیعت صرف ہاتھ میں ہاتھ دینے کا نام نہیں، آپ میری مجلس میں آتے رہیں، اور میری باتیں سنتے رہیں۔ اگر آپ کو فائدہ محسوس ہونے لگا اور باہمی مناسبت ہو گئی تو مجھے بیعت کرنے سے انکار نہ ہوگا۔

### حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی تقریر

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ایک مصروف ترین علمی شخصیت تھے ان کو خطابت و تقریر سے زیادہ شغف اور لگاؤ نہ تھا مگر اس کے باوجود آپ ایک اچھے خطیب اور مقرر بھی تھے۔ مگر آپ کی تقریر ظاہری شوکت سے زیادہ معنویت کی حامل ہوتی تھی۔ ایک دفعہ خود فرمایا کہ جادو بیان مقرر نہیں ہوں مگر بالکل گونگا بھی نہیں ہوں۔ جب آپ کی صحت و قوت اچھی تھی تو ہفتہ کے دوران میں مغرب کے بعد



ایک دفعہ مدرسہ کے طالب علموں کے سامنے بیان فرماتے۔ عموماً سوموار کی شب مغرب کے بعد حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی بیان کا اعلان کر دیا جاتا۔ نماز کے بعد طلبہ مسجد میں بیٹھ جاتے۔ اور بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ مجھے بھی ان بیانات کے سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہ تقریریں بڑی عالمانہ اور محققانہ ہوتی تھیں۔ اور حضرت نہایت دل سوزی اور خیر خواہی کے جذبہ سے بیان فرماتے۔ طالب علموں کو دینی و علمی ذوق عطا کرنے کی کوشش فرماتے۔ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو اس بات کی بڑی لگن تھی کہ نوجوان طلباء و علماء میں اکابر جیسا دینی و علمی ذوق پیدا ہو۔ کئی دفعہ فرمایا کہ حرف شناس عالم تو پیدا ہو رہے ہیں مگر اکابر جیسا دینی ذوق اور علمی مزاج رکھنے والے اور ان کے طرز فکر کے امین بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی جب کسی تقریر یا مجلس میں اپنے اکابر کے علمی و عملی کمالات بیان فرماتے تو مردہ دلوں میں جان آ جاتی۔ اور کابل اور سُست آدمی بھی مستعد اور مستیغظ ہونے لگتا اور اکابر کا گرویدہ ہو جاتا۔ اسی اپنی ذوق کے بارے میں ایک دفعہ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا مقولہ نقل فرمایا کہ۔ بعض لوگ میرے پاس ملفوظات سننے آتے ہیں حالانکہ وہ طبع ہو چکے ہیں دور رہ کر پڑھے جاسکتے ہیں۔ اور تحقیقات سننے آتے ہیں۔ تو وہ کتابوں میں موجود ہیں۔ میں اپنے متعلق تو نہیں کہتا۔ البتہ بزرگوں کے متعلق کہتا ہوں کہ ان سے حاصل کرنے کی چیز دینی ذوق ہے۔ یہ ذوق بہت بڑی چیز ہے۔ آج کل اسکی بہت کمی ہے۔ اسی ذوق کے متعلق فرمایا کہ ہم ایک دفعہ الحیلۃ الناجذہ کی تصنیف کے لئے مجنون کی بیوی کا حکم تلاش کر رہے تھے۔ اس کے متعلق ایک خاص جزیہ کی تلاش تھی حضرت تھانوی قدس سرہ کو دکھایا حضرت بھی بہت متعجب ہوئے کہ صاف صاف مل گیا مگر بات دل کو لگتی نہیں۔ دوسرا نسخہ دیکھو۔ دوسرا نسخہ دیکھا گیا تو بجائے مجنون کے محبوب کا لفظ تھا۔ اس موقع میں حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے علمی ذوق نے کام دیا۔ اور ایک زبردست لغزش سے حفاظت ہو گئی۔



## حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا استغناء

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ جہاں خوش اخلاق، متواضع اور نرم خو تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو استغناء کی صفت سے بھی نوازا تھا جو ایک فقیہ کے لئے از روئے حدیث ضروری صفت ہے:

نعم الرجل الفقیہ ان احتیج الیہ نفع وان  
استغنی عنہ اغنی نفسہ . (الحدیث).

خود فرماتے تھے کہ امراء اور دولت مندوں سے مستغنی رہتا ہوں۔ اگر وہ مدرسہ کی امداد کرتے ہیں تو اس میں مجھ پر ان کا کوئی احسان نہیں خود اپنی ذات پر احسان کرتے ہیں۔ اس لئے کوئی بڑے سے بڑا دولت مند اور امیر ہو میں اس کی خوشامد نہیں کرتا۔

فرمایا ایک دفعہ نہایت متمول شخص نے مجھ سے کہا کہ میرے پاس سولہ ہزار روپیہ زکوٰۃ کا ہے کس کار خیر میں لگاؤں؟ میں نے اس کو زکوٰۃ کے مصارف بتادیئے مگر ایک خفیف سا اشارہ بھی اس طرف نہ کیا کہ ہمارا دینی مدرسہ بھی ہے جس کے طلبہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ ہوتی ہے۔

مدرسہ کے چندہ کے سلسلہ میں بھی حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی رائے یہ تھی کہ مدرسہ کی ضروریات کی اہل خیر کو عموماً اطلاع کر دی جائے جو ایسے مواقع خیر کے منتظر رہتے ہیں۔ مگر چندہ کرنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے اہل علم کی بے وقعتی ہو۔

فرمایا کہ جب میں تقسیم کے بعد کراچی منتقل ہوا تو تو کلاً علی اللہ ناک واڑہ میں مدرسہ کھولا مگر اسباب بالکل نہ تھے، میں نے طلبہ کو کہہ دیا تھا کہ پڑھانے کے لئے تو ہم حاضر ہیں مگر تمہارے قیام و طعام اور دیگر مصارف ہمارے پاس نہیں۔ جب اہل

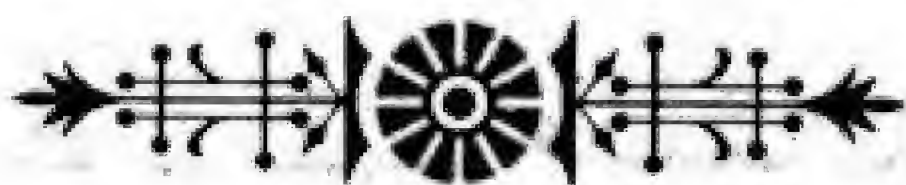


خیر کو اس کی اطلاع ہوئی تو صرف تین آدمیوں نے کہا کہ آپ اخراجات کی فکر نہ کریں۔ وہ ہمارے ذمہ رہے۔ چنانچہ ایک سال کا خرچ چھتیس ۳۶ ہزار روپیہ صرف ان تین آدمیوں نے دے دیا۔

ایک دفعہ ماہ رمضان المبارک میں برادرِ مولانا محمد رفیع صاحب نے حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی خدمت میں عرض کیا کہ مسجد دارالعلوم کے لئے دریاں نہیں ہیں۔ اگر رائے عالی ہو تو جمعہ کے اجتماع میں اپیل کروں؟ فرمایا بھائی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ جتنا خرچ دریوں پر ہوا دھا میں دے دوں گا اور آدھا کہیں اور سے ہو جائے گا۔ چندہ کی اپیل نہ کریں۔ چنانچہ مولانا اپنے خیال سے رک گئے۔

اس استغناء کا اثر تھا کہ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنے مدرسہ میں یہ ضابطہ بنا رکھا تھا کہ جو شخص طالب علموں کی دعوت کرے وہ طعام وغیرہ مدرسہ میں بھیج دے طالب علم دعوت کھانے کے لئے کہیں نہیں جائیں گے۔ کیوں کہ آج کل ایسا کرنے سے ایک تو طلبہ میں طمع پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا عوام بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میرے مدرسہ میں بڑے لائق و فائق مدرس پڑھاتے رہے اور بعض بغیر کسی وجہ کے مدرسہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ بعض اوقات یہ خیال ہوتا کہ شاید ان کے جانے سے مدرسہ کی تعلیم کا نقصان ہو لہذا ان کی منت سماجت کروں۔ مگر ایسا نہیں کیا بلکہ کچھ کہہ سن کر دیکھ لیا جب نہ مانے تو اصرار نہیں کیا۔ اور ان کو رخصت کر دیا۔ بحمد اللہ کوئی نقصان بھی مدرسہ کا ان کے جانے سے نہ ہوا فرمایا کہ میں حق تعالیٰ سے ایک دعا کیا کرتا ہوں اور اس کے برکات بھی محسوس کرتا وہ دعاء یہ ہے

اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِيْ عَمَّنْ اَغْنَيْتَهُ عَنِّيْ مِنْ خَلْقِكَ۔





حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے بعض وظائف فرائد اور اطائف  
ایک استخارہ:

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ مولانا داؤد غزنوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی  
نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی خلیفہ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی  
کے سامنے بیان کیا کہ امام ابن تیمیہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ایک استخارہ اپنے معمول میں  
رکھتے تھے۔ اور وہ یہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مندرجہ ذیل دعا چالیس مرتبہ پڑھ لیتے۔

یا حی یا قیوم لا الہ الا انت برحمتک استغیث اصلح لی

شانی کلہ ولا تکلنی الی نفسی طرفہ عین

مفتی محمد شفیع نے فرمایا کہ میں نے بھی اس استخارہ کو اپنا معمول بنالیا ہے۔ حق  
تعالیٰ کا فضل ہے کہ جو الٹا سیدھا کام کرتا ہوں درست ہو جاتا ہے۔

## دو وظیفے

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری  
رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ۱۳۷۰ھ میں مجھے دو وظیفے بتلائے تھے وہ اب تک میرے عمل  
میں ہیں۔ ایک وظیفہ تو وسعتِ رزق کے لئے ہے اور وہ وظیفہ اصل میں حضرت  
حاجی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا معمول تھا۔ وہ یہ کہ صبح کی نماز کے بعد ستر ۷۰ مرتبہ یہ  
آیت پڑھی جائے۔

اللّٰهُ لَطِیْفٌ بَعَادَہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ ط وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ

(اول آخر درود شریف) اس وظیفہ کی برکت ہے کہ بھلائی بکھری مالی تنگی پیش نہیں آئی۔

دوسرا وظیفہ حل مشکلات کے لئے ہے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ تین سو  
اکتالیس ۳۴۱ مرتبہ۔



## حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی ایک نصیحت

ایک دفعہ میں حضرت کے پاس موجود تھا تو حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے مجھے نصیحت فرمائی کہ آپ احیاء العلوم دیکھا کریں۔ بالخصوص ربع مہلکات کا ضرور مطالعہ کریں۔ اور حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے مواعظ کو بھی دیکھا کریں۔ ان کے پڑھنے میں بہت نفع ہے۔ کیوں کہ یہ حضرت ابناء آخرت میں سے تھے ان کے کلام پڑھنے والے کو بھی آخرت کی فکر ہو جاتی ہے۔

## حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی

## حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو نصیحت

اکابر نے خود اس امر کا اہتمام اور دوسروں کو بھی تاکید فرمائی ہے کہ قلب کو فضول خیالات سے خالی رکھا جائے بلکہ ضروری باتیں بھی بقدر ضرورت آنی چائیں۔ کیوں کہ اصل شے قلب میں سامنے کی ذکر اللہ ہے۔ اسی بارہ میں حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنے شیخ کا واقعہ نقل کیا کہ ایک دفعہ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی خانقاہ سے گھر تشریف لے جا رہے تھے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ راستہ میں چلتے چلتے ٹھہر گئے۔ جیب سے کاغذ پنسل نکالا اور کچھ لکھ کر جیب میں ڈال لیا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا مولوی محمد شفیع تم بھی سمجھے؟ میں نے عرض کیا۔ نہیں حضرت!

فرمایا ایک ضروری بات یاد آگئی تھی۔ اس کو اپنی یادداشت میں نہ لکھ لیتا تو قلب میں بار بار کھٹکتی رہتی اور اس کو یاد کرنے کی فکر رہتی، قلب فارغ نہ رہتا میں نے قلب کا بوجھ کاغذ پر ڈال کر قلب کو فارغ کر لیا ہے۔ تاکہ جب کبھی ذکر کی توفیق ہو تو قلب ذکر کے لئے فارغ اور مستعد ہو۔ اور مجھے قلب کو فارغ رکھنے کا بڑا اہتمام ہے۔





## علماء و طلباء کو نصیحت

ایک دفعہ طلبہ کو اخلاص کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی رضا کے لئے پڑھو، پڑھاؤ۔ تمہاری دنیوی ضرورتیں بھی انشاء اللہ پوری ہوتی رہیں گی۔ پھر فرمایا میری پچھتر ۷۵ سال کی عمر ہے (اور اس وقت عمر اتنی تھی) میں بقسم کہتا ہوں کہ میں نے ایک عالم بھی ایسا نہیں دیکھا کہ جس نے اللہ کے لئے پڑھا اور پڑھایا ہو اور اللہ نے اس کو عزت و راحت کی زندگی عطا نہ کی ہو۔ اگر عالم ہو کر کوئی رسوا ہوا تو اپنی بد عملی سے ہوا۔

## مولوی کی تعریف

ایک دفعہ فرمایا کہ مولوی کی تعریف حمد باری (جو فارسی کا ایک چھوٹا سا رسالہ) کے ایک شعر میں کردی گئی ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

علم مولے ہو جسے ہے مولوی جیسے حضرت مولوی معنوی  
پھر فرمایا کہ یہ تعریف ایک اور اعتبار سے ہے۔ میرے خیال میں مولوی وہ ہے جس میں اس قدر استعداد ہو کہ ہدایہ کے چاروں جلدوں میں جو جگہ اس کو بتلائی جائے اس کو حل کر کے سمجھا اور پڑھا سکے۔

## قانون اور فضل کا فرق

ایک دفعہ مجلس میں یہ مضمون بیان فرما رہے تھے کہ حق تعالیٰ کا قانون تو یہ ہے کہ جو مسلمان گناہوں میں مبتلا رہا ہو آخرت میں اس کو سزا ملے گی۔ اور سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔ لیکن اگر حق تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو سزا نہ دیں اور ابتداء ہی جنت میں داخل فرمادیں تو ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں۔ یہ محض ان کا فضل ہوگا۔ قانون نہیں ہوگا۔ مسلمان کو چاہئے کہ فضل کے بھروسہ پر گناہوں میں مبتلا نہ رہے۔



بلکہ قانون کا خوف کر کے گناہوں کو چھوڑ دے پھر قانون اور فضل میں فرق بتلاتے ہوئے ایک قصہ بیان فرمایا کہ۔

ایک بادشاہ نے اپنے ایک وزیر کو کہا کہ تم نے ہمیں کبھی اپنا گھر نہیں دکھایا حالانکہ ہمیں تمہارا گھر دیکھنے کا اور تمہارے چھوٹے بچے دیکھنے کا شوق ہے۔ وزیر نے عرض کیا کہ میرا گھر کیا ہے وہ آپ ہی کا گھر ہے جب دل چاہے تشریف لے چلیں، یہ سن کر بادشاہ نے آنے کا ایک دن مقرر کر دیا۔ وزیر نے اپنے گھر کو خوب مزین کیا اور اپنے بچوں کو بار بار سمجھا دیا کہ بادشاہ سلامت آئیں گے، وہ تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم نہایت باادب ہو کر ان کے سامنے بیٹھنا۔ کسی قسم کی بات نہ کرنا شاید تمہاری زبان سے کوئی بے ادبی کی بات نکل جائے۔ مگر بچے کو جتنا سمجھایا جائے پھر بھی وہ بچہ ہی ہوتا ہے۔

جب بادشاہ آیا اور بچوں کو اس کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ ان کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اور ان میں سے ایک بچے نے بادشاہ کو ایک غلیظ سی گالی دے دی۔ وزیر کے اوسان خطا ہو گئے کہ اب میری بھی خیر نہیں۔ جلدی سے بھاگا ہوا گھر سے تلوار لے آیا اور اس سے بچے کو بہت ڈرایا دھمکایا۔ اور بادشاہ کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ میں اس تلوار سے مارنا چاہتا ہوں۔ مگر بادشاہ نے کہا یہ چھوٹا بچہ ہے۔ اس کی گالی پر مجھے کوئی ناراضگی نہیں۔ بلکہ میں اس گالی کے عوض میں اپنی حکومت کی جانب سے اس کا وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔ جب تک یہ زندہ رہے وظیفہ اس کو ملتا رہے گا۔ جو کافی مقدار میں تھا۔ یہ قصہ سنا کر مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا۔ گالی کے عوض میں وظیفہ ملا کرے یہ قانون نہیں بلکہ محض فضل ہے

### بیگم بازار کا قصہ

ایک دفعہ اس حدیث شریف کے متعلق بیان فرما رہے تھے۔ مانحل والد



ولدہ من نحل افضل من ادب حسن۔ (الحديث) ”یعنی کسی والد نے اپنی اولاد کو اچھے ادب سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں دیا۔“

فرمایا کہ آج کل لوگ اس کی تو بہت فکر کرتے ہیں کہ اولاد کو کھانے کمانے کے قابل بنادیں، یا ان کے لئے کوئی جائیداد چھوڑ جائیں۔ مگر اس کا خیال بہت کم لوگوں کو ہے کہ اولاد کے اخلاق و اعمال کو درست کریں، بری صحبت اور برے اخلاق سے ان کو بچائیں۔ علم و تہذیب سکھائے بغیر لاکھوں روپے کی جائیداد ان کے لئے چھوڑ جانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ والدین کے بعد چند دنوں میں اس کو اڑا دیتے ہیں۔ اس پر ایک قصہ سنایا۔

قریب زمانہ میں ڈھاکہ میں ایک بڑے نواب صاحب تھے ان کی اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی جس کے ساتھ ان کو بہت محبت تھی۔ چونکہ بہت پیاری اور لاڈلی تھی اس لئے اس کو تعلیم نہ دے سکے اور نہ کچھ تہذیب سکھائی، مرنے سے پہلے اس لڑکی کے لئے یہ انتظام کیا کہ اس کے نام پر ایک لاکھ روپیہ بینک میں داخل کرادیا۔ اور دوسرا انتظام یہ کیا کہ ڈھاکہ میں بازار بنوایا اور وہ سب اس لڑکی کے ملک کر دیا تاکہ جب رقم ختم ہو جائے تو بازار کی دکانوں کے کرایہ سے آمدنی ہوتی رہے۔ مگر چونکہ علم و ادب سے عاری تھی اس لئے والد کے مرنے کے بعد جائیداد کو اڑانا شروع کیا۔ اور فضول کاموں میں خرچ کرنے لگی۔ اگر کبھی قیمتی تھان کپڑے کا منگوایا اس کے پھاڑنے کے وقت جو آواز پیدا ہوئی وہ اس کو پسند آگئی۔ تو اس قسم کے کئی تھان منگوائے اور پھر وا کر لطف اٹھایا۔

کسی تالاب کی سیر کو گئی اور اس کا پانی صاف شفاف تھا اس میں اس نے چاندی کا روپیہ سونے کی اشرفی ڈالی تاکہ صاف پانی میں اس کی حرکت کو دیکھے اور لطف اندوز ہو۔ ایک کے ڈالنے سے اس کو لطف آیا تو کئی اشرفیاں اور روپے منگوا کر تالاب میں ڈال کر لذت حاصل کی۔ اس طرح کے اسراف میں جائیداد کب تک تاب لاسکتی۔ پہلے بینک کا روپیہ ختم ہوا۔ پھر بازار کو بیچنا شروع کر دیا۔ آخر نوبت



بائیں جا رسید کہ سب جائیداد کو بیچ کر بالکل کنگال ہو گئی۔ اور بھیک مانگنا شروع کیا اور اسی حالت میں مر گئی۔ اور ڈھا کہ میں اب تک اس کے والد کا بنوایا ہوا بازار بیگم بازار کے نام سے مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

## حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور مزاح

اپنے احباب اور متعلقین کا دل خوش کرنے کے لئے مزاح کرنا سنت سے ثابت ہے۔ حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی بھی حسب موقع اپنے متعلقین سے مسنون مزاح فرمایا کرتے تھے اور اس قسم کے لطائف اور قصے بھی سناتے۔ اپنا ایک قصہ سنایا کہ مولانا محمد انور شاہ صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے پاس حدیث کا پاک سبق ہو رہا تھا۔ حضرت کسی روایت کے ایک جزء کی تضعیف فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یہ تو ثقہ کی زیادتی ہے اور محدثین سے ضعیف بھی ہو جاتی ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ہمیشہ مقبول نہیں ہوتی بلکہ بعض اسباب قاحلہ کی وجہ سے ضعیف بھی ہو جاتی ہے اس کے بعد سبق میں جب ایسی زیادتی آ جاتی جو محدثین کے ہاں مقبول نہ ہوتی تو حضرت شاہ صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی میری طرف اشارہ کر کے مزاحاً فرماتے ثقہ کی زیادتی والا کہاں بیٹھا ہے۔

ایک دفعہ مزاحاً یہ لطیفہ سنایا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کے خلاف حاکم کے پاس نالش کی اور کہا کہ فلاں آدمی نے مجھ پر ظلم اور زیادتی کی ہے میری دادرسی کی جائے۔ حاکم ظریف الطبع تھا اس نے مدعی کو کہا کہ تم ٹھگنے آدمی ہو۔ اور ٹھگنا آدمی چالاکی اور مکاری میں زیادہ ماہر ہوتا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی تم پر ظلم کرے، مدعی نے جواب دیا کہ آپ نے درست فرمایا۔ مگر جس پر میرا دعویٰ ہے وہ مجھ سے بھی زیادہ ٹھگنا ہے۔ حاکم یہ سن کر ہنس پڑا اور مقدمہ درج کر لیا۔



## امام اعمش رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا لطیفہ

امام اعمش رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی حدیث کے بڑے امام ہیں۔ ان کا نام سلیمان بن مہران ہے۔ عربی میں اعمش چند ہے کو کہتے ہیں۔ چونکہ ان کی آنکھوں میں تکلیف رہتی تھی اس لئے ان کو اعمش کہا جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے ان کو لطیفہ سنایا۔

امام اعمش رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ظریف الطبع تھے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گئے۔ ایک آدمی ان کی عیادت کے لئے آیا۔ امام نے اس کو اپنے پاس بلوالیا۔ وہ آدمی ایسا جم کر بیٹھ گیا کہ اٹھنے کا نام بھی نہ لیا۔ کچھ دیر تو امام رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے کلفت برداشت کی مگر جب دیکھا کہ یہ اٹھتا ہی نہیں تو تکیہ سے سر اٹھایا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اور اس شخص کو فرمایا ان مریض کو قدح فاذهب (یعنی جس مریض کی عیادت کے لئے تم آئے تھے وہ تندرست ہو گیا ہے اب جاؤ)۔

امام اعمش رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ایک اور واقعہ سنایا کہ ان کا ایک شاگرد اعرج یعنی لنگڑا تھا۔ جب استاذ کبھی اپنے کام سے بازار وغیرہ جاتے تو وہ بھی ساتھ ہو لیتا دونوں کے مل کر چلنے سے عجیب صورت بن جاتی کہ استاذ اعمش اور شاگرد اعرج۔ یہ ہیئت دیکھ کر بعض لوگ ہنس پڑتے تھے۔ ایک دن امام اعمش نے اپنے شاگرد کو فرمایا کہ جب میں لوگوں کے مجامع میں جاؤں تو بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ نہ چلا کریں۔ کیونکہ لوگ خواہ مخواہ ہنستے ہیں۔ شاگرد نے کہا ”مالنا نوجرو یعضون“ یعنی ہمارا کیا نقصان ہے ان کو گناہ ہوتا ہے اور ہمیں ثواب ملتا ہے۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”نسلم ویسلمون خیر مما نوجرو یعضون“ یعنی ہم ان کے مذاق اور استہزاء سے بچ جائیں اور وہ گناہ سے بچ جائیں یہ اس سے بہتر ہے کہ ہمیں ثواب ہو اور وہ گنہگار ہوں۔



## چند دیہاتیوں کے لطائف

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا قصہ سنایا کہ ایک دفعہ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کچھ لکھنے میں مشغول تھے کہ ایک دیہاتی بڑا تربوز سر پر رکھے ہوئے حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ نہ سلام کیا نہ اجازت مانگی۔ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ ایک لمبا تڑنگا قوی ہیکل انسان کھڑا ہے۔ تربوز سر پر ہے۔ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نازک مزاج تو تھے ہی اس کی حرکت پر بہت غصہ آیا۔ پوچھا کیسے آئے ہو؟ کہا کہ تمہارے (تمہارے) لئے تربوز لایا ہوں۔ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کسی طرح پھر لکھنے میں مشغول ہوئے تو کچھ دیر کے بعد وہ دیہاتی بولا کہ تربوز کہاں رکھوں۔ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے غصہ میں فرمایا میرے سر پر رکھ دے۔ اس نے سادگی سے آپ کے سر پر رکھ دیا۔ حضرت کو ہنسی آ گئی۔ غصہ سرد ہوا اور تربوز بھی قبول کر لیا۔

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کا قصہ سنایا کہ ایک گنوار نے ان کی دعوت کر کے اپنے گھر لے جانا چاہا۔ اور بتلایا کہ میرا گھر، نیڑے (نزدیک) ہے۔ حضرت مولانا نے دل شکنی کے خوف سے قبول کر لیا۔ وہ دیہاتی آپ کو لے کر چلا۔ جب کافی سفر طے کر لیا تو آپ نے پوچھا کہ ابھی تمہارا گھر نہیں آیا۔ کہنے لگا نزدیک ہے۔ پھر کافی سفر کر کے پوچھا کہ ابھی نہیں آیا۔ کہاں نزدیک ہے۔ پھر کچھ سفر کرنے کے بعد یہی سوال کیا۔ تو اس نے کہا کہ حضرت میرا گھر وہ دیکھے حضرت نے غصہ میں فرمایا کم بخت دیکھے تو آسمان بھی۔

اس ضمن میں ایک دیہاتی صحابی کا قصہ سنایا کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو حضور ﷺ سے سوالات کرنے سے منع کیا گیا۔ تو صحابہ کرام تمنا کرتے کہ کوئی گنوار آجائے اور سوال کر لے۔ اسی دوران سیدنا حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ایک



ضروری سوال کی حاجت ہوئی تو آپ نے اپنے ایک دیہاتی کو تیار کیا اور اس کو سوال سمجھا دیا۔ اور فرمایا کہ تم حضور اکرام ﷺ کے پاس چل کر یہ سوال کرو۔ میں تمہیں یہ چادر جو پہنے ہوئے ہوں دے دوں گا۔ چنانچہ وہ دیہاتی گئے اور سوال پیش کر دیا۔ آپ نے جواب دیا۔ جس کو حضرت عمر اور دیگر صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے سن لیا۔ سوال و جواب سے فراغت ہوئی تو وہ دیہاتی صبر نہ کر سکا۔ اور مجلس میں ہی سیدنا حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہنے لگا کہ اب چادر دے دو۔ چنانچہ حسب وعدہ آپ نے چادر دے دی اور اس نے اسی مجلس میں سر پر پیٹ لی۔ سبحان اللہ کیا سادگی تھی۔

## اخلاص کی برکت

فرمایا کہ امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حدیث میں ایک کتاب لکھی جس کا نام موطا رکھا۔ یہ کتاب بہت مقبول و مشہور ہوئی۔ اسی شہرت کی بناء پر دوسرے علماء نے اس فن میں جو کتابیں لکھیں ان کا نام بھی اسی نام پر موطا رکھا۔ امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو لوگوں نے کہا کہ آپ کی کتاب کے نام پر کافی کتابیں تصنیف ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا کہ ماسکان للہ فہو یبقی یعنی ان کتابوں میں سے جو اللہ کے لئے لکھی گئی ہوں گی۔ وہ باقی رہیں گی باقی معدوم ہو جائیں گی۔

دنیا جانتی ہے کہ امام مالک کا موطا اب تک باقی ہے۔ اور ایسی شہرت کسی موطا کو حاصل نہیں ہوئی اور موطا نام کی بعض کتابیں ایسی ہیں جن کو کوئی جانتا بھی نہیں ہے۔ یہ چند واقعات اور چند باتیں تھیں جو حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے سنی ہوئی تھیں۔ بغیر کسی ربط کے ان کو جمع کر دیا ہے امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز نافع ہوں گی حق تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے درجات بلند فرمائے اور ان کے فیوض و برکات کا حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(ماخوذ ماہنامہ ابلاغ کراچی مفتی اعظم نے پھر)



## آہ مفتی اعظم قدس سرہ

۶ ۵۳۰ ۱۰۱۱ ۱۶۴ ۲۶۵

۱۹۷۶ء

کیوں ہے یہ آہ و بکا، آج ہے ماتم کسکا سارے عالم پہ یہ ٹوٹا ہے بھلا، غم کسکا  
 کس کی رحلت سے ہوا ختم یہ عالم کاسکوں نوحہ کرتی ہے یہ بے ربطی عالم کسکا  
 لے چلی کس کو اٹھا کر یہ قضائے مبرم سارے عالم میں ہے یہ نوحہ و ماتم کسکا  
 کون یہ محفل رنداں سے اٹھا ہے ساقی جام و پیمانہ و غم کرتے ہیں ماتم کسکا  
 دیکھ کر خلق خدا کو ہیں ملائک حیران لاشہ کاندھوں پہ لئے جاتے ہیں یہ ہم کسکا  
 اشک کیوں گرتے ہیں تسبیح کے دانوں کی طرح سو گیا آج وہ مجذوب مجسم کسکا  
 بسملوں کو تو گیا چھوڑ مسیحائے زمانہ لائیں اب زخم جگر کے لئے مرہم کسکا  
 راہبر کسکو کہیں جائیں کہاں اہل سلوک بزم میخانہ میں اب کون ہے محرم کسکا  
 سالک و عالم و مفتی و مشائخ ہیں چیزیں درسگاہوں میں ہے یہ تذکرہ غم کسکا  
 دھوم افلاک میں آمد یہ مچی ہے کس کی سر بلند آج ہے یہ خلد میں پرچم کسکا  
 تعزیت کس کی کرے کس سے کرے کون کرے سارا عالم ہے حزیں خاص ہے یہ غم کسکا

اے خدا تو ہی بتا ان کو بلانے والے

نام اب رکھیں گے ہم مفتی اعظم کسکا

مشرف علی تھانوی

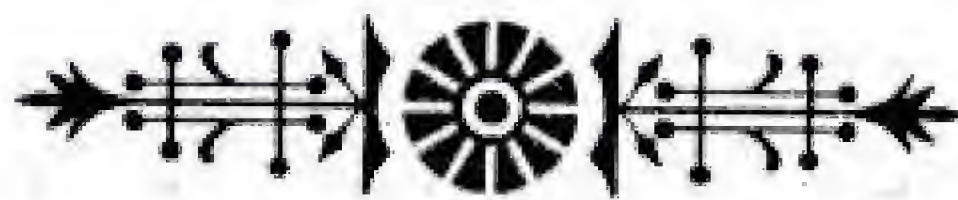


## مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رَحْمَہُ اللہُ تَعَالٰی

علم و آگاہی کے یکتا تاجدار  
 رو رہے ہیں اہل دیں اہل کمال  
 آپ ہی کے فیض سے ہے مُستیز!  
 آپ نے رخ اس کا پھیرا سوئے خلد  
 شیخِ کامل، پاسبانِ علم و فن  
 ہیں وہ ”قرآنی معارف“ آپ کے  
 فقہ ہو یا ہو ادب کا کوئی باب  
 عالمِ دینِ متین، بالغِ نظر!  
 اے مُحَدِّثِ اے مُفسِّرِ اے فقیہ  
 عرش سے تا، سرزمینِ پاک آج  
 مفتی اعظم رَحْمَہُ اللہُ تَعَالٰی جو دنیا میں نہیں  
 غم کے سائے ہیں قطار اندر قطار

ملتِ اسلامیہ ہے اشکبار

مسلم غازی





## ایک زندہ جاوید معجزہ

(از مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان)

تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات صرف ان کی حیات تک معجزہ ہوتے لیکن قرآن کا معجزہ بعد وفات رسول کریم ﷺ بھی اسی طرح معجزہ کی حیثیت میں باقی ہے۔ آج بھی ایک ادنیٰ مسلمان ساری دنیا کے اہل علم و دانش کو لکار کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کی مثال نہ کوئی پہلے لا سکا نہ آج لا سکتا ہے اور جس کو ہمت ہو پیش کر کے دکھلائے۔

شیخ جلال الدین سیوطی مفسر ”جلا لیلین“ نے اپنی کتاب ”خصائص کبریٰ“ میں رسول اللہ ﷺ کے دو معجزوں کے متعلق بحوالہ احادیث لکھا ہے کہ قیامت تک باقی ہیں ایک قرآن کا معجزہ دوسرے یہ کہ رسول کریم ﷺ سے حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دریافت کیا کہ یا رسول (ﷺ)! ایام حج میں تینوں جمرات پر لاکھوں آدمی تین روز تک مسلسل کنکریاں پھینکتے ہیں۔ پھر کوئی ان کنکریوں کے ڈھیر کو یہاں سے اٹھاتا بھی نظر نہیں آتا اور ایک مرتبہ پھینکی ہوئی کنکری کو دوبارہ استعمال کرنا بھی ممنوع ہے اسلئے ہر حاجی اپنے لئے مزدلفہ سے کنکریاں نئی لے کر آتا ہے اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ جمرات کے گرد ایک ہی سال میں ٹیلہ لگ جاتا جس میں جمرات چھپ جاتے اور چند سال میں تو پہاڑ ہو جاتا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ جس جس شخص کا حج قبول ہو اس کی کنکریاں اٹھالی جائیں، تو اب اس جگہ صرف ان کم نصیبوں کی کنکریاں باقی رہ جاتی ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوا۔ اس لئے اس جگہ پڑی ہوئی کنکریاں بہت کم نظر آتی ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں پہاڑ کھڑا ہو گیا ہوتا۔ یہ روایت ”سنن بیہقی“ میں موجود ہے۔

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کی سچائی کی تصدیق



ہر سال اور ہر زمانہ میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ حج میں لاکھوں آدمی ہر سال جمع ہوتے ہیں اور ہر شخص ہر جمرہ پر ہر روز سات سات کنکریاں پھینکتا ہے اور بعض جاہل تو بڑے بڑے پتھر پھینکتے ہیں۔ اور یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کنکریوں کو یہاں سے اٹھانے اور صاف کرنے کا حکومت یا کوئی جماعت بھی روزانہ انتظام نہیں کرتی نہ اٹھائی جاتی ہیں اور جیسا قدیم سے دستور چلا آتا ہے کہ اس جگہ سے کنکریاں اٹھائی ہی نہیں جاتیں تو اگلے سال اس کا دو گنا اور تیسرے سال تگنا ہو جائے گا۔ پھر کیا شبہ ہے کہ چند سال میں یہ حصہ زمین مع جمرات کے ان کنکریوں میں چھپ جائے گا۔ اور بجائے جمرات کے ایک پہاڑ کھڑا نظر آئے۔ مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے اور یہ مشاہدہ ہر زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔

اسی طرح معجزہ قرآن ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے جیسے آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں اس کی مثال یا نظیر پیش نہیں کی جاسکی آج بھی نہیں کی جاسکتی۔

## اعجازِ قرآنی کی تشریح

اس اجمالی بیان کے بعد آپ کو یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کریم کو کس بناء پر آنحضرت ﷺ کا معجزہ قرار دیا گیا اور اس کا اعجاز کن کن وجوہ سے ہے اور کیوں ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہو گئی؟

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں قرآن کے زبردست تحدی (چیلنج) کے باوجود کوئی اس کی مثال یا اس کے کسی ٹکڑے کی مثال پیش نہیں کر سکا یہ تاریخی حثیت سے کیا وزن رکھتا ہے۔ یہ دونوں باتیں طویل الذیل اور تفصیل کی طالب ہیں۔



## وجوہ اعجازِ قرآنی

پہلی بات کہ قرآن کو معجزہ کیوں کہا گیا اور وہ کیا وجوہ ہیں جن کے سبب ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اس پر قدیم و جدید علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور ہر مفسر نے اپنے اپنے طرز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ میں اختصار کے ساتھ چند ضروری چیزیں عرض کرتا ہوں۔

اس جگہ سب سے پہلے غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب کل علوم کی جامع کتاب کس جگہ، کس ماحول میں اور کس پر نازل ہوئی۔ اور کیا وہاں کچھ ایسے علمی سامان موجود تھے جس کے ذریعہ دائرہ اسباب میں ایسی جامع بے نظیر کتاب تیار ہو سکے جو علوم اولین و آخرین کی جامع اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین ہدایت پیش کر سکے۔ جس میں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت کا مکمل نظام ہو اور تدبیر منزل سے لے کر سیاست ممالک تک ہر نظام کے بہترین اصول ہوں۔

جس سرزمین اور جس ذات پر یہ کتاب مقدس نازل ہوئی اس کی جغرافیائی کیفیت اور تاریخی حالت معلوم کرنے کے لئے آپ کو ایک ایسے ریگستانی اور گرم علاقہ سے سابقہ پڑے گا جس کو ”بطحاء“ مکہ کہتے ہیں اور جو نہ زرعی ملک ہے نہ صنعتی، نہ اس ملک کی آب و ہوا ہی کچھ ایسی خوشگوار ہے جس کے لئے باہر کے آدمی وہاں پہنچنے کی رغبت کریں نہ راستے ہی کچھ ہموار ہیں جن سے وہاں تک پہنچنا آسان ہو۔ اکثر دنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ نما ہے جہاں خشک پہاڑوں اور گرم ریگ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور دور تک نہ کوئی بستی نظر آتی ہے نہ کوئی کھیت یا درخت، اس پورے خطہ ملک میں کچھ بڑے شہر بھی نہیں، چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ان میں اونٹ بکریاں پال کر اپنی زندگی گزارنے والے انسان بستے ہیں۔ اس کے چھوٹے



دیہات کا تو دیکھنا کیا جو برائے نام چند شہر کہلاتے ہیں ان میں بھی کسی قسم کے علم و تعلیم کا کوئی چرچا نہیں۔ نہ وہاں کوئی اسکول اور کالج ہے۔ نہ وہاں کوئی بڑی یونیورسٹی یا دارالعلوم، وہاں کے باشندوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے محض قدرتی اور پیدائشی طور پر فصاحت و بلاغت کا ایک فن ضرور دے دیا ہے۔ جس میں وہ ساری دنیا سے فائق اور ممتاز ہیں وہ نثر اور نظم میں ایسے قادر الکلام ہیں کہ جب بولتے ہیں تو رعد کی سی طرح کڑکتے اور بادل کی طرح برستے ہیں۔ ان کی ادنیٰ ادنیٰ لڑکیاں ایسے فصیح و بلیغ شعر کہتی ہیں کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جائیں۔

لیکن یہ سب کچھ ان کا فطری فن ہے جو کسی مکتب یا مدرسہ میں حاصل نہیں کیا جاتا غرض نہ وہاں تعلیم و تعلم کا کوئی سامان ہے نہ وہاں کے رہنے والوں کو ان چیزوں سے کوئی لگاؤ یا وابستگی ہے، ان میں کچھ لوگ شہری زندگی بسر کرنے والے ہیں تو وہ تجارت پیشہ ہیں مختلف اجناس مال کی درآمد برآمدان کا مشغلہ ہے۔

اس ملک کے قدیم شہر مکہ کے ایک شریف گھرانے میں وہ ذات مقدس پیدا ہوتی ہے۔ جو مہبط وحی ہے جس پر قرآن اتر رہا ہے۔ اب اس ذات مقدس کا حال سنئے:-

ولادت سے پہلے ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہو گئے۔ ابھی سات سال کی بھی عمر نہ تھی کہ والدہ کی بھی وفات ہو گئی، آغوش مادر کا گہوارہ بھی نصیب نہ رہا۔ شریف آباؤ اجداد کی فیاضی اور بے مثل سخاوت نے اپنے گھر میں کوئی اندوختہ نہ چھوڑا تھا جس سے یتیم کی پرورش اور آئندہ زندگی کا سامان ہو سکے۔ نہایت عسرت کی زندگی پھر ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں۔ ان حالات میں آپ نے پرورش پائی اور عمر کا ابتدائی حصہ گزارا جو تعلیم و تعلم کا اصلی وقت ہے۔ اس وقت مکہ میں اگر کوئی دارالعلوم یا اسکول یا کالج ہوتا بھی تو بھی آپ کے لئے اس سے استفادہ مشکل تھا مگر معلوم ہو چکا کہ وہاں سرے سے یہ علمی مشغلہ اور اس سے دلچسپی ہی کسی کو نہ تھی۔ اس لئے یہ پوری قوم عرب امین کہلاتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی



ان کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا تھا کہ آپ ہر قسم کی تعلیم و تعلم سے بے خبر رہے۔ وہاں کوئی بڑا عالم بھی ایسا نہ تھا جس کی صحبت میں رہ کر یہ علوم حاصل کئے جاسکیں۔ جن کا قرآن پاک حامل ہے۔ پھر قدرت کو تو ایک فوق العادۃ معجزہ دکھانا تھا۔ آپ کے لئے خصوصی طور پر ایسے سامان ہوئے، معمولی نوشت و خواند جو ہر جگہ کے لوگ کسی نہ کسی طرح سیکھ ہی لیتے ہیں۔ آپ نے وہ بھی نہ سیکھی، بالکل امی محض رہے کہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتے تھے۔ عرب کا مخصوص فن شعر و سخن تھا جس کے لئے خاص خاص اجتماعات کئے جاتے اور مشاعرے منعقد ہوتے اور اس میں ہر شخص مسابقت کی کوشش کرتا تھا۔ آپ کو حق تعالیٰ نے ایسی فطرت عطا فرمائی تھی کہ ان چیزوں سے بھی دلچسپی نہ لی، نہ کبھی کوئی شعر یا قصیدہ لکھا نہ کسی ایسی مجلس میں شریک ہوئے۔

یہ امی محض چالیس سال تک مکہ میں اپنی برادری کے سامنے رہتے ہیں۔ کسی دوسرے ملک کا سفر بھی نہیں کرتے۔ جس سے یہ خیال پیدا ہو سکے کہ وہاں جا کر علوم حاصل کئے ہوں گے۔ صرف ملک شام کے دو تجارتی سفر ہوئے وہ بھی گئے چُننے دن کے لئے جس میں اس کا کوئی امکان نہیں۔

اس امی محض ذات مقدس کی زندگی کے چالیس سال مکہ میں اپنی برادری میں اس طرح گزرے کہ نہ کبھی کسی کتاب یا قلم کو ہاتھ لگایا نہ کسی مکتب میں گئے اور نہ کسی مجلس میں کوئی نظم و قصیدہ ہی پڑھا۔ ٹھیک چالیس سال کے بعد ان کی زبان مبارک پر وہ کلام آنے لگا۔ جس کا نام قرآن ہے جو اپنی لفظی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اور معنوی علوم و فنون کے لحاظ سے محیر العقول کلام ہے اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو بھی اس کے معجزہ ہونے میں کسی انصاف پسند کو کیا شبہ ہو سکتا ہے مگر یہاں یہی نہیں بلکہ اس نے ساری دنیا کو تحدی (چیلنج) دیا کہ کسی کو اس کے کلام الہی ہونے میں شبہ ہو تو اس کا مثل بنالائے۔



اب ایک طرف قرآن کا یہ تحدی اور چیلنج دوسری طرف ساری دنیا کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام کو شکست دینے کے لئے اپنے مال، جان، آبرو سب گنوانے کے لئے تیار ہیں مگر اتنا کام کرنے کے لئے کوئی جرأت نہیں کرتا کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی صورت کی مثال بنالائے۔ فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب بے مثال و بے نظیر بھی نہ ہوتی جب بھی ایک امی محض کی زبان سے اس کا ظہور اعجاز قرآن اور وجوہ اعجاز کی تفصیل میں جائے بغیر بھی قرآن کریم کے معجزہ، ہونے کے لئے کم نہیں جس کو ہر عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے۔

## اعجاز کی دوسری وجہ

اب اعجاز قرآن کی دوسری وجہ دیکھئے یہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن اور اس کے احکام ساری دنیا کے لئے آئے لیکن اس کا بلا واسطہ اور پہلے مخاطب عرب تھے جن کو اور کوئی علم و فن آتا تھا یا نہیں مگر فصاحت و بلاغت ان کا فطری ہنر اور پیدائشی وصف تھا۔ جس میں وہ اقوام دنیا سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ قرآن ان کو مخاطب کر کے چیلنج کرتا ہے کہ اگر تمہیں میرے کلام الہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم میری ایک سورت کی مثال بنا کر دکھا دو۔ اگر قرآن کا یہ تحدی (چیلنج) صرف اپنے حسن معنوی یعنی حکیمانہ اصول اور علمی معارف و اسرار ہی کی حد تک ہوتا تو قوم امیین کے لئے اس کی نظیر پیش کرنے سے عذر معقول ہوتا۔ لیکن قرآن نے صرف حسن معنوی ہی کے متعلق تحدی نہیں کی بلکہ لفظی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی پوری دنیا کو چیلنج دیا ہے اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے اقوام عالم میں سب سے زیادہ عرب ہی تھے۔ اگر فی الواقع یہ کلام قدرت بشر سے باہر کسی مافوق قدرت کا کلام نہیں تھا تو بلغاء عرب کے لئے کیا مشکل تھا کہ ایک امی شخص کے کلام کی مثال بلکہ اس سے بہتر کلام فوراً پیش کر دیتے اور ایک دو آدمی یہ کام نہ کر سکتے تو قرآن نے ان کو یہ سہولت



بھی دی تھی کہ ساری قوم مل کر بنالائے۔ مگر قرآن کے اس بلند بانگ دعویٰ اور طرح طرح غیرت دلانے پر بھی غیور قوم پوری کی پوری خاموش ہے۔ چند سطریں بھی مقابلے پر نہیں پیش کرتی۔

عرب کے سرداروں نے قرآن اور اسلام کے مٹانے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے مغلوب کرنے میں جس طرح ایڑی چوٹی کا زور لگایا وہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے مخفی نہیں، شروع میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے گئے چنے رفقاء کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر چاہا کہ وہ کلمہ اسلام کو چھوڑ دیں مگر جب دیکھا کہ یہاں وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے تو خوشامد کا پہلو اختیار کیا۔ عرب کا سردار عتبہ ابن ربیعہ قوم کا نمائندہ بن کر آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرب کی پوری دولت و حکومت اور بہترین حسن و جمال والی لڑکیوں کی پیش کش اس کام کے لئے کی کہ آپ اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں، آپ نے اس کے جواب میں قرآن کی چند آیتیں سنا دینے پر اکتفا کیا۔ جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو جنگ و مقابلہ کے لئے تیار ہو کر قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت جو قریش عرب نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سردھڑ کی بازی لگائی، جان، مال، اولاد، آبرو سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوئے یہ سب کچھ کیا مگر یہ کسی سے نہ ہوسکا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتا اور چند سطریں مقابلہ پر پیش کر دیتا۔ کیا ان حالات میں سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جس کے کام یا کلام کی نظیر انسان کیا ساری مخلوق کی قدرت سے باہر ہے۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ عرب نے اس کے مقابلہ سے سکوت کیا بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں سب نے اس کے بے مثل کلام ہونے کا اعتراف کیا اور جوان میں سے منصف مزاج تھے انہوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا پھر ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے اور کچھ اپنی آبائی رسوم کی پابندی یا نبی عبدالمناف کی ضد کی وجہ سے



اسلام قبول کرنے کے باوجود اعتراف سے محروم رہے۔ قریش عرب کی تاریخ ان واقعات پر شاہد ہے میں اس میں سے چند واقعات اس جگہ بیان کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہو سکے کہ پورے عرب نے اسلام کے بے مثل بے نظیر ہونے کو تسلیم کیا اور اسی کی مثال پیش کرنے کو اپنی رسوائی کے خیال سے چھوڑ دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ اور قرآن پاک کا چرچا مکہ سے باہر حجاز کے دوسرے مقامات میں ہونے لگا اور حج کا موسم آیا تو قریش مکہ کو اس کی فکر ہوئی کہ اب اطراف عرب سے حجاج آئیں گے اور رسول کریم ﷺ کا یہ کلام سنیں گے تو فریفتہ ہو جائیں گے اور غالب خیال یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اس کے انسداد کی تدابیر سوچنے کے لئے قریش نے ایک اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس میں عرب کے بڑے بڑے سردار موجود تھے ان میں ولید بن مغیرہ عمر میں سب سے بڑے اور عقل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے سب نے ولید بن مغیرہ کو یہ مشکل پیش کی کہ اب اطراف الملک سے لوگ آئیں گے اور ہم سے محمد (ﷺ) کے متعلق پوچھیں گے تو ہم کیا کہیں؟ ہمیں آپ کوئی ایسی بات بتائیے کہ ہم سب وہی بات سب سے کہہ دیں، ایسا نہ ہو کہ خود ہمارے بیانات میں اختلاف ہو جائے ولید بن مغیرہ نے کہا تم ہی کہو کیا کہنا چاہیے؟

لوگوں نے کہا کہ ہمارے خیال میں ہم سب یہ کہیں کہ محمد (ﷺ) معاذ اللہ مجنون ہیں۔ ان کا کلام مجنونانہ نہ پڑھیں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ ایسا ہرگز نہ کہتا کیونکہ یہ لوگ جب ان کے پاس جائیں گے اور ان سے ملاقات و گفتگو کریں گے۔ اور ان کو ایک فصیح و بلیغ عاقل انسان پائیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے۔ پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم ان کو یہ کہیں کہ وہ ایک شاعر ہیں۔ ولید بن مغیرہ نے اس سے بھی منع کیا اور کہا جب لوگ ان کا کلام سنیں گے وہ تو شعر و شاعری کے ماہر ہیں انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ شعر نہیں اور نہ آپ



شاعر ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ سب لوگ تمہیں جھوٹا سمجھیں گے۔ پھر کچھ لوگوں نے کہا تو پھر ہم ان کو کاہن قرار دیں جو شیاطین و جنات سے سن کر غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں۔ ولید نے کہا یہ بھی غلط ہے کیونکہ جب لوگ ان کا کلام سنیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ یہ کلام کسی کاہن کا نہیں ہے۔ وہ پھر بھی تمہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے۔ اس کے بعد قرآن کے بارے میں جو ولید بن مغیرہ کے تاثرات تھے ان کو ان الفاظ میں بیان کیا:

”خدا کی قسم تم میں کوئی آدمی شعر و شاعری اور اشعار عرب سے میرے برابر واقف نہیں۔ خدا کی قسم اس کلام میں خاص حلاوت ہے اور ایک رونق ہے جو میں کسی شاعر یا فصیح و بلیغ کے کلام میں نہیں پاتا“

پھر ان کی قوم نے دریافت کیا کہ آپ ہی بتلائیے پھر ہم کیا کریں اور ان کے بارے میں لوگوں سے کیا کہیں؟ ولید نے کہا کہ میں غور کرنے کے بعد جواب دوں گا پھر بہت سوچنے کے بعد کہا کہ اگر کچھ کہنا ہے تو تم ان کو ”ساحر“ کہو کہ اپنے جادو سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔ قوم اس پر مطمئن اور متفق ہو گئی اور سب سے یہی کہنا شروع کیا۔ مگر خدا کا چراغ کہیں پھونکوں سے بجھنے والا تھا۔ اطراف عرب کے لوگ آئے قرآن سنا اور بہت سے مسلمان ہو گئے اور اطراف عرب میں اسلام پھیل گیا (خصائص کبریٰ) اسی طرح ایک قریشی سردار نصر بن حارث نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ ”اے قوم قریش آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد (ﷺ) تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے اور تم سب ان کے عادات و اخلاق کے گرویدہ اور اپنی قوم میں ان کو سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانتدار جانتے اور کہتے تھے اب جب کہ ان کے سر میں سفید بال آنے لگے اور انہوں نے ایک بے مثل کلام اللہ کی طرف سے پیش کیا تو تم ان کو جادوگر کہنے لگے، خدا کی قسم وہ



جادو گر نہیں ہم نے جادو گروں کو دیکھا اور برتا ہے۔ ان کے کلام سننے ہیں اور ان کے طریقوں کو سمجھا ہے وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔

اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے خدا کی قسم وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت کاہنوں کو دیکھا اور ان کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں۔

اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، خدا کی قسم وہ شاعر بھی نہیں ہم نے خود شعر و شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے اور بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں۔ ان کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت نہیں، پھر کبھی تم ان کو مجنون بناتے ہو، خدا کی قسم وہ مجنون بھی نہیں، ہم نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سنی، ان کے مختلف اور مختلط کلام سنے ہیں، یہاں یہ کچھ نہیں۔ اے میری قوم! تم انصاف کے ساتھ ان کے معاملہ میں غور کرو، یہ سرسری ٹلا دینے کی چیز نہیں۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۱۴ ج ۱)

حضرت ابوذر صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی انیس ایک مرتبہ مکہ معظمہ گیا، اس نے واپس آ کر مجھے بتلایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے میں نے پوچھا وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے کوئی کاہن بتلاتا ہے، کوئی جادو گر کہتا ہے، میرا بھائی انیس خود شاعر اور کہانت وغیرہ سے واقف آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا کہ لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں۔ ان کا کلام نہ شعر ہے، نہ کہانت، نہ مجنونانی کلمات ہیں بلکہ مجھے وہ کلام صادق نظر آتا ہے۔ ابوذر فرماتے ہیں کہ بھائی صاحب سے یہ کلمات سن کر میں نے مکہ کا سفر کیا اور مسجد حرام میں آ کر پڑ گیا، تیس روز میں نے اس طرح گزارے کہ سوائے زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں کچھ نہیں گیا۔ اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی، نہ کوئی ضعف محسوس کیا (خصائص ص ۱۱۶ ج ۱) واپس گئے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے روم و فارس کے فصحاء وبلغاء کے کلام بہت سنے ہیں اور کاہنوں کے کلمات اور حمیر کے



مقالات بہت سنے ہیں، محمد (ﷺ) کے کلام کی مثال میں نے آج تک کہیں نہیں سنی۔ تم سب میری بات مانو اور آپ کا اتباع کرو۔ چنانچہ فتح مکہ کے سال میں ان کی پوری قوم کے تقریباً ایک ہزار آدمی پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ (خصائص ص ۱۱۶ ج)

اسلام اور آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل اور اخنس بن شریق وغیرہ بھی لوگوں سے چھپ کر قرآن سنا کرتے اور اس کے عجیب و غریب بے مثل و بے نظیر اثرات سے متاثر ہوتے تھے۔ مگر جب قوم کے کچھ لوگوں نے ان کو کہا جب تم اس کلام کو ایسا بے نظیر پاتے ہو تو اس کو قبول کیوں نہیں کرتے تو ابو جہل کا جواب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی عبد مناف میں اور ہمارے قبیلہ میں ہمیشہ سے رقابت اور معاصرانہ مقابلہ چلتا رہتا ہے وہ جس کام میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ ہم بھی اس کا جواب دیتے ہیں اب جبکہ ہم اور وہ برابر حیثیت کے مالک ہیں تو وہ اب یہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے اب ہم اس میں کیسے ان کا مقابلہ کریں۔ میں تو کبھی اس کا اقرار نہ کروں گا۔ (خصائص)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس دعویٰ اور چیلنج پر صرف یہی نہیں کہ پورے عرب نے ہار مان لی اور سکوت کیا بلکہ اس کے بے مثل و بے نظیر ہونے اور اپنی عجز کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا ہے۔

اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ سارا عرب بلکہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہو جاتی۔

قرآن اور پیغمبر قرآن کے مقابلہ میں جان و مال، اولاد آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تو وہ تیار ہو گئے مگر اس کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے دوسطریں اس کے مقابلہ میں پیش کر دیتا۔

جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنے جاہلانہ اعمال افعال کے باوجود منصف مزاج تھے، جھوٹ کے پاس نہ جاتے تھے۔ جب انہوں نے قرآن کو سن کر یہ سمجھ لیا کہ



درحقیقت اس قرآن کی جو مثل ہم نہیں لاسکتے تو محض دھاندلی اور کٹ جتنی کے طور پر کوئی کلام پیش کرنا اپنے لئے عار سمجھنا تھا کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم نے کوئی چیز پیش کر بھی دی تو پورے عرب کے فصحاء وبلغاء اس امتحانی مقابلہ میں ہمیں فیل کر دیں گے اور خواہ مخواہ رسوائی ہوگی۔ اس لئے پوری قوم نے سکوت اختیار کیا اور جو زیادہ منصف مزاج تھے انہوں نے صاف طور پر اقرار و تسلیم بھی کیا جس کے چند وقائع پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ عرب کے سردار اسد بن ذرداہ نے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اقرار کیا کہ: ”ہم نے خواہ مخواہ محمد (ﷺ) کی مخالفت کر کے اپنے رشتے ناطے توڑے اور تعلقات خراب کئے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں ہرگز جھوٹے نہیں اور جو کلام وہ لائے ہیں بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔“

(خصائص ۱۱۶ ج)

قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص مسمیٰ قیس بن نسیبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے قرآن سنا اور چند سوالات کئے جن کا جواب آنحضرت ﷺ نے عطا فرمایا تو یہ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور پھر اپنی قوم میں واپس گئے تو لوگوں سے کہا:۔

”میں نے روم و فارس کے فصحاء وبلغاء کے کلام سنے ہیں، بہت سے کاہنوں کے کلمات سننے کا تجربہ ہوا ہے۔ حمیر کے مقالات سنتا رہا ہوں مگر محمد ﷺ کے کلام کی مثل میں نے آج تک کہیں نہیں سنا، تم سب میری بات مانو اور ان کا اتباع کرو“ انہیں کی تحریک و تبلیغ پر ان کی قوم کے ایک ہزار آدمی فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے“ (ص ۱۱۶ ج)

یہ اقرار و تسلیم ایسے لوگوں سے ہی منقول نہیں جو آپ کے معاملات سے یکسو اور



غیر جانبدار تھے بلکہ وہ لوگ جو ہر وقت ہر طرح رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے، قرآن کے متعلق ان کا بھی یہی حال تھا مگر اپنی ضد اور حسد کی وجہ سے اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے تھے۔

علامہ سیوطی نے خصائص اکبری میں بحوالہ ”بیہقی“ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنیں۔ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گزر گئی۔ جب صبح ہو گئی تو سب واپس ہوئے اتفاقاً راستہ میں تینوں مل گئے اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے یہ بُری حرکت کی، اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنے کیونکہ عرب کے عوام کو اگر اس کی خبر ہو گئی تو وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ سن کر سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اگلی رات آئی تو پھر ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹھیس اٹھی کہ قرآن سنیں اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سننا یہاں تک کہ رات گزر گئی اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا۔ مگر تیسری رات آئی تو پھر قرآن کی لذت و حلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کر دیا۔ پھر پہنچے اور رات بھر قرآن سن کر لوٹے لگے تو پھر راستے میں اجتماع ہو گیا تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کر لیں کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کر لی گئی اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ صبح کو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا کہ بتلاؤ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا تو اخنس نے کہا بخدا میری بھی یہی رائے ہے اس کے بعد وہ



ابو جہل کے پاس پہنچا اور اس سے بھی یہی رال کیا کہ تم نے محمد (ﷺ) کے کلام کو کیسا پایا؟

ابو جہل نے کہا صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنو عبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چمک چلتی آتی ہے۔ قوم کی سیادت و قیادت میں وہ جس محاذ پر آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ انہوں نے سخاوت و بخشش کے ذریعہ قوم پر اپنا اثر جمانا چاہا تو ہم نے ان سے بڑھکر یہ کام کر دکھایا یا انہوں نے لوگوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لیں تو ہم اس میدان میں بھی ان سے پیچھے نہ رہے یہاں تک کہ پورا عرب جانتا ہے کہ ہم دونوں خاندان برابر حیثیت کے مالک ہیں۔ ان حالات میں ان کے خاندان سے یہ آواز اٹھی کہ ہمارے اندر ایک نبی پیدا ہوا ہے۔ جس پر آسمان سے وحی آتی ہے اب ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں، اس لئے ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ ہم زور اور طاقت سے ان کا مقابلہ کریں گے اور ہر گز ان پر ایمان نہ لائیں گے (خصائص ص ۱۱۵ ج ۱)

یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمن کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے۔ یہ تمام واقعات علامہ جلال الدین سیوطی نے ”خصائص کبریٰ“ میں نقل کئے ہیں۔

## تیسری وجہ

تیسری وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں غیب کی اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی بہت سی خبریں ہیں جو قرآن نے دیں۔ اور ہو بہو اسی طرح واقعات پیش آئے جس طرح قرآن نے خبر دی تھی۔ مثلاً قرآن نے خبر دی کہ روم و فارس کے مقابلہ میں ابتداءً فارس غالب آگئے اور رومی مغلوب ہو گئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گزرنے بھی نہ پائیں گے کہ پھر رومی فارس پر غالب آ جائیں گے، مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ہارجیت



کی شرط کر لی۔ اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آ گئے۔ تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی۔ اور ہارنے والے پر جو مال دینے کی شرط تھی وہ مال ان کو دینا پڑا۔ رسول کریم ﷺ نے اس مال کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ وہ ایک قسم کا جوا تھا۔ اسی طرح اور بہت سے واقعات اور خبریں ہیں جو امور غیبیہ کے متعلق قرآن میں دی گئی ہیں اور ان کی سچائی بالکل روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

### چوتھی وجہ

چوتھی وجہ اعجازِ قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں پچھلی امتوں اور ان کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف تذکرہ ہے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے علمائے یہود و نصاریٰ جو پہلی کتابوں کے ماہر سمجھے جاتے تھے ان کو بھی اتنی معلومات نہ تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی نہ تو کسی مکتب میں قدم رکھا، نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی، نہ کسی کتاب کو ہاتھ لگایا۔ پھر یہ ابتدائے دنیا سے آپ کے زمانہ تک تمام اقوام عالم کے تاریخی حالات اور نہایت صحیح اور سچے سوانح اور ان کی شریعتوں کی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے کہ بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ یہ کلام اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کا ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خبریں دی ہوں۔

### پانچویں وجہ

یہ ہے کہ اس کی متعدد آیات میں لوگوں کے دل کی چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی اور پھر ان کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ وہ بات صحیح اور سچی تھی۔ یہ کام بھی عالم الغیب والشہادۃ ہی کر سکتا ہے کسی بشر سے عادتاً ممکن نہیں۔ مثلاً ارشاد قرآنی ہے کہ جب تمہاری دو جماعتوں نے دل میں ارادہ کیا کہ پسپا ہو جاویں اور یہ ارشاد کہ:۔ وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کو انہوں نے کسی سے ظاہر نہیں کیا۔ قرآن نے ان کا انکشاف کیا۔



## چھٹی وجہ

وہ آیات ہیں جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد کے متعلق یہ پیشن گوئی کی کہ وہ فلاں کام نہ کر سکیں گے اور پھر وہ لوگ باوجود ظاہری قدرت کے ان کام کو نہ کر سکے جیسے یہود کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ اگر وہ فی الواقع اپنے آپ کو اللہ کا دوست اور ولی سمجھتے ہیں تو انہیں اللہ کے پاس جانے سے محبت ہونا چاہیے۔ وہ ذرا موت کی تمنا کر کے دکھائیں اور پھر ارشاد فرمایا کہ۔

”وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کر سکیں گے۔“ کیونکہ یہود یا مشرکین زبان سے کتنا ہی قرآن کو جھٹلائیں، ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن سچا ہے۔ اس کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اگر موت کی تمنا ہم اس وقت کریں گے تو فوراً مر جائیں گے اس لئے قرآن کے اس کھلے ہوئے چیلنج کے باوجود کسی یہودی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زبان سے تمنائے موت کا اظہار کر دے۔

## ساتویں وجہ

وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن کے سننے سے ہر عام و خاص اور مومن و کافر پر طاری ہوتی ہے۔ جیسے حضرت جبیر بن مطعم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اسلام لانے سے پہلے پیش آیا، اتفاقاً انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۃ طور پڑھتے ہوئے سنا۔ جب آپ آخری آیات پر پہنچے تو جبیر کہتے ہیں کہ میرا دل گویا اڑنے لگا اور یہ سب سے پہلا دن تھا کہ میرے دل میں اسلام نے اثر کیا۔

## آٹھویں وجہ

یہ ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے اور سننے سے کوئی اکتاتا نہیں بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کا شوق اور بڑھتا ہے۔ دنیا کی بہتر سے بہتر اور مرغوب سے مرغوب



کتاب لے لیجئے اس کو دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے پھر وہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا ہے، نہ ہی سننے کو، یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ جتنا کوئی اس کو زیادہ پڑھتا ہے اتنا ہی اس کا شوق اور رغبت بڑھتا جاتا ہے۔ یہ بھی قرآن کے کلام الہی ہونے کا اثر ہے۔

### نویں وجہ

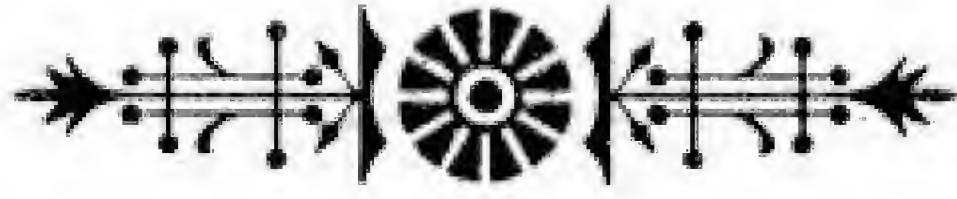
یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے وہ قیامت تک بغیر کسی تغیر و ترمیم کے باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو اس طرح پورا فرمایا کہ جب سے قرآن نازل ہوا ہے، آج چودہ سو برس ہونے کو آئے ہیں، ہر قرن ہر زمانہ میں لاکھوں انسان ایسے رہے ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں پورا قرآن اس طرح محفوظ رہا کہ ایک زیر زبر کی غلطی کا امکان نہیں۔ کتاب کی صورت میں بھی ہر قرن ہر زمانہ میں جتنی اشاعت قرآن کی ہوئی شاید دنیا کی کسی کتاب کو یہ بات نصیب نہیں حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد دنیا میں بنسبت منکرین اور کافرین کے بہت کم رہی اور ذرائع نشر و اشاعت بھی جتنے غیر مسلموں کو حاصل رہے ہیں مسلمانوں کو اس کا کوئی حصہ معتد بہ نصیب نہ تھا۔ مگر ان باتوں کے باوجود کسی قوم کسی مذہب کی کوئی کتاب دنیا میں اتنی شائع نہیں ہوئی جتنا قرآن شائع ہوا۔

### دسویں وجہ

وہ علم و معارف ہیں جن کا احاطہ نہ آج تک کسی کتاب نے کیا ہے نہ آئندہ امکان ہے کہ اتنے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم و فنون جمع کئے جاسکیں جو تمام کائنات کی دائمی ضروریات کو حاوی اور انسان کی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حال



سے متعلق پورا مرتب اور بہترین نظام پیش کر سکے۔ شخصی پھر عائلی زندگی سے لے کر قبائلی اور شہری زندگی تک اور پھر عمرانیات و اجتماعات اور سیاسیات ممالک کے ہر پہلو پر حاوی نظام پیش کر دے۔



www.ahlehaq.org



حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## اسراء و معراج

سُبْحَنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا ط اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ

ترجمہ: ”پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے، وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔“

خلاصہ تفسیر: وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا جسکے آس پاس (کہ ملک شام ہے) ہم نے (دینی اور دنیوی) برکتیں کر رکھی ہیں (دینی برکت یہ ہے کہ وہاں بکثرت انبیاء مدفون ہیں اور دنیوی برکت یہ ہے کہ وہاں باغات اور نہروں چشموں اور پیداوار کی کثرت ہے غرض اس مسجد اقصیٰ تک عجیب طور پر اس واسطے) لے گیا تاکہ ہم اسکو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلائیں (جن میں بعض تو خود وہاں کے متعلق ہیں مثلاً اتنی بڑی مسافت کو بہت تھوڑے سے وقت میں طے کر لینا اور سب انبیاء سے ملاقات کرنا اور ان کی باتیں سننا وغیرہ، اور بعض آگے کے متعلق ہیں مثلاً آسمانوں پر جانا اور وہاں کے عجائبات کا مشاہدہ کرنا) بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ بڑے سننے والے، بڑے دیکھنے والے ہیں (چونکہ رسول اللہ ﷺ



کے اقوال کو سنتے اور احوال کو دیکھتے تھے اس کے مناسب ان کو یہ خاص امتیاز اور اعزاز بخشا اور اپنے قرب خاص کا وہ مقام عطا کیا جو کسی کو نہ ملا۔

معارف و مسائل: اس آیت میں واقعہ معراج کا بیان ہے جو ہمارے رسول اللہ ﷺ کا ایک خصوصی اعزاز اور امتیازی معجزہ ہے، لفظ اَسْرَءِیٰ اسراء سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی رات کو لے جانا ہیں۔ اس کے بعد لَيْلًا کے لفظ سے صراحۃً بھی اس مفہوم کو واضح کر دیا اور لفظ لَيْلًا کے نکرہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اس تمام واقعہ میں پوری رات بھی صرف نہیں بلکہ رات کا ایک حصہ صرف ہوا ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا سفر جس کا ذکر اس آیت میں ہے اس کو اسراء کہتے ہیں اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اس کا نام معراج ہے۔ اسراء اس آیت کے نص قطعی سے ثابت ہے اور معراج کا ذکر سورہ نجم کی آیات میں ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ بَعْدَہ اس مقام اعزاز و اکرام میں لفظ بَعْدَہ ایک خاص محبوبیت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کسی کو خود فرمادیں کہ یہ میرا بندہ ہے اس سے بڑھ کر کسی بشر کا اعزاز نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسن دہلوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے خوب فرمایا:

بندہ حسن بصد زباں گفت کہ بندہ توام تو بزباں خود بگو بندہ نواز کیستی یہ ایسا ہی ہے جیسا ایک دوسری آیت میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الذِّیْنَ الْخ فرما کر اپنے مقبولان بارگاہ کا اعزاز بڑھانا مقصود ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کا عبد کامل بن جائے اس لئے کہ خصوصی اعزاز کے مقام پر آپ کی بہت سی صفات کمال میں سے صفتِ عبدیت کو اختیار کیا گیا اور اس لفظ سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی مقصود ہے کہ اس حیرت انگیز سفر سے جس میں اول سے آخر تک سب فوق العادت معجزات ہی ہیں کسی کو خدائی کا وہم نہ ہو جائے جیسے عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے عیسائیوں کو دھوکہ لگا ہے۔ اس



لئے لفظ عَبْد کہہ کر یہ بتلادیا گیا کہ ان تمام صفات و کمالات اور معجزات کے باوجود آنحضرت ﷺ اللہ کے بندے ہی ہیں، خدا نہیں۔

معراج جسمانی ہونے پر قرآن و سنت کے دلائل اور اجماع: قرآن مجید کے ارشادات اور احادیث متواترہ سے جن کا ذکر آگے آتا ہے، ثابت ہے کہ اسراء و معراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں تھا بلکہ جسمانی تھا جیسے عام انسان سفر کرتے ہیں۔ قرآن کریم کے پہلے ہی لفظ سُبْحَانَ میں اس طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ یہ لفظ تعجب اور کسی عظیم الشان امر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر معراج صرف روحانی بطور خواب کے ہوتا تو اس میں کوئی عجیب بات ہے، خواب تو ہر مسلمان بلکہ ہر انسان دیکھ سکتا ہے کہ میں آسمان پر گیا، فلاں فلاں کام کئے۔

دوسرا اشارہ لفظ عَبْد سے اس طرف ہے کیونکہ عَبْد صرف روح نہیں بلکہ جسم و روح کے مجموعہ کا نام ہے اس کے علاوہ واقعہ معراج آنحضرت ﷺ نے حضرت اُمّ ہانی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو بتلایا تو انہوں نے حضور ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ اس کا کسی سے ذکر نہ کریں ورنہ لوگ اور زیادہ تکذیب کریں گے اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اس میں تکذیب کی کیا بات تھی؟

پھر جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں پر اس کا اظہار کیا تو کفار مکہ نے تکذیب کی اور مذاق اڑایا۔ یہاں تک کہ بعض نو مسلم اس خبر کو سن کر مرتد ہو گئے۔ اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو ان معاملات کا کیا امکان تھا اور یہ بات اس کے منافی نہیں کہ آپ کو اس سے پہلے یا بعد میں کوئی معراج روحانی بصورت خواب بھی ہوئی ہو۔ جمہور امت کے نزدیک آیت قرآن وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي اَرٰیْتَكَ فِي رُؤْيَا سے مراد رویت ہے مگر اسکو بلفظ رُؤْيَا (جو اکثر خواب دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس معاملہ کو تشبیہ کے طور پر رُؤْيَا کہا گیا ہو۔ کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی خواب دیکھ لے اور اگر رُؤْيَا کے معنی خواب ہی کے لئے



جائیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ واقعہ معراج جسمانی کے علاوہ اس سے پہلے یا پیچھے یہ معراج روحانی بطور خواب بھی ہوئی ہو۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما اور حضرت عائشہ ام المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے جو اس کا خواب ہونا منقول ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معراج جسمانی نہ ہوئی ہو۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ احادیث اسراء کی متواتر ہیں اور نقاش نے بیس صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی روایات اس بات میں نقل کی ہیں اور قاضی عیاض نے شفاء میں اور زیادہ تفصیل دی ہے۔ (قرطبی)

اور امام ابن کثیر رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنی تفسیر میں ان تمام روایات کو پوری جرح و تعدیل کے ساتھ نقل کیا ہے پھر ۲۵ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے نام ذکر کیے ہیں۔

- ① عمر ابن خطاب      ② علی المرتضیٰ      ③ ابن مسعود      ④ ابوذر غفاری
- ⑤ مالک بن صعصعہ      ⑥ ابو ہریرہ      ⑦ ابوسعید      ⑧ ابن عباس
- ⑨ شداد بن اوس      ⑩ ابی بن کعب      ⑪ عبدالرحمن بن قرظ      ⑫ ابوجہ
- ⑬ ابولیلہ      ⑭ عبداللہ بن عمر      ⑮ جابر بن عبداللہ      ⑯ حذیفہ بن یمان
- ⑰ بریدہ      ⑱ ابویوب انصاری      ⑲ ابوامامہ      ⑳ سمرۃ بن جندب
- ㉑ ابوالحمرء      ㉒ صہیب الرومی      ㉓ اُمّ ہانی      ㉔ عائشہ ام المؤمنین
- ㉕ اسماء بنت ابی بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما جمعین۔ اس کے بعد ابن کثیر نے فرمایا:

فحدیث الاسراء اجمع علیہ المسلمون واعرض عنه الزنادقة والملحدون۔ (ابن کثیر)

یعنی: واقعہ اسراء کی حدیث پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے صرف ملحد و زندقہ لوگوں نے اس کو نہیں مانا۔



مختصر واقعہ معراج ابن کثیر رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی روایت سے:

امام ابن کثیر رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کی تفسیر اور احادیث متعلقہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سفر اسراء بیداری میں پیش آیا خواب میں نہیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک یہ سفر براق پر ہوا جب دروازہ بیت المقدس پر پہنچے تو براق کو دروازہ کے قریب باندھا اور آپ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس کے قبلہ کی طرف تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا فرمائیں، اس کے بعد ایک زینہ لایا گیا جس کے نیچے سے اوپر جانے کے درجے بنے ہوئے تھے اس زینہ کے ذریعے آپ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے، اس کے بعد باقی آسمانوں پر تشریف لے گئے (اس زینہ کی حقیقت تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کیا اور کیسا تھا۔ آجکل بھی زینہ کی بہت سی قسمیں دنیا میں رائج ہیں، ایسے زینے بھی ہیں جو خود حرکت کرتے ہیں لفٹ کی صورت کے زینے بھی ہیں۔ اس معجزانہ زینے کے متعلق کسی شک و شبہ میں پڑنے کا کوئی مقام نہیں)، ہر آسمان میں وہاں کے فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور ہر آسمان میں ان انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی جن کا مقام کسی معین آسمان میں ہے۔ مثلاً چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں میں خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر آپ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے مقامات سے بھی آگے تشریف لے گئے اور ایک ایسے مقام میں پہنچے جہاں قلم تقدیر لکھنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اور آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جس پر اللہ شانہ کے حکم سے سونے کے پروانے مختلف رنگ کے پروانے گر رہے تھے اور جس کو اللہ کے فرشتوں نے گھیرا ہوا تھا۔ اسی جگہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کو حضور اکرم ﷺ نے ان کی اصل صورت میں دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے اور وہیں پر ایک رفرف سبز رنگ کا دیکھا جس نے افق کو گھیرا ہوا



تھا۔ رفرف مسند بتر ہرے رنگ کی پاکی۔ اور آپ نے بیت المعمور کو بھی دیکھا جس کے پاس بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار سے کمر لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اس بیت معمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کی باری دوبارہ داخل ہونے کی قیامت تک نہیں آتی۔ اور آنحضرت ﷺ نے جنت اور دوزخ کا پچشم خود معائنہ فرمایا۔ اس وقت آپ کی امت پر اول پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا، پھر تخفیف کر کے پانچ کر دی گئیں۔ اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ واپس بیت المقدس میں اترے اور جن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی وہ بھی آپ کے ساتھ اترے (گویا) آپ کو رخصت کرنے کے لئے بیت المقدس تک ساتھ آئے۔ اس وقت آپ نے نماز کا وقت ہو جانے پر سب انبیاء کے ساتھ نماز ادا فرمائی، یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اسی دن صبح کی نماز ہو۔ ابن کثیر بتاتے ہیں کہ یہ امامت انبیاء علیہم السلام کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کے واقعہ میں یہ منقول ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام سے جبریل امین علیہ السلام نے آپ کا تعارف کرایا۔ اگر واقعہ امامت پہلے ہو چکا ہوتا تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی اور یوں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس سفر کا اصل مقصد ملاء اعلیٰ میں جانے کا تھا پہلے اسی کو پورا کرنا اقرب معلوم ہوتا ہے۔ پھر جب اصل کام سے فراغت ہوئی تو انبیاء علیہم السلام آپ کیساتھ مشایعت (رخصت) کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آپ کو جبریل امین علیہ السلام کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت اور سب پر فضیلت کا علمی ثبوت دیا گیا۔ اس کے بعد آپ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر اندھیرے وقت میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ واللہ اعلم



واقعہ معراج کے متعلق ایک غیر مسلم کی شہادت:

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حافظ ابو نعیم اصبہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوة میں محمد بن عمر واقدی ۱ کی سند سے بروایت محمد بن کعب قرظی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے شاہ روم قیصر کے پاس اپنا نامہ مبارک دے کر حضرت دحیہ ابن خلیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بھیجا۔ اس کے بعد حضرت دحیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے خط پہنچانے اور شاہ روم تک پہنچنے اور اس کے صاحب عقل و فراست ہونے کا تفصیلی واقعہ بیان کیا (جو صحیح بخاری اور حدیث کی سب معتبر کتب میں موجود ہے) جس کے آخر میں ہے کہ شاہ روم ہرقل نے نامہ مبارک پڑھنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے حالات کی تحقیق کرنے کے لئے عرب کے ان لوگوں کو جمع کیا جو اس وقت ان کے ملک میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے۔ شاہی حکم کے مطابق ابوسفیان ابن حرب اور ان کے رفقاء جو اس وقت مشہور تجارتی قافلہ لے کر شام میں آئے ہوئے تھے وہ حاضر کئے گئے۔ شاہ ہرقل نے ان سے وہ سوالات کئے جن کی تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ابوسفیان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کریں جن سے آپ کی حقارت اور بے حیثیت ہونا ظاہر ہو مگر ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اپنے اس ارادے سے کوئی چیز اس کے سواء مانع نہیں تھی کہ مبادا میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس کا جھوٹ ہونا کھل جائے اور میں بادشاہ کی نظر سے گرجاؤں اور میرے ساتھی بھی ہمیشہ مجھے جھوٹا ہونے کا طعنہ دیا کریں۔ البتہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ اس کے سامنے واقعہ معراج بیان کروں جس کا جھوٹ ہونا بادشاہ خود سمجھ لے گا۔ تو میں نے کہا کہ میں ان کا ایک

۱ واقدی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو روایت حدیث میں محدثین نے ضعیف کہا ہے لیکن امام ابن کثیر رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی جیسے مقام محدث نے ان کی روایت کو نقل کیا ہے اس لئے کہ اس معاملہ کا تعلق عقائد یا حلال و حرام سے نہیں اور ایسے تاریخی معاملات میں ان کی روایت معتبر ہے۔ ۱۲ منہ



معاملہ آپ سے بیان کرتا ہوں جس کے متعلق آپ خود معلوم کر لیں گے کہ وہ جھوٹ ہے۔ ہر قل نے پوچھا وہ کیا واقعہ ہے؟ میں نے کہا کہ یہ مدعی نبوت یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور پھر اسی رات میں صبح سویرے مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس پہنچے۔

ایلیاء (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم اسوقت شاہ روم ہر قل کے سرہانے پہ قریب کھڑا ہوا تھا، اس نے بیان کیا کہ میں اس رات سے واقف ہوں۔ شاہ روم اس کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ آپ کو اس کا علم کیسے اور کیونکر ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ میری عادت تھی کہ میں رات کو اسوقت تک سوتا نہ تھا جب تک بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کر دوں اس رات میں نے حسب عادت تمام دروازے بند کر دیئے مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا تو میں نے اپنے عملہ کے لوگوں کو بلایا انہوں نے مل کر کوشش کی مگر وہ ان سے بھی بند نہ ہو سکا۔ دروازے کے کواڑ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم کسی پہاڑ کو ہلارہے ہیں۔ میں نے عاجز ہو کر کاریگروں اور نجاروں کو بلوایا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ ان کواڑوں کے اوپر دروازہ کی عمارت کا بوجھ پڑ گیا ہے۔ اب صبح سے پہلے ان کے بند ہونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ صبح کو ہم دیکھیں گے کہ کس طرح کیا جاوے؟ میں مجبور ہو کر لوٹ آیا اور دونوں کواڑ اس دروازے کے کھلے رہے۔ صبح ہوتے ہی میں پھر اس دروازہ پر پہنچا میں نے دیکھا کہ دروازہ مسجد کے پاس ایک پتھر کی چٹان میں روزن کیا ہوا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی جانور باندھ دیا گیا ہے۔ اسوقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ آج رات اس دروازے کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے شاید اسلئے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنے والے تھے اور پھر بیان کیا کہ آپ نے ہماری مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے اس کے بعد اور تفصیلات بیان کی ہیں۔

(ابن کثیر ص ۲۴ ج ۳)



## اسراء و معراج کی تاریخ:

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ معراج کی تاریخ میں روایات مختلف ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے چھ ماہ قبل پیش آیا۔ اور حضرت عائشہ ام المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی وفات نمازوں کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے ہو چکی تھی۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی وفات کا واقعہ بعثت نبوی کے سات سال بعد ہوا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ واقعہ معراج بعثت نبوی سے پانچ سال بعد ہوا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ واقعہ معراج اس وقت پیش آیا جبکہ اسلام عام قبائل عرب میں پھیل چکا تھا۔ ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ واقعہ معراج ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے کا ہے۔

حربی کہتے ہیں کہ واقعہ اسراء و معراج ربیع الثانی کی ستائیس ویں شب میں ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے اور ابن قاسم ذہبی کہتے ہیں کہ بعثت سے اٹھارہ مہینے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ حضرات محدثین نے روایات مختلفہ ذکر کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کن چیز نہیں لکھی اور مشہور عام طور پر یہ ہے کہ ماہ رجب کی ۲۷ ویں شب شب معراج ہے۔ واللہ اعلم

## مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ:

حضرت ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مسجد حرام پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسی؟ تو آپ نے فرمایا ”مسجد اقصیٰ“۔ میں نے عرض کیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ تو آپ



نے فرمایا چالیس سال، پھر فرمایا کہ (مسجدوں کی ترتیب تو یہ ہے) لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے لئے ساری زمین کو مسجد بنادیا ہے جس جگہ نماز کا وقت آجائے وہیں پر نماز ادا کر لیا کرو۔ (رواہ مسلم)

امام تفسیر مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیت اللہ کی جگہ کو پوری زمین سے دو ہزار سال پہلے بنایا تھا اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین کے اندر تک پہنچتی ہیں، اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا ہے۔ (رواہ النسائی باسناد صحیح عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (تفسیر قرطبی ص ۱۳۷ ج ۴)

اور مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو بیت اللہ کے گرد بنی ہوئی ہے اور بعض اوقات پورے حرم کو بھی مسجد حرام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس دوسرے معنی کے اعتبار سے دو روایتوں کا یہ تعارض بھی رفع ہو جاتا ہے کہ بعض روایات میں آپ کا اسراء کے لئے تشریف لے جانا حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان سے منقول ہے اور بعض میں حطیم بیت اللہ سے۔ اگر مسجد حرام کے عام معنی لئے جائیں تو یہ کچھ مستبعد نہیں کہ پہلے آپ ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں ہوں وہاں سے چل کر حطیم کعبہ میں تشریف لائے، پھر وہاں سے سفر اسراء کی ابتداء ہوئی ہو۔ واللہ اعلم

### مسجد اقصیٰ اور ملک شام کی برکات

آیہ میں بَارَكْنَا حَوْلَهُ میں حول سے مراد پوری زمین شام ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عرش سے دریائے فرات تک مبارک زمین بنائی ہے اور اس میں فلسطین کی سرزمین کو تقدس خاص عطا فرمایا ہے۔ (روح المعانی)

اسکی برکات دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی، دینی برکات تو یہ ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام اوسا بقیں کا قبلہ اور تمام انبیاء کا مسکن و مدفن ہے اور دنیوی برکات اس سرزمین کا سرسبز ہونا اور اس میں عمدہ چشمے، نہریں اور باغات وغیرہ کا ہونا۔

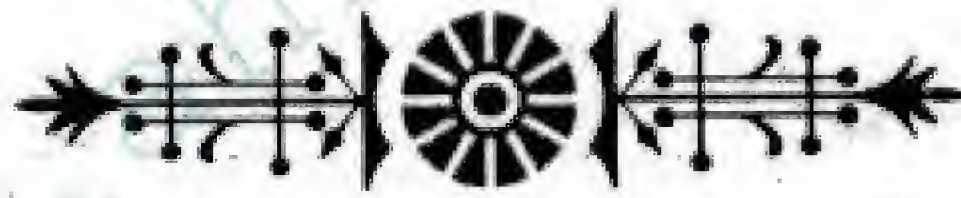


حضرت معاذ بن جبل رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ملک شام! تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب شہر ہے اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو پہنچاؤں گا۔ (قرطبی)

اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ دجال ساری زمین میں پھرے گا مگر چار مسجدوں تک اس کی رسائی نہ ہوگی:

① مسجد مدینہ ② مسجد مکہ مکرمہ ③ مسجد اقصیٰ ④ مسجد طور

(بحوالہ ماہنامہ الرشید لاہور۔ مئی ۱۹۸۱ء)





از تصنیف: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سابق مفتی اعظم پاکستان

## حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کا اسلام آنحضرت ﷺ کا معجزہ

(ایک دن میں اخلاقی کایا پلٹ)

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ طواف میں مشغول تھے۔ فضالہ ابن عمیر ملوح اس قصد سے طواف میں داخل ہوئے کہ اچانک فخر و عالم ﷺ پر حملہ کر کے آپ ﷺ کو شہید کر دیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان کے دلی خیال کا انکشاف ہو گیا۔ جب طواف کرتے ہوئے فضالہ آپ ﷺ کے قریب آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نام فضالہ ہے؟ عرض کیا بے شک یا رسول اللہ ﷺ! میرا ہی نام فضالہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! تم دل میں کیا سوچ رہے ہو۔ فضالہ نے بات ٹالنے کے لئے کہا ”کچھ نہیں“ میں تو ذکر اللہ میں مشغول تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے کریمانہ اخلاق سے ان کے دلی راز کا افشانہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کے ساتھ ہی اپنا دست مبارک فضالہ کے سینے پر رکھ دیا۔ فضالہ کہتے ہیں کہ واللہ آپ ﷺ نے جس وقت اپنا دست مبارک میرے سینے سے اٹھایا تو دنیا کی کوئی چیز میرے قلب میں آپ ﷺ سے زیادہ محبوب نہ تھی۔

فوراً مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور وہی فضالہ جو قتل رسول ﷺ کے مجرم بنے



کے لئے حرم میں داخل ہو گئے تھے، اسیر حب رسول ﷺ ہو کر واپس ہوتے ہیں۔ اور صرف اسی ایک زیارت کا وہ گہرا رنگ لے کر جاتے ہیں کہ جاہلیت اور کفر کے تمام اخلاق و عادات ایک دم چھوٹ جاتے ہیں۔ اپنے گھر واپس آئے تو یہاں ایک عورت سے ان کی شناسائی و تعلق تھا جس کے پاس جایا کرتے تھے، وہ مل گئی، اس نے کچھ باتیں کرنا چاہیں اس وقت فضالہ (صبغۃ اللہ) کے گہرے رنگ میں رنگے جا چکے تھے اور قدیم، پرانی محبت تقاضائے نفسانی سب ایک نبی ﷺ کے قدموں پر نثار کر آئے تھے فوراً اس کے جواب میں اشعار پڑھے۔

قالت هلهم الى الحديث فقلت لا يا بى عليك الله والاسلام  
”محبوب نے کہا آؤ بات چیت کریں۔ میں نے کہا ہرگز نہیں اللہ اور اسلام اس سے منع کرتا ہے“

لومار ائت محمدا و قبيله بالفتح يوم تكسر الاصنام  
”اگر تم فتح مکہ کے دن محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے قبیلہ کو دیکھتیں جب کہ بت توڑے جا رہے تھے“

لرايت دين الله اضحى بيذا والشرك يغشى وجهه الاظلام  
”تو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ اللہ کا دین واضح ہو گیا اور شرک و کفر کے چہرے پر تاریکی چھا گئی“

اللہ اللہ کیا نظر فیض اثر تھی کہ جو کام عمر بھر کی ریاضت و مجاہدہ سے حاصل نہیں ہو سکتا وہ ایک نظر میں ہو گیا۔

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں





## دربارِ نبوت کی حاضری کا ایک عجیب واقعہ

(نبی کریم ﷺ کا معجزہ بعد الوفات)

یہ واقعہ جو نقل کیا جاتا ہے کوئی خواب یا افسانہ نہیں، صحیح اور سچا واقعہ ہے جو محدثانہ اسناد صحیح کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ نویں صدی ہجری کے مشہور و معروف علامہ عبدالعزیز مکی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اپنے رسالہ (فیض الجود علی حدیث شمیمتی ہود) میں عارف باللہ سیدی عبداللہ بن سعد یافعی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی کتاب ”نشر المحاسن“ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اور حضرت یافعی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مجھے صحیح اسناد کے ساتھ پہنچا ہے اور اس زمانے میں بہت زیادہ مشہور ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عارف باللہ شیخ ابن الزغب یمنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی عادت تھی کہ ہمیشہ اپنے وطن سے سفر کر کے اول حج ادا کرتے اور پھر زیارتِ روضہ رسول ﷺ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ حاضری دربار کے وقت والہانہ اشعار قصیدہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صاحبین حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شان میں لکھ کر روضہ رسول ﷺ کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حسب عادت وہ قصیدہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک رافضی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آج میری دعوت قبول کیجئے۔ حضرت شیخ نے از روئے تواضع اور اتباع سنت دعوت قبول فرمائی۔ آپ رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو اس کا حال معلوم نہ تھا کہ یہ رافضی ہے اور صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مدح کرنے سے ناراض ہے، آپ رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی حسب وعدہ اس کے مکان پر تشریف لے گئے، مکان میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے دو حبشی غلاموں کو اشارہ کیا جن کو پہلے سمجھا رکھا تھا، وہ دونوں اس ولی اللہ کو لپٹ گئے اور



اپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبان مبارک کاٹ ڈالی۔ اس کے بعد اس مہکت راہی نے کہا کہ جاؤ یہ زبان ابو بکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے پاس لے جاؤ جن کی تم مدح کیا کرتے ہو وہ اس کو جوڑ دیں گے۔

شیخ موصوف کئی ہوئی زبان ہاتھ میں لئے ہوئے روضہ اقدس کی طرف دوڑے اور روضہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا واقعہ ذکر کیا اور روئے، جب رات ہوئی تو خواب میں سرور عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے صاحبین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس واقعہ کی وجہ سے غمگین صورت میں تھے۔ آنحضرت ﷺ نے شیخ کے ہاتھ میں سے یہ کٹی ہوئی زبان اپنے دست مبارک میں لی اور شیخ کو قریب کر کے زبان ان کے منہ میں اپنی جگہ پر رکھ دی۔

یہ خواب دیکھ کر شیخ بیدار ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ زبان بالکل صحیح و سالم اپنی جگہ پر لگی ہوئی ہے۔ دربار نبوت ﷺ کا یہ کھلا ہوا معجزہ دیکھ کر اپنے وطن واپس آ گئے۔

سال آئندہ پھر حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حسب عادت قصیدہ مدحیہ روضہ اقدس کے سامنے پڑھ کر فارغ ہوئے تو پھر ایک شخص نے دعوت کے لئے درخواست کی۔ شیخ نے پھر تو کلام علی اللہ قبول فرمائی اور اس کے ساتھ مکان میں داخل ہوئے تو وہی پہلے دیکھا ہوا مکان معلوم ہوا۔ خداوند تعالیٰ کے بھروسہ پر داخل ہوئے۔ اس شخص نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بٹھایا اور پر تکلف کھانے کھلائے۔ کھانے کے بعد یہ شخص شیخ کو ایک کوٹھڑی میں لے گیا وہاں دیکھا کہ ایک بندر بیٹھا ہوا ہے۔ اس شخص نے شیخ سے کہا کہ آپ جانتے ہیں یہ بندر کون ہے؟ فرمایا نہیں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے آپ کی زبان قطع کی تھی۔ حق تعالیٰ نے اس کو بندر کی صورت میں مسخ کر دیا ہے یہ میرا باپ ہے اور میں اس کا بیٹا ہوں۔

سرور عالم ﷺ کے معجزات ظاہرہ کے سامنے یہ کوئی بڑی چیز نہیں لیکن اس سے

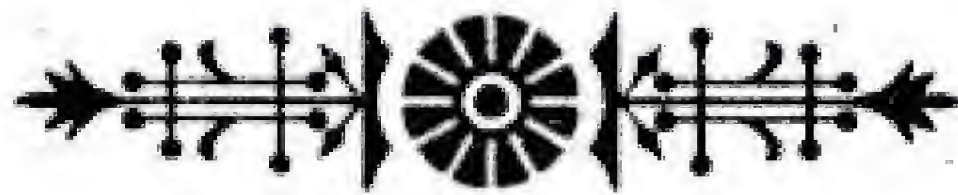


یہ امر اور ثابت ہوا کہ رسالت مآب ﷺ جس طرح روضہ اقدس میں زندہ تشریف فرما ہیں اسی طرح آپ ﷺ کے معجزات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس کے واقعات ایک دو نہیں سینکڑوں کی تعداد میں امت کے ہر طبقہ کو پیش آتے رہتے ہیں۔

### ایک اور عجیب واقعہ

ابو عبد اللہ الجلاء رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی بیان کرتے ہیں کہ ایک سال میں بہت مفلس فاقہ زدہ تھا۔ اتفاقاً مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہوئی۔ میں روضہ اقدس کے سامنے حاضر ہوا، سلام کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں فاقہ رسیدہ ہوں اور آج آپ کا مہمان ہوں۔ یہاں سے فارغ ہو کر آیات و رات کو سو گیا۔ خواب میں جمال مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا، آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے مجھے روٹی عطا فرمائی۔ میں نے خواب ہی میں کھانا شروع کر دیا۔ کچھ حصہ کھایا تھا کہ آنکھ کھل گئی، دیکھتا ہوں کہ بچی ہوئی روٹی میرے ہاتھ میں ہے۔

(فیض الجود مذکور صفحہ ۲۹) (ماہنامہ انصیانہ لاہور، اکتوبر ۲۰۰۴ء)





# مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ

## کا

## اَبَدی وَاَفَاقی اعلانِ رسالت و ختمِ نبوة

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا. (سورة اعراف پ ۹)  
اے انسانو! تحقیق بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کے لئے۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور ﷺ سے کہلوایا کہ وہ اپنی رسالت کا اعلان فرمائیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اللہ کے سکھائے ہوئے لفظوں کو دھرایا اور تمام انسانوں کو مخاطب بنایا۔ وہ انسان جو عہد رسالت مآب میں زندہ تھے یا عہد رسول مبین کے بعد پیدا ہوئے یا ازمنہ وسطیٰ میں صفحہ ارضی پر اپنے اعمال کی چھاپ چھوڑ گئے یا قیامت تک آنے والے انسان جو اپنی عملی زندگی کے نشانات کتاب ارضی میں ثبت کریں گے، وہ سرخ و سفید ہوں، کالے ہوں یا گندمی عرب ہوں یا عجمی، سبھی اس خطاب کی زد میں ہیں۔ یہ خطاب رسول زمان و مکان کی قید سے آزاد اور قومیت و وطنیت کی قید سے بھی ماوراء و منزه ہے۔

اور وہ انسان بھی جو کسی نسبت کے مقید ہیں یعنی یہودی، عیسائی، صابی، مجوسی، درشتی، بدھسٹ، بالمشکی، ہندو، مظاہر پرست، نجوم و کواکب پرست، اصنام پرست، اشخاص پرست، اور وہ مخلوق بھی جسے عہد جدید کی تحقیقات انسان کہے۔ برفانی



انسان (اگر وہ انسان ہے) سب اور اس کائنات میں جہاں کہیں بھی زمینوں، آسمانوں میں انسان نام کی کوئی مخلوق دریافت ہو وہ سب اس خطاب عام میں شامل و مخاطب ہیں اور محمد ﷺ کا یہ خطاب قیامت تک اس فضاء بسیط میں گونج رہا ہے، جدید تحقیقات نے اب یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ماضی قریب و بعید کی تمام آوازیں فضا میں موجود ہیں اور کیچ کی جاسکتی ہیں، ریکارڈ ہو سکتی ہیں، اس حوالہ سے بھی یہ صدائے اعلان رسالت ہر لمحہ و ہر آن، صوتِ رسول کی آفاقی لہروں سے فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی ہے اور بار بار یہ اعلان اپنی پکار اپنی نوعی اور معنوی دعوت کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ اے زمین و آسمان میں بسنے والے انسانو! اے تمام زمانوں کے انسانو! اے تمام مکانوں کے انسانو! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اس آیت کریمہ کا اعلان عام ہی حضور ﷺ کی ختم نبوت کی بڑی روشن دلیل ہے کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت تمام زمانوں اور مکانوں کے انسانوں کے لئے ہے اور ایسا کوئی زمانہ ہے نہ ایسی کوئی جگہ ہے جہاں جناب رسالت پناہ ﷺ کی نبوت و رسالت اور عصمت و امامت کا علم نہ لہرایا گیا ہو اور جہاں یہ اعلان رسالت براہِ راست یا بالواسطہ نہ پہنچا دیا گیا ہو۔ اب کسی زمانہ و کسی جگہ میں کوئی نبی پیدا ہوگا تو کیوں؟ اس کی ضرورت کیا ہے؟ وہ آکر کیا کرے گا؟ کیا سنائے گا؟ کیا سکھائے گا؟ کس کا تزکیہ کرے گا؟ کسے حکمت سکھائے گا؟ کیا وہ حضور ﷺ کے اعلان رسالت سے بڑھ کر کوئی نیا اعلان کریگا؟ یا وہ اس اعلان کے مساوی رتبہ پا کر اعلان کرے گا؟ یا وہ اس سے کمتر درجہ پر فائز ہو کر اعلان کرے گا؟ ظاہر ہے حضور ﷺ سے ماضی میں کوئی نہ بڑھ سکا، آپ ﷺ کے عہد خیر و برکت میں کوئی برابر نہ ہو سکا۔ کسی کا چراغ نہ جل سکا، برابر ہونا اور چراغ جلانا تو بڑی بات ہے۔ اس پورے عہد میں کوئی بھی نہ ٹھہر سکا، بہتوں نے سر توڑ



کوشش کی، لسانی، جسمانی اور مادی توانائیوں سے لیس ہو کر بیسیوں مد مقابل ہوئے مگر ”فجعلهم کعصفٍ ماکول“ وہ کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنادیئے گئے اور جو آپ سے رُتبہ میں چھوٹے تھے وہ سب کے سب اللہ نے ماضی میں نبوت و رسالت کے ابتدائی و ارتقائی مراحل میں بھیج دیئے وہ آئے اور صرف اپنی اپنی قوموں کو سنوارنے کے لئے آئے اور ان سب سچوں نے (علیہم الصلوٰت والتسلیمات) اپنی اپنی نبوت و رسالت کی راجدھانی میں، ادائیگی فرض میں اُن کمالاتِ فائقہ کا مظاہرہ کیا اور ایسی مضبوط و قوی جدوجہد فرمائی اور ایثار و قربانی کے ایسے نقوش جریدہ عالم پہ ثبت کئے کہ انسانی مزاجوں کی ارض ناہموار ایک بہت بڑے آنے والے کے لئے ہموار کر دی اور ان تمام انبیاء صادقین (علیہم السلام) اپنے نے اپنے عہد میں اس سب سے عظیم و بزرگ آنے والے کی بشارتیں بانٹیں حسن مستقبل کی خوش خبری دی۔

یٰٰتٰی من بعدی اسماء احمد

میرے بعد (اب) جس نے آنا ہے ان کا نام نامی ہے، احمد ہے۔

جب پوری انسانیت کو ایک کے انتظار میں سنوارا سجایا اور وہ آنے والے محمد رسول اللہ آگئے جو سب سے اعلیٰ تھے، جو نبوت و رسالت کے ارتقاء و کمال کی انتہاء تھے، اب اگر کسی نے آنا ہے تو آپ ﷺ سے بڑھ چڑھ کر آئے، اب جو آپ ﷺ سے کم تر درجہ کا پیدا ہو تو عروج سے زوال کی طرف آنیوالی بات ہے اور عظمت سے پستی کی طرف آنے کا تصور بھی کونین کی ہلاکت کے مترادف ہے چہ جائیکہ سب چھوٹوں سے بھی چھوٹا چھوٹا ہی نہیں حقیر نہیں، حقیر اور صرف حقیر ترین، ہمیں اپنی حقیر ترین شخصیت کی طرف بلائے اس امت کی اس سے زیادہ بے عزتی اور کیا ہو سکتی ہے حضور ﷺ کی امت میں شمولیت کو فخر سمجھیں اور اپنے امتیوں کو



حضور کی اتباع میں دیکھ کر فرحت و انبساط کا اظہار کریں اور ایک حقیر ترین حضور ﷺ کی امت گرامی کو اپنی اتباع کی طرف پکارے۔ بغاوت اور کسے کہتے ہیں یہی تو بغاوت ہے۔

نبوت      رسالت      محمد      کی  
 عبا      ختم      نبوت      محمد      کی  
 (صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ واصلحہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً)  
 امت      محمد      کی  
 اور اطاعت      مرزا غلام احمد      کی !  
 (لعنة الله عليه و على اعدائه وانصاره)

ع

بہیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی  
 اب انسان اس چھوٹے، کھوٹے اور جھوٹے موٹے کے پیغام نافر جام کے  
 منتظر ہیں؟

جب حضور ﷺ کی نبوت ..... قیامت تک  
 آپ کی رسالت ..... قیامت تک  
 آپ کی امامت ..... قیامت تک  
 آپ کی امت ..... (وہ تمام انسان جو آئیں گے) قیامت تک  
 تو مسٹر گاما قادیانی کس نسل کے لئے ہے؟ اور کس زمانے کے لئے ہے؟  
 اور وہ بحیثیت مجدد مہدی خلیفہ و امام اور بحیثیت نبی کیا کرے گا؟ کیا دین میں  
 کوئی کمی ہے جسے وہ پورا کرے گا؟ کیا نبوت میں کوئی نقص تھا جس کی اس نے  
 تکمیل کرنی ہے؟ کیا انسان دین اسلام اور محمد ﷺ سے سیر ہو چکے ہیں؟  
 (معاذ اللہ) جو گاما ان کی پیاس بجھائے گا؟



حضرت ناصح جو آئیں دیدہ دل فرش راہ  
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھائے کہ سمجھائیں گے کیا؟  
اب تو جو بھی اس وادی میں قدم رکھے گا ذلیل و رسوا ہوگا، منہ کے بل گھسیٹا  
جائے گا۔ پھر قرآن حکیم میں جس طرح حضور ﷺ کی بعثت و آمد کا ذکر سابقہ  
نبیوں نے فرمایا اگر حضور ﷺ کے بعد بھی سلسلہ نبوت و رسالت باقی رہنا ہوتا  
تو یقیناً قرآن کریم میں حضور ﷺ کی زبانی اس کی تفصیل بیان ہو جاتی تو ہم  
سمجھتے کہ ابھی نبوت تکمیل کے مراحل میں ہے اور ابھی یہ اپنے عروج، کمال ارتقاء اور  
منتہاء مقصود تک نہیں پہنچی۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبوت  
و رسالت کو ارتقاء کی تمام گھاٹیوں، منزلوں اور مرحلوں سے گزار کر عروج و کمال کی  
انتہاء تک پہنچا کے یہ سلسلہ مکمل کر دیا۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي  
آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔  
یعنی دونوں چیزیں اپنے کمال پر پہنچ چکی ہیں، ان میں کوئی کمی، نقص، عیب،  
ضعف و کمزوری یا نارسائی کی کوئی بات نہیں رہی۔ نبوت و رسالت اور پیام نبوت  
و رسالت دونوں اللہ کی طرف سے ہدایت کے لئے بے مثال و با کمال ہیں۔

اب نہ تو کوئی پیام باقی ہے جو نازل کئے جانے کے قابل ہے  
اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ہے جو نبوت کا اہل ہے  
اور امام الانبیاء و خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے بڑے مبلغ  
پیرائے میں یہ اعلان کرنے کو فرمایا۔ چنانچہ آقا کریم نے یہ اعلان فرمایا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ  
النَّبِيِّينَ



محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے (یا نبیوں پر مہر)

اللہ پاک نے اس آیت کریمہ میں حقیقت باطنی کو الفاظ کے ظاہری جسم میں منتقل فرمادیا کہ میرے حبیب محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ نبوت نے اپنے تمام مراحل کا عبوری سفر کر کے اپنی منزل پالی ہے اور یہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچی ہے اور منزل پر پہنچنے کے بعد کون ہے جو اس منزل سے نکلے اور کون ہے جو عظمتوں کی بلندی کے بعد ذلتوں کی پستی میں اترے؟

بعض لوگ غلام احمد کی ابلیسی تاویلات کو پیش کرتے ہیں اور اس کے ماننے والے موذی بھی لباس تاویل میں ملبوس اور دھوکہ و فریب میں مصروف نظر آتے ہیں، وہ اس آیت کریمہ کے مضمون میں مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ حضور کے تو چار لڑکے تھے اور تم کہتے ہو کہ حضور ﷺ تم میں سے کسی کے باپ نہیں۔

حالانکہ جواب قرآن کے لفظوں میں موجود ہے۔ ”مِنْ رِّجَالِكُمْ“ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ بچوں کے باپ کی نفی نہیں فرمائی۔ مرد کی نسبت نفی ہے۔ ظاہر ہے حضور ﷺ چار بچوں کے والد ماجد تو تھے جو بچپن میں ہی موت نے آ لئے اور وہ مرد نہ بن سکے۔ مرد تو علی المرتضیٰ بنے اور ظاہر ہے وہ بیٹے نہیں تھے زید اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ سب امتی اور غلام ہی تو تھے، صلیبی اولاد نہ تھے۔ اور اگر کوئی اس پر اصرار کرے کہ علی، زید، اسامہ یا کوئی اور اولاد ہی تھے تو قرآن کریم نے اس کی نفی فرمادی۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ ذَالِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ  
تم جنہیں منہ سے بیٹا کہہ کے پکارو، وہ تمہارے بیٹے نہیں بلکہ یہ تو صرف منہ کی بات ہے۔



ویسے عظمت و رحمت نبوی کی عمومیت کے اعتبار سے تو آپ ساری امت کے مرد و زن کے والد ماجد ہیں۔ سیدنا آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ سے لے کر قیامت تک کے پیدا ہونے والی نسلِ آدمِ اولادِ رسول مقبول ﷺ ہے (عظمت) یہ بھی ایک مفہوم ہے ”سیدِ وَلِهٖ اَدَمَ ﷺ“ کے اس ارشادِ عالی کا۔

اِنِّیْ اُبَآهِیْ بِکُمْ الْاَمَمَ (کنز العمال ص ۲۳۲ ج ۶)

مرزائیوں کا نام معقول اور تلبیسی عمل یہ بھی ہے کہ جو مسلمان دینی تعلیم کی نعمت سے محروم ہیں، زبان و بیان، لغت اور گرامر تک سے قطعاً نا آشنا ہیں، گو جدید تعلیم یافتہ ہیں انہیں لفظ خاتم کے لغوی معنی میں الجھا کر چت کرا لیتے ہیں۔ قارئین حیران ہوں گے کہ اس معاملہ میں قصہ (حکایت اور روایت) فروش مذہبی طبقاتی کش مکش کے بڑے ماہر ہوتے ہیں میں نے مرزائیوں کی اس چالاکی اور حرفت کے سامنے جربز ہوتے دیکھے اس وقت ان کے چہرے کی حالت و کیفیت ایسی دیکھی جیسے رگوں میں خون منجمد کر دینے والی سردیوں کی تخی بستہ اور تاریک رات میں ویران و سنسان سرٹکیں حالانکہ اس صدی کے ہمارے اسلاف،

امام احمد ثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

امیر پیران پنجاب حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

امام المناظرین حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

امیر المناظرین حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی اموی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی و تغمد تراہم و مشواہم

اور دیگر بزرگانِ ملت و رہنمایان امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) نے اس موضوع پر اس قدر علمی خدمت کی ہے کہ عام اُردو پڑھنے والا مسلمان بھی اگر تھوڑی سی توجہ کرے تو یہ مشکل نہایت آسان ہو جاتی ہے۔ (ماہانہ نقیب ختم نبوت ملتان۔ فروری ۱۸۹۱ء)



## لفظ خاتم

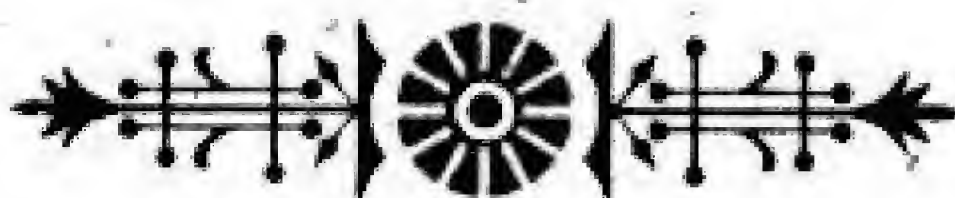
۱ اگر زیر اور زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہیں نگینہ اور مہر جس پر نام یا عبارت کندہ کرائی جائے۔

۲ خاتم زیر اور زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی انگوٹھی بھی ہے۔

۳ خاتم زیر اور زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو آخر القوم یعنی قوم کا آخری فرد بھی اس کا معنی ہے۔

۴ خاتم زیر اور زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو گھوڑے کے پاؤں کی سفیدی کو بھی خاتم کہتے ہیں۔

۵ خاتم زیر اور زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی گدی کے نیچے کا گڑھا ہے لے اب مرزائی بتائیں ان پانچوں معنوں میں سے کون سا معنی حضور ﷺ کے لئے استعمال کرنا پسند کرتے ہیں، ان معنوں میں سے کوئی معنی باعتبار فصاحت و بلاغت اور زبان و بیان کے قواعد و ضوابط کی رو سے ادب جاہلی سے لیکر آج تک کوئی ایک شعر، ایک جملہ، ایک قاعدہ و ضابطہ بیان کریں جس سے کسی عام انسان کو ان مذکورہ بالا معنوں سے منسوب کیا گیا ہو چہ جائیکہ ان معنوں سے انبیاء کے امام محمد رسول ﷺ کو پکارا لکھا اور پڑھا جائے، میرا تو خیال ہے کہ عربی زبان کی بلاغتوں اور نزاکتوں کے شناسا کفار بھی یہ حماقت کبھی نہ کریں جو غلام احمد ملعون نے کی لفظ خاتم کی۔





حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## دعاویٰ مرزا غلام احمد قادیانی

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی ہدایت پر آپ کے شاگردان رشید حضرات اکابر دیوبند نے قادیانیت کی تردید میں رسائل لکھے اور رد قادیانیت کے لڑچر میں ایک گرانقدر ذخیرہ علمی جمع کر دیا۔ تب اس زمانہ میں ہمارے مخدوم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ”دعاویٰ مرزا“ رسالہ تحریر فرمایا۔ نئے حوالجات کے ساتھ پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ فالحمد لله اولاً و آخراً (مرتب)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً

على سيدنا محمد المجتبی ومن يهديه اهتدى!

یوں تو مہدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو سلمان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

دنیا میں بہت سے گمراہ فرقے پیدا ہوئے اور آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔

لیکن مرزائی فرقہ ایک عجیب چستان ہے کہ اس کے دعوے اور عقیدے کا پتہ آج تک خود مرزائیوں کو بھی نہیں لگا، جس کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ اس فرقے کے بانی مرزا قادیانی نے خود اپنے وجود کو دنیا کے سامنے ایک لائیکل معمر کی شکل میں پیش کیا ہے اور ایسے متناقض اور متضاد دعوے کئے کہ خود ان کی امت بھی مصیبت میں ہے کہ ہم اپنے گرو کو کیا کہیں؟ کوئی تو ان کو مستقل صاحب شریعت نبی کہتا ہے، کوئی غیر تشریحی نبی مانتا ہے اور کسی نے ان کی خاطر ایک نئی قسم کا نبی لغوی



تراشا ہے اور ان کو مسیح موعود ”مہدی“ اور لغوی یا مجازی بنی کہتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مرزا قادیانی کا وجود ایک ایسی چستان ہے جس کا حل نہیں۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں جو کچھ اپنے متعلق لکھا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ متعین کرنا بھی دشوار ہے کہ مرزا قادیانی انسان ہیں یا اینٹ پتھر؟ مرد ہیں یا عورت؟ مسلمان ہیں یا ہندو؟، مہدی ہیں یا حارث؟ والی ہیں یا نبی؟ فرشتے ہیں یا دیو؟ جیسا کہ دعاوی مندرجہ رسالہ ہذا سے معلوم ہوتا ہے۔

نوٹ: اگر کوئی مرزائی یہ ثابت کر دے کہ یہ عبارت مرزا قادیانی کی نہیں تو اس کو فی عبارت دس روپیہ انعام دیا جائے گا۔

## مرزائیوں کے تمام فرقوں کو کھلا چیلنج؟

دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مرزائی امت کے تینوں فرقے مل کر قیامت تک یہ بھی متعین نہیں کر سکتے کہ مرزا قادیانی کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کون ہے اور کیا ہے؟ دنیا سے اپنے آپ کو کیا کہلوانا چاہتا ہے؟ لیکن جب ہم ان کی تصانیف کو غور سے پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعاوی میں اختلاط و اختلاف بھی ان کی ایک گہری چال ہے۔ وہ اصل میں خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن سمجھا کہ قوم اس کو تسلیم نہ کرے گی۔ اس لئے تدریج سے کام لیا۔ پہلے خادم اسلام مبلغ بنے۔ پھر مجدد ہوئے۔ پھر مہدی ہو گئے۔ اور جب دیکھا کہ قوم میں ایسے بیوقوفوں کی کمی نہیں جو ان کے ہر دعوے کو مان لیں تو پھر کھلے بندوں، نبی رسول، خاتم الانبیاء، وغیرہ سبھی کچھ ہو گئے، اور ہونہار مرد نے اپنے آخری دعوے خدائی کی بھی تمہید ڈال دی تھی۔ جس کی تصدیق عبارات مذکورہ ۲۶ تا ۳۰ سے بخوبی ہوتی ہے۔ لیکن قسمت سے عمر نے وفانہ کی۔ ورنہ مرزائی دنیا کا خدا بھی نئی روشنی اور نئے فیشن کا بن گیا ہوتا۔ خود مرزا قادیانی کی عبارات ذیل میں اس تدریجی ترقی اور اس کے سبب پر ہمارے دعوے کے گواہ ہیں۔ مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ:



”میری دعوت کے مشکلات میں سے ایک رسالت ایک وحی الہی ایک مسیح موعود کا دعویٰ تھا۔“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۳ خزائن ج ۲۱ ص ۶۸)

پھر کہتے ہیں کہ علاوہ اس کے اور مشکلات یہ معلوم ہوتے ہیں کہ بعض امور اس دعوت میں ایسے تھے کہ ہرگز امید نہ تھی کہ قوم ان کو قبول کر سکے۔ اور قوم پر تو اس قدر بھی امید نہ تھی کہ وہ اس امر کو بھی تسلیم کر سکیں کہ بعد زمانہ نبوت وحی غیر تشریحی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور قیامت تک باقی ہے۔

نیز حقیقت الوحی کی عبارت ذیل بھی خود اس تدریجی ترقی کی شاہد ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مرزا قادیانی ختم نبوت کے قائل تھے اور کسی نبی کا پیدا ہونا جائز نہ رکھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو نبی نہیں کہتے تھے۔ بعد میں ارزانی غلہ نے نبی بنا دیا۔ لکھتے ہیں:

”اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی تھے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کے متعلق ظاہر ہوتا تھا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدائے تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۴۹ ص ۱۵۰ روحانی خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۳، ۱۵۴)

اس کے بعد ہم مرزا قادیانی کے دعاوی خود ان کی تصانیف سے مع حوالہ صفحات نقل کرتے ہیں جو دعویٰ متعدد کتابوں اور مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ بغرض اختصار عبارات تو ان میں سے ایک ہی نقل کر دی گئی ہے، باقی کے حوالہ صفحات درج کئے گئے ہیں۔

بندہ محمد شفیع دیوبندی عفی اللہ عنہ و عافاہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ



## ۱..... مبلغ اسلام اور مصلح ہونے کا دعویٰ

”یہ عاجز مولف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ بنی اسرائیلی مسیح کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی اور غربت اور تذلل و تواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کرے۔“ (مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۲۳)

## ۲..... مجدد ہونے کا دعویٰ

اب بتلائیں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا۔“

(ازلہ ادہام ص ۱۵۴، خزائن ج ۳ ص ۷۹، شخص)

## ۳..... محدث ہونے کا دعویٰ

”اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدائے تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔ گو اس کے لئے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہے۔“

(توضیح المرام ص ۱۸، خزائن ج ۳ ص ۶۰، ازلہ ادہام ص ۵۸۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۶)

## ۴..... امام زماں ہونے کا دعویٰ

”میں لوگوں کے لئے تجھے امام بناؤں گا، تو ان کا رہبر ہوگا۔“

(ضرورۃ الامم ص ۲۶، خزائن ج ۳ ص ۴۹۷)

## ۵..... خلیفہ الہی اور خدا کا جانشین ہونے کا دعویٰ

”میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنا جانشین بناؤں تو میں نے آدم کو یعنی تجھے

پیدا کیا۔“ (حقیقت الوحی ص ۶، روحانی خزائن ج ۲۲ ص ۷۹)

## ۶..... مہدی ہونے کا دعویٰ

اشتہار معیار الاخیار و ریویو آف ریلیجنز نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء وغیرہ، یہ دعویٰ مرزا قادیانی کی اکثر تصانیف میں بکثرت موجود ہے۔ اس لئے عبارت کی حاجت نہیں۔



#### ۷..... حارث مددگار مہدی ہونے کا دعویٰ

”واضح ہو کہ یہ پیشن گوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں درج ہے کہ ایک شخص حارث نام یعنی حارث ماوراءنہر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا جو آل رسول کو تقویت دے گا۔ جس کی امداد نصرت ہر ایک مؤمن پر واجب ہوگی۔ الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیشن گوئی اور مسیح کے آنے کی پیشن گوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا دراصل یہ دونوں پیشن گوئیاں متحد المضمون ہیں۔ اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔“ (ازلہ ہام ص ۹۷ روحانی خزائن ج ۳ ص ۱۴۱)

#### ۸..... نبی امتی اور بروزی وظلی یا غیر تشریعی ہونے کا دعویٰ

”اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا وہ میں ہوں۔ اس سے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی۔“ (اشہار ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱۱ روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۵)

#### ۹..... نبوت و رسالت اور وحی کا دعویٰ

”سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔“ (دافع البلاء ص ۱۱۱ خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۱) ”حق یہ ہے کہ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔ نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ۔“ (براہین احمدیہ ص ۴۹۸) نیز یہی مضمون (اربعین نمبر ص ۶ اور نزول المسیح ص ۹۹ روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷ میں) بکثرت موجود ہے۔

#### ۱۰..... اپنی وحی کے بالکل قرآن کے برابر واجب الایمان قطعی ہونے کا دعویٰ

”میں خدا کی تیس برس کی متواتر وحی کو کیسے رد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔“

(حقیقت الوحی ص ۵۰ ایضاً ص ۲۱۱ خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۲ ص ۲۲۰ انجام آتھم ص ۶۲ خزائن ج ۱۱ ص ایضاً)



⑪.....سارے عالم کیلئے مدارِ نجات ہونے کا دعویٰ اور یہ کہ اپنی امت کے سوا امت محمدیہ کے چالیس کروڑ مسلمان کافر جہنمی ہیں

”کفر دو قسم پر ہے۔ ایک کفر کہ ایک شخص اسلام سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمامِ حجتہ کے جھوٹا جانتا ہے۔ جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارہ میں خدا و رسول نے تائید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتاب میں بھی تاکید پائی جاتی ہے، پس اس لئے کہ وہ خدا و رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔“

(حقیقت الوحی ص ۱۷۹ خزائن ج ۲۲ ص ۱۸۵)

”اور اس بات کو تقریباً نو برس کا عرصہ گزر گیا کہ جب میں دہلی گیا تھا اور میاں نذیر حسین غیر مقلد کو دعوت دین اسلام کی گئی۔“ (اربعین نمبر ۴ حاشیہ خزائن ج ۱ ص ۲۴۱ حاشیہ)

یہی دعویٰ سیرت الابدال، انجامِ آتھم وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ اور کہتے ہیں کہ: ”اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے مدارِ نجات ٹھہرایا۔“

(اربعین نمبر ۴ ص ۶ خزائن ج ۱ ص ۲۳۵)

⑫.....مستقل تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ اور یہ کہ وہ احادیث نبویہ پر حاکم ہے جس کو چاہے قبول کرے اور جس کو چاہے ردّی کی طرح پھینک دے

”اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔ هو الذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ! (اعجاز احمدی ص ۷ خزائن ج ۱۹ ص ۱۱۳) اس عبارت میں نبوت تشریعی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہمارے رسول ﷺ اس آیت کے مصداق نہیں جو صریح کفر ہے اور کہتا ہے کہ: ”اگر کہو کہ صاحب الشریعت افتراء



کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوائے اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے، جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر اور نہی بیان کئے۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام: ”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغْضُوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ذٰلِکَ اِذْ کِیْ لَہُمْ“۔ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ (اربعین نمبر ۶، خزائن ج ۷ ص ۲۳۵)

پھر لکھتے ہیں: ”چونکہ میری وحی میں امر بھی اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید بھی۔“ (اربعین نمبر ۶، خزائن ج ۷ ص ۲۳۵ حاشیہ)

”اور ہم اس کے جواب میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعوے کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں! تائیدی طور پر وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔“ (اعجاز احمدی ص ۳۱۳، خزائن ج ۱۹ ص ۱۲۰)

### ۱۳..... اپنے لئے دس لاکھ معجزات کا دعویٰ

”اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔“ (تمتہ حقیقت الوحی ص ۶۸، خزائن ج ۲۲ ص ۵۰۳) اور براہین احمدیہ حصہ پنجم میں: ”دس لاکھ تعداد معجزات شمار کی ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۸، خزائن ج ۲۱ ص ۷۵)



۱۴..... تمام انبیاء سابقین سے افضل ہونے کا دعویٰ اور سب کی توہین  
 ”بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء  
 ہمارے نبی ﷺ کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے  
 ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے اور خدا نے اپنی حجت پوری کر دی ہے۔ اب چاہے  
 کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔“ (تمہ حقیقت الوحی ص ۱۳۶ خزائن ج ۲۲ ص ۵۷۴)

۱۵..... آدم علیہ السلام نے کا دعویٰ  
 لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اس کلام میں آدم قرار دیا ہے: ”یا آدم اسکن  
 انت وزوجک“ (اربعین نمبر ۳ ص ۲۳ روحانی خزائن ج ۷ ص ۴۱۰/۴۱۱)

۱۶..... ابراہیم علیہ السلام نے کا دعویٰ  
 ”آیت: ”واتخذ وامن مقام ابراہیم مصلی“ اس کی طرف اشارہ کرتی  
 ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقہ ہو جائیں گے۔ تب آخر زمانہ میں ایک  
 ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اس ابراہیم کا پیرو  
 ہوگا۔“ (اربعین نمبر ۳ ص ۳۲ خزائن ج ۷ ص ۴۲۱)

۱۷..... نوح علیہ السلام نے کا دعویٰ

۱۸..... یعقوب علیہ السلام نے کا دعویٰ

۱۹..... موسیٰ علیہ السلام نے کا دعویٰ

۲۰..... داؤد علیہ السلام نے کا دعویٰ

۲۱..... شعیث علیہ السلام نے کا دعویٰ

۲۲..... یوسف علیہ السلام نے کا دعویٰ

۲۳..... اسحاق علیہ السلام نے کا دعویٰ

۲۴..... یحییٰ علیہ السلام نے کا دعویٰ

۲۵..... اسماعیل علیہ السلام نے کا دعویٰ



”میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحق ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں، اور آنحضرت ﷺ کے نام کا مظہر اتم ہوں۔ یعنی ظلی طور پر میں محمد اور احمد ہوں۔“ (حاشیہ حقیقت الوی ص ۷۲، خزائن ج ۲۲ ص ۷۶)

۲۶..... عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

”اس خدا کی تعریف جس نے تجھے مسیح بن مریم بنایا۔“ (حاشیہ حقیقت الوحی ص ۷۲، خزائن ج ۲۲ ص ۷۵) یہ دعویٰ تقریباً سب ہی کتابوں میں موجود ہے۔

۲۷..... عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ اور ان کو مغالطات بازاری گالیاں

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے (دافع البلاء ص ۲۰، خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۰)

”خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں ہرگز نہ کر سکتا۔ اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں ہرگز نہ دکھلا سکتا۔“ (حقیقت الوحی ص ۱۲۸، خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۲) ”آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار کسی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔“ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۷، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۱) ”پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیشن گوئی کیوں نام رکھا۔“ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۴، خزائن ج ۱۱ ص ۲۸۸) ”یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔“ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۵، خزائن ج ۱۱ ص ۲۸۹)

۲۸..... نوح علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ اور ان کی توہین

”اور خدائے تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح



عَلَيْهَا وَالسَّلَامُ کے زمانہ میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے۔“  
(تمہ حقیقت الوحی ص ۱۳۷ خزائن ج ۲۲ ص ۵۷۵)

### ۲۹..... مریم عَلَیْہَا وَالسَّلَامُ ہونے کا دعویٰ

”پہلے خدا نے میرا نام مریم رکھا اور بعد اس کے ظاہر کیا کہ اس مریم میں خدا کی طرف سے روح پھونکی گئی اور پھر فرمایا کہ روح پھونکنے کے بعد میری مرتبہ عیسوی مرتبہ کی طرف منتقل ہو گیا اور اس طرح مریم سے عیسیٰ پیدا ہو کر ابن مریم کہلایا۔“  
(حاشیہ حقیقت الوحی ص ۷۲ روحانی خزائن ج ۲۲ ص ۷۵)

### ۳۰..... آنحضرت ﷺ کے ساتھ برابری کا دعویٰ

”یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ اس واسطے کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر اور اس نام محمد و احمد سے مسمی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۷ روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۱) ”بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت: ”وآخرین منهم لما یلحقوا بهم۔“ بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۸ خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲) اکثر ان اوصاف کو اپنے لئے ثابت کیا ہے جو آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہیں۔

### ۳۱..... ہمارے نبی ﷺ سے افضلیت کا دعویٰ

”ہمارے نبی اکرم ﷺ کے معجزات کی تعداد صرف تین ہزار لکھی ہے۔“ (تخند گوڑویہ ص ۴۰ روحانی خزائن ج ۷ ص ۱۵۳) اور اپنے معجزات کی تعداد ادبراہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶ خزائن ج ۲۱ ص ۷۲ پر دس لاکھ بتلائی ہے: ”لہ خسف القمر المنیر وان لی غسا القمر ان المشرق ان تذکرو۔“ اس کے لئے یعنی آنحضرت ﷺ کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔“ (اعجاز احمدی ص ۷۱ روحانی خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳) اس میں آپ ﷺ پر افضلیت کے دعوے کے ساتھ معجزہ شق القمر کا انکار اور توہین بھی ہے۔



۳۲..... میکائیل عَلَیْہِ السَّلَامُ ہونے کا دعویٰ

”اور دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے۔“

(حاشیہ اربعین نمبر ۳ ص ۲۵ خزائن ج ۱ ص ۴۱۳)

۳۳..... خدا کی مثل ہونے کا دعویٰ

”اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کے مانند۔“

(حاشیہ اربعین نمبر ۳ ص ۲۵ خزائن ج ۱ ص ۴۱۳)

۳۴..... اپنے بیٹے کا خدا کی مثل ہونے کا دعویٰ

”انا نبشرك بغلام مظهر الحق و العلی كان الله نزل من السماء۔“

(استفتاء ص ۸۵ خزائن ج ۲ ص ۷۱۲)

۳۵..... خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ

”انت منی بمنزلة اولادی“ (حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۹ خزائن ج ۱ ص ۴۵۲)

۳۶..... اپنے اندر خدا کے اتر آنے کا دعویٰ

آپ کو الہام ہوا: ”آواہن“ جس کی تفسیر خود ہی یہ کرتے ہیں کہ: ”خدا تیرے

اندرا تر آیا۔“ (کتاب البریہ ص ۷۲ خزائن ج ۳ ص ۱۰۲)

۳۷..... خود خدا ہونا بحالت کشف اور زمین و آسمان پیدا کرنا

”اور میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی

ہوں۔ (پھر کہتا ہے) اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔ (پھر کہتا ہے) اور

اس حالت میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں تو

میں نے پہلے تو آسمان و زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی ترتیب اور

تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی اور میں

دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا:

”انا زینا السماء الدنيا بمصابيح“۔ پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی کے

خلاصہ سے پیدا کریں گے۔ پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہو گئی



اور میری زبان پر جاری ہوا: ”اُردت ان استخلف فخلق آدم انا خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔“ یہ الہامات ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے میرے پر ظاہر ہوئے۔“

(کتاب البریہ ص ۸۶۸ ۸۷۸ خزائن ج ۳ ص ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵) (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۳ خزائن ص ۵ ایضاً)

۳۸..... مرزا قادیانی میں حیض کا خون ہونا اور پھر اس کا بچہ ہونا  
 ”منشی الہی بخش کی نسبت یہ الہام ہوا۔ یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یعنی ناپاکی پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں اور خدا چاہتا ہے کہ جو اپنی متواتر نعمتیں جو تیرے پر ہیں دکھلائے اور خون حیض سے تجھے کیونکر مشابہت ہو اور وہ کہاں تجھ میں باقی ہے۔ پاک تغیرات نے اس خون کو خوبصورت لڑکا بنا دیا اور وہ لڑکا جو اس خون سے بنا میرے ہاتھ سے پیدا ہوا۔“ (حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۹ خزائن ج ۱ ص ۴۵۲)

۳۹..... حاملہ ہونا

عبارت مذکورہ۔ (کشتی نوح ص ۴۷ روحانی خزائن ج ۱۹ ص ۵۰)

۴۰..... حجر اسود ہونے کا دعویٰ

الہام یہ ہے کہ:

یکے پائے من مے بوسد ومن میگفتم کہ حجر اسود منم  
 (حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۵ روحانی خزائن ج ۱ ص ۴۴۵)

۴۱..... بیت اللہ ہونے کا دعویٰ

”خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔“

(حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۵ خزائن ج ۱ ص ۴۴۵)

۴۲..... سلمان ہونے کا دعویٰ

الہام ہوا: ”انت سلمان منی یا ذا البرکات۔“ (تذکرہ ص ۶۰۳)

۴۳..... کرشن ہونے کا دعویٰ

”آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں۔ وہ کرشن



میں ہی ہوں۔“ (تمہ حقیقت الوحی ص ۸۵ خزائن ج ۲۲ ص ۵۲۱)

۴۲..... آریوں کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ

”اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کُرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے۔ آریوں کا بادشاہ۔“

(تمہ حقیقت الوحی ص ۱۸۵ خزائن ج ۲۲ ص ۵۲۲)

نبی اور عیسیٰ تو اپنی زبانی بن گیا مگر بادشاہت میں زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا۔ اس لئے پھر کہا کہ بادشاہت سے مراد آسمانی بادشاہت ہے۔ فقط!

(ماہنامہ لالوک ملتان)





مفتی اعظم پاکستان، مولانا محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا

## علمائے کرام سے خصوصی خطاب

۲۵ شوال ۱۳۸۴ھ بروز ہفتہ۔ مدرسہ محمودیہ، امانت گنج ضلع بریال۔  
مشرقی پاکستان بوقت گیارہ بجے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُوءِ مِنْ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ  
عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ  
يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يَضِلّْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ. وَنَشْهَدُ اَنْ  
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ. وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا  
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ. (امابعد)

عربی کا یہ مسنون خطبہ جو میں نے ابھی پڑھا، تقریروں، مواعظ اور خطبات کے  
شروع میں پڑھا جاتا ہے۔ لیکن اس خطبہ کے مضامین کی طرف عام طور سے توجہ نہیں  
کی جاتی، آج کی مجلس میں اسی کے بعض اجزاء کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد اس بات پر کرتے  
ہیں کہ اُس نے ہمیں اس نیک کام کے ارادہ کی توفیق دی، وَنَسْتَعِيْنُهُ ارادے بغیر  
اللہ تعالیٰ کی مدد کے پورے نہیں ہو سکتے اس لئے مدد طلب کرتے ہیں۔

وَنَسْتَغْفِرُهُ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ استغفار کس چیز سے کیا جا رہا ہے؟  
جواب یہ ہے کہ ہمارے گناہ جو ہم سے ہر وقت ہوتے رہتے ہیں وہ ہمارے نیک  
کاموں میں رکاوٹ اور سدِ راہ ہیں، اس لئے ان کی مغفرت طلب کی گئی۔



”نستعینہ“ اور ”نستغفرہ“ میں یہ جوڑ ہے کہ اول طلب اعانت کے لئے ہے اور ثانی رفع موانع (یعنی رکاوٹوں اور مشکلات کو دور کرنے) کیلئے۔

وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرٍ اَنْفَسِنَا نَفْسَ كَ شُرُوْرٍ (گناہ) ہمارے تمام نیک کاموں کو بے روح کر دیتے ہیں، مثلاً تکبر یا عجب وغیرہ۔ اس لئے ان سے پناہ مانگی گئی۔  
وَمِنْ سَيِّئَاتٍ اَعْمَالِنَا سَيِّئَاتٍ کی اضافت اعمال کی جانب صفت کی اضافت موصوف کی جانب کے قبیل سے میرے نزدیک نہیں۔ بلکہ یہ اضافت بیانہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری سئیات (گناہ) یہی اعمال ہوتے ہیں جن کو ہم نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، آج کی مجلس میں میں اسی چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، باتیں بہت ہیں، اس لئے کوئی ترتیب قائم کرنا بھی مشکل ہے، بس ایک دردِ دل ہے، وہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

میر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ دے  
پھر التفاتِ دل دوستاں رہے کہ نہ رہے

ہمارے مدرسے اور خانقاہیں تیس ۳۰ چالیس ۴۰ سال سے بانجھ ہیں، ان مدرسوں سے اب آدمی (تربیت یافتہ) یا مسلمان (اللہ والے) پیدا نہیں ہوتے ہیں، بلکہ ”مولانا“ پیدا ہوتے ہیں۔ یا تو یہ حالت تھی کہ میرے والد صاحب کا ارشاد ہے کہ: ”میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ وقت دیکھا ہے جب مہتمم اور صدر مدرس سے چپراسی اور دربان تک ہر ایک صاحبِ نسبت ولی اللہ تھا، دربان چوکیداری کر رہا ہوتا تھا، اور ساتھ ہی اس کے لطائف ستہ جاری رہتے تھے، دن کو وہ مدرسہ تھا اور رات کو خانقاہ، رات کو ہر کمرہ سے گریہ وزاری اور ذکر اللہ کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔“

”در مدرسہ خانقاہ دیدم“

چنانچہ حضرت شیخ الہند رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ ان الفاظ

یعنی حضرت مولانا محمد یسین صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی صدر مدرس درجہ فارسی دارالعلوم دیوبند۔



میں نکالی تھی کہ

”در مدرسہ خانقاہ دیدم“

اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندو پاکستان اور باہر کے ممالک میں بھی جہاں کہیں دین نظر آتا ہے اُس میں دیوبند کا بہت بڑا حصہ ہے۔

دنیا میں محققین کی کوئی کمی نہیں، مگر دیوبند کا جو خاص رنگ ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔ چند سال قبل میں دمشق کی ایک کانفرنس میں شریک ہوا وہاں دنیا بھر کے علماء تھے، وہاں بھی اس کا مشاہدہ ہوا۔ دیوبند کی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں، لفظ کے ساتھ معنی، ظاہر کے ساتھ باطن اور علم کے ساتھ عمل موجود تھا۔

آج نئے نئے فتنے تیزی سے اُٹھ رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کے اثرات کراچی میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں اور وہاں لادینی تیزی سے پھیل رہی ہے، مگر ایک لادینی میں مشرقی پاکستان عرصہ سے آگے بڑھا ہوا ہے، وہ ہے ہندو مسلم کا اشتراک (دوستی)۔

آپ کو یاد ہوگا کہ مسلمانوں کو کس طرح تباہ کیا گیا؟ اور کس طرح ان کا قتل عام ہوا؟ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی ۵۰ ہزار عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے قبضے میں چلی گئیں، علامہ بغدادی نے لکھا ہے کہ سقوطِ بغداد کے وقت کئی لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔ مگر عورتوں کی عصمت کی قربانی مسلمان نے کبھی نہیں دی تھی، یہ مصیبت سب سے پہلے ہم پر نازل ہوئی، اس کے باوجود ہندوؤں کو ہم نے بھائی بنا رکھا ہے حالانکہ قرآن نے ان کو ہمارا دشمن قرار دیا ہے۔ قرآن کریم نے اسلام اور ایمان کو اخوت اور برادری کی بنیاد قرار دیا تھا، اور ہم وطنی کی بنیاد پر اللہ کے دشمنوں کو اپنا بھائی بنا کر دوسرے صوبے کے مسلمانوں کو اپنا دشمن بنا رہے ہیں۔ تو ایک لادینی تو یہ ہے جو مشرقی پاکستان میں سب سے زیادہ پھیلی ہوئی ہے، اور باقی عیاشیوں اور بے حیائی میں کراچی اور مغربی پاکستان سب کا امام بنا ہوا ہے، غرض بے دینی ہر طرف



مختلف صورتوں میں تیزی سے پھیل رہی ہے، مگر آج کے مولوی کو اس کی فکر نہیں، وہ کبھی ان حالات پر غور نہیں کرتا، آنحضرت ﷺ نے ہر قل قصیر روم کو لکھا تھا کہ:

وَ اِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَیْكَ اِثْمَ الْیَرِیْسِیْنِ  
(اگر تو نے دین سے روگردانی کی تو تجھ پر تیری رعایا کا بھی گناہ ہوگا)

آپ حضرات عام مسلمانوں کے پیشوئی اور مقتدیٰ ہیں، لہذا آپ حضرات پر ان حالات میں سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اگر ہمارے دل میں دین کا درد ہوتا تو ممکن نہیں تھا، کہ دین سے یہ بغاوت ہوتی رہے اور ہم خاموش و غافل بیٹھے رہیں۔

ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی خدمت میں کچھ زمانہ غیبت کے بعد حاضر ہوا تو دیکھا کہ بہت کمزور ہو رہے ہیں، جیسے کئی مہینے سے بیمار ہوں، پوچھنے پر فرمایا کہ بھائی مسلمان تباہ ہو گیا، اسے نہ ہندو پوچھتا ہے نہ انگریز۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب کانگریس نے اپنی وزارت بنائی مگر مسلمانوں کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔

اسی طرح حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو اُس وقت احقر نے دیکھا جب عنایت اللہ مشرقی کا فتنہ ملک میں پھیل رہا تھا۔ حالانکہ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے مشاغل سیاسی نہیں تھے مگر چونکہ دین کا درد تھا اس لئے بے چین تھے، مگر ہم نہایت اطمینان سے بے دینی کے اس سیلاب کو برداشت کر رہے ہیں، مگر ہمارے ایک پیسہ کا نقصان ہونے لگے تو بوکھلا جاتے ہیں۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ ہم تدریس، تبلیغ وغیرہ جو کچھ کرتے ہیں، وہ دین کے لئے نہیں بلکہ دُنیا کے لئے ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ آجکل مولویوں کا نیلام ہوتا ہے، مولوی کو جہاں پانچ روپے زیادہ مل جائیں چلے جاتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں جب میری تنخواہ ۳۵ روپے تھی، اس وقت کلکتہ میں مجھے سات ۷۰۰ روپے کی پیشکش کی گئی جو میں نے قبول نہیں کی، ہمارے



بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے، لیکن اب یہ بات ہمارے طبقہ میں ختم ہوتی جا رہی ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ ہم اپنے پڑھنے پڑھانے کا مقصد گم کر چکے ہیں، تدریس ایک پیشہ بن چکا ہے، پیش نظر یہ نہیں رہتا کہ ہمیں مخلص خادمانِ دین محقق علماء پیدا کرنے ہیں بلکہ اتنا رہ گیا ہے کہ طالب علم کو کتاب اور اس کا حاشیہ پڑھا دیا جائے۔ اسے خود کیوں پڑھا تھا؟ اور کیوں پڑھاتے ہیں؟ یہ آج کا مولوی کبھی نہیں سوچتا، اس پڑھنے پڑھانے اور دینی تعلیم کا مقصد صرف یہ تھا کہ صبغة اللہ (اللہ کے رنگ) میں خود رنگ جانا اور دوسروں کو رنگنا، اگر یہ مقصد پیش نظر نہیں تو تدریس کے بجائے پھاؤڑا لیکر مزدوری کر لینا بدرجہا بہتر ہے، اگر یہ مقصد نہیں تو ہمارے برابر کوئی خسارہ میں نہیں، قرآن کا ارشاد ہے: **الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا**۔ ہم اس کے مصداق ہو کر رہ گئے ہیں۔

تدریس میں ہماری تمام کاوشیں ان مباحث میں منحصر ہو کر رہ گئی ہیں کہ امام شافعی نے کیا کہا؟ ان کی دلیل کیا ہے؟ اور ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے، خوب یاد رکھئے کہ قبر میں اور محشر میں ہم سے یہ سوال نہیں ہوگا، ہم سے سوال یہ ہوگا کہ او مدرس!، او خطیب! او مفتی! بتا جب میرے دین پر فتنوں کی بارش ہو رہی تھی تو نے میرے دین کے واسطے کیا کیا؟ کتنے کافروں کو مسلمان اور کتنے بدکاروں کو دین کے رنگ میں رنگا تھا؟

دین کی، عربی کی تعلیم آج روز بروز گھٹتی جاتی ہے، مولوی صاحب کنویں کے مینڈک کی طرح یہ دیکھ کر مطمئن ہیں کہ اُن کے مدرسہ میں ان کے ہاتھ چومنے والے چند لوگ ان کو مل جاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ علماء و طلباء کی تعداد بہت کافی ہے، حالانکہ ہر سال اس دین کے طالب علم گھٹ رہے ہیں، ہمیں صرف وہ طلباء ملتے ہیں جن کی دنیا کے کسی شعبہ میں کھپت نہ ہو۔

جو کسی بھی درجہ میں آسودہ حال ہوں یا دنیا کے کسی دوسرے شعبہ میں کھپ



سکتے ہوں وہ ہمارے مدارس کا رخ نہیں کرتے۔

بہر حال فتنوں، اور بے دینی کا سیلاب ہے، سوال یہ ہے کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے؟  
تو سب سے پہلے تو ہم کو چاہئے کہ ہم اس دعوے سے مستبدر دار ہو جائیں کہ ہم  
خادمِ دین ہیں، کیونکہ حالات اس دعوے کی تکذیب کرتے ہیں، اور اس قسم کے  
دعویداروں کے بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے **وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ**  
**كَفَرُوا وَجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ**۔ امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ یہاں وہ  
لوگ مراد ہیں جو دین کے دعوے دار ہوں مگر دین دار نہ ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ذہن نشین کریں کہ ان مدرسوں کا مقصد شرح جامی کے  
حواشی رٹوانا نہیں بلکہ دین کے رنگ میں رنگنا ہے، قرآن و حدیث کی صحیح فہم پیدا  
کر کے ان کے رنگ کو طلباء میں پیدا کرنا ہے۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اکابر کی  
تقاریر درس رٹ رکھی ہیں ان سے طلباء کے سامنے اپنے محقق ہونے کا رعب بٹھاتے  
ہیں، کبھی یہ فکر نہیں ہوتی کہ طالب علم کو کچھ دین بھی آیا یا نہیں،

حرفِ درویشاں بد زدد مردِ دول  
تا بخواند بر سلیمی زان فسوں

آج کل طلباء تو طلباء بعض مدرسین کی حالت یہ ہے کہ اگر ان سے برجستہ کسی  
آیت کا ترجمہ پوچھ لیں تو نہیں بتا سکیں گے، اس کے باوجود لمبی لمبی تحقیقات رٹ کر  
اپنی علمیت کا رعب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

ان مدرسوں کو سنبھالنے کے لئے یہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ہمارا مقصد  
مسلمان پیدا کرنا، پھر مولوی بنانا اور پھر محقق بنانا ہے۔

ایک اور گزارش یہ ہے کہ موجودہ فتنوں کا مقابلہ صرف ان مدرسوں سے تو ہو  
نہیں سکتا۔ کیونکہ ان کے فوائد صرف ایک مخصوص حلقہ تک محدود ہیں۔ عوام میں جو  
بے دینی اور فساد پھیل رہا ہے اس کے انسداد کیلئے مدرسے کافی نہیں۔



اور یہ کام کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے، اور ہم عند اللہ مسئول ہیں، خلاصہ یہ کہ ہمارے ذمہ دو کام ہیں، ایک افراد سازی، اور دوسرا جماعت سازی، مگر جماعت سازی اُس طریقہ سے نہیں، جو کل چل پڑا ہے، بلکہ اس طرح کہ ہم تو تنہا ہی چلے گئے باب منزل مگر ہمسفر ملتے گئے اور قافلہ بنا گیا

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ، کہ کام تو تنہا ہی شروع کر دیا، جب کفر سے مقابلہ پیش آیا تو ”من انصارى الى الله“ فرمایا۔ آج ہم جماعت سازی کی فکر میں تو پڑ گئے ہیں افراد سازی کا کام چھوڑ دیا ہے، حالانکہ جماعت سازی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ فرد سازی نہ ہو، مگر زندگی میں آپ ﷺ نے افراد کو تیار کیا، جب افراد بن گئے تو مدنی زندگی میں جماعتی طرز کا کام شروع کیا۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ تمام مدرسے اپنے اندر تو افراد تیار کریں، اور باہر کیلئے ہر مدرسہ میں ایک تنخواہ دار مبلغ رکھا جائے، اور بکثرت مدارس مل کر اس کا کوئی منظم طریقہ باہمی مشورہ سے اختیار کریں، اس میں اجمالی طور پر عرض یہ ہے کہ ابتداءً صرف مجمع علیہ مسائل (جن پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے) کی تبلیغ کی جائے۔ جس مسئلہ کی فوری ضرورت سمجھی جائے پورے ملک کے مبلغین اس کی تبلیغ بیک وقت کریں۔ اگر یہ دونوں کام کر لئے گئے تو امید ہے کہ انشاء اللہ ہم اپنی اہم ذمہ داریوں سے کسی حد تک بری ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق کامل عطاء فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین  
(ماہنامہ البلاغ کراچی جولائی ۱۹۸۴ء از مفتی محمد شفیع)



## اخلاص اور اُس کے ثمرات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی ایک بصیرت افروز تقریر جو انہوں نے جامعہ تعلیمات اسلامیہ لائل پور کے ایک اجتماع میں فرمائی تھی مولانا محمد زکی کیفی مرحوم نے یہ تقریر مرتب کی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر کچھ معروضات پیش کرنا بڑا اہمیت طلب مسئلہ ہے کیونکہ اس دور میں اخلاص کا ہی فقدان ہے۔ ہماری روزمرہ کی مصروفیات جو بظاہر عبادت نظر آتی ہیں اُن کا اگر جائزہ لیا جائے تو اُن میں سے اکثر کاموں میں مقصود نظریا جلب منفعت ہے یا شہرت اور ناموری اور نام و نمود کی خواہش اپنے علم و فضل کا اظہار اور دوسرے لوگوں سے اپنی برتری کا لوہا منوانا۔

اگر میں اپنا جائزہ لے کر دیکھوں کہ مجھ میں کس قدر اخلاص ہے تو شاید بولنے کی ہمت نہ ہو لیکن قرآن حکیم نے جو ”لَمْ تَقُولُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ“ فرمایا ہے اُس کے نتیجے میں بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم کوئی نیک عمل نہیں کرتے تو اس نیک عمل کی ترغیب کسی دوسرے کو بھی دینا صحیح نہیں ہوگا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اس کا صحیح مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔

میرے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک جامع جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ آیت دعویٰ کے متعلق ہے۔ دعوت کے متعلق نہیں۔ مثلاً نماز ہم صحیح نہ پڑھتے ہوں اور دعویٰ یہ کرتے ہوں کہ نماز



بالکل صحیح پڑھتے ہیں۔ روزہ، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کو ان کے آداب کے مطابق ادا نہ کریں اور دعویٰ یہ کریں کہ ہم ان کو پورے طور پر صحیح ادا کرتے ہیں۔ اس قسم کے کام کا اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ لیکن اگر ہم کوئی نیک عمل اپنے کسل یا غفلت اور کمزوری کے باعث نہیں کر سکے تو یہ بات اس عمل کی دعوت دوسرے لوگوں کو دینے میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ دعوت دیتے وقت اپنے نفس کو بھی مخاطب کرنا چاہیئے اور دوسرے لوگوں کو بھی۔ کیونکہ دعوت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ داعی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص نماز باجماعت کے معاملے میں خود کوتاہ ہے اور نماز باجماعت کے فضائل و اہمیت پر وعظ کہتا ہے تو قدرتی طور پر اس کا نفس بھی خود ندامت محسوس کر لے گا اور بالآخر انشا اللہ اس کو بھی پابند بنادے گا۔

حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی جس رذیلہ کا اپنی ذات میں احساس کرتے تھے تو اس پر وعظ کہتے تھے اور اس طرح اپنے نفس کا علاج کر لیتے تھے۔ چونکہ بحمد اللہ اس مجلس میں دعویٰ کی کوئی بات نہیں ہے صرف دعوت ہی کے لئے منعقد کی گئی ہے۔ اس لئے اخلاص پر چند باتیں کہنے کی ہمت کر رہا ہوں۔

قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا:-

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

یعنی ہم جو عبادت بھی کریں اس میں ہمارا تمام تر مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہو۔ اس کے علاوہ اور کسی قسم کا داعیہ، نام و نمود یا مالی منفعت، عزت و شہرت وغیرہ نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی دل میں پیدا ہوگئی تو دعوت خالص نہیں رہے گی۔ ”إِلَّا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ“

ایک حدیث میں سرورِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:-

”جب بندہ کسی عمل میں دو نیتیں کر لیتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے



ہیں کہ جب تم نے اس عمل میں میرے ساتھ غیر کو شریک کر لیا تو  
میں یہ غیر کو ہی دے دیتا ہوں۔“

اور منطق کا مشہور مقولہ ہے:

کہ نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے۔

یاد رکھئے ہر عمل کا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک اس کی رُوح ہوتی ہے۔  
قرآن حکیم نے انسانی تخلیق کے متعلق پہلے تو تدریجی تخلیق کا ذکر کیا ہم نے  
نطفہ کو مضغہ بنادیا پھر مضغہ سے ہڈیاں پیدا کیں۔ پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔  
تدریجی تخلیق کا بیان فرما کر ارشاد ہوا۔

”ثُمَّ اَنْشَاْنَاْهُ خَلْقًا اٰخَرَ“ اور وہ رُوح کی تخلیق ہے۔ رُوح تمام افعال  
کا صدور کرانے والی ہے اور جسم اس کے کہنے کے مطابق کام کرتا ہے۔ انسانی رُوح  
تو پہلے سے موجود تھی لیکن جسم میں آنے سے پہلے نہ وہ مؤمن تھی نہ کافر اور نہ اس کا  
کوئی عمل تھا۔ جب اس کا تعلق بدن کے ساتھ قائم کر دیا گیا تو کام شروع ہوا۔ نہ  
صرف رُوح سے کام چل سکتا ہے اور نہ صرف جسم سے، تمام دُنیا کے کارخانوں کا  
دار و مدار اسی پر ہے۔

بجلی حاصل کرنے کے لئے پہلے بجلی کو تاروں کی فننگ وغیرہ کی جاتی ہے، اس  
کے بعد بلب لگایا جاتا ہے۔ یہاں تک تو بجلی کا ڈھانچہ تھا اب اس کے بعد پاور  
ہاؤس سے کرنٹ آتا ہے جو بجلی کی رُوح ہے تب روشنی حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح ہر عمل کا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک اس کی رُوح ہوتی ہے، نماز میں ہاتھ  
اُٹھا کر تکبیر کہنا، قیام و قعود اور رکوع و سجود وغیرہ یہ سب نماز کا ڈھانچہ ہے اور اس کی رُوح  
اخلاص ہے کہ دورانِ نماز غیر اللہ کا خیال نہ آنے پائے، اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھنے کا عمل  
ایک دعویٰ ہے کہ ہم نے ماسوی اللہ سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔ اسی کو احسانِ صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔  
تمام اعمالِ صالحہ کی رُوح اخلاص ہے، اس لئے ہمیں ہر عمل کے وقت اس کا



خیال رکھنا ہوگا کہ اس عمل کا ڈھانچہ بھی درست ہو اور اس میں روح بھی موجود ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں اعمال کے اعداد کا شمار نہیں ہوتا کہ کتنی نمازیں پڑھیں؟ کس قدر روزے رکھے؟ کتنے حج کئے؟ بلکہ وہاں بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا تعداد نہیں گنی جائے گی۔ قرآن و حدیث میں آپ نے کہیں نہیں پڑھا ہوگا، کہ یوم حساب میں اعمال کی گنتی کی جائے گی۔

قرآن کریم میں احسن عمل فرمایا گیا ہے اکثر عملاً نہیں فرمایا۔ ہر عمل میں حسن عمل کو دیکھا جائے گا، کثرت عمل کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں عمل کے وزن کے اعتبار سے جزا ملے گی، اعمال میں جس قدر اخلاص ہوگا اسی قدر وہ اعمال وزنی ہوں گے، کسی کا عمل دیکھنے میں معمولی ہوگا لیکن اخلاص کی بدولت اس کی جزاء بہت بڑی ہوگی اور کسی کے اعمال دیکھنے میں بہت عظیم ہوں گے لیکن اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی جزاء بہت معمولی ہوگی۔ احادیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے:-

”کسی صحابی کا ایک مُد مال خرچ کرنا (جو ہمارے ایک سیر کے قریب ہوتا ہے) غیر صحابی کے جبل اُحد کے برابر خرچ سے بھی زیادہ باعثِ اجر ہوگا“

آخر اس کا سبب کیا ہے بظاہر تو یہ بے انصافی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص اُحد کے برابر خرچ کر کے اجر حاصل نہ کر سکے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحابی کو رسول اکرم ﷺ کے شرفِ صحبت سے جو اخلاص عمل حاصل ہو گیا وہ غیر صحابی کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا، اسی لئے اخلاص عمل کی وجہ سے صحابی کے معمولی اعمال کا وزن بڑھا ہوا ہے اور غیر صحابی میں اخلاص عمل کی کمی کی وجہ سے اس کے عمل کا درجہ گھٹا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی (جو عمر ثانی کہلاتے ہیں) اور حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ میں سے کون افضل ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ:-

”میں بہ قسم کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مقام تو بہت بلند ہے۔



حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے گھوڑے کی ناک کا وہ غبار جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کے وقت اس کی ناک میں پہنچا سینکڑوں عمر بن عبدالعزیز سے بہتر ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے فضائل و کمالات اپنی جگہ سب مسلم ہیں، لیکن وہ حضور اکرم ﷺ کی معیت کی دولت کہاں سے لاسکیں گے؟

اخلاص کے دواثر ہوتے ہیں، ایک آخرت میں وزن بڑھنے کا، دوسرے نقدِ ثمرہ دُنیا میں مخاطب پر اثر انداز ہونے کا، تجربہ شاہد ہے کہ اخلاص کے ساتھ جو بات کہی جاتی ہے وہ مؤثر و مفید ہوتی ہے اور تلخ بھی ہوتی ہے تو ناگوار نہیں ہوتی، اختلاف کی صورت میں جنگ و جدال اور معرکہ آرائیوں کا بڑا سبب اخلاص کی کمی یا اس کا فقدان ہے۔ اگر بات اخلاص کے ساتھ کہی جاتی ہے تو اس کا انداز محبت، ہمدردی اور دل سوزی کا ہوتا ہے اور اخلاص نہ ہو تو بات وہی ہوتی ہے لیکن انداز تو ہین آمیز ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ افتراق و انتشار اور جنگ و جدل کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

موطا امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) میں حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا ایک قول مذکور ہے:

الناس مبتلی ومعا فی فارحموا مبتلی وسئلوا اللہ العافیۃ۔

”کچھ لوگ بیمار ہیں اور کچھ عافیت میں ہیں، پس بیمار پر رحم کھاؤ اور اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سے عافیت طلب کرو۔“

یہ حکیمانہ ہدایت نامہ ہے کہ اگر کسی کو بیمار دیکھو، بُرے اعمال میں مُبتلا یا تو اُس کو اس بیماری اور اعمالِ بد سے بچانے کی کوشش پوری ہمدردی، دل سوزی اور لگن کے ساتھ کرو اور ایسے طریقے سے کرو کہ مریض تنگدل پریشان اور بیزار نہ ہو۔

اس کو بیمار اور خود کو صحت مند دیکھ کر اپنے آپ کو افضل نہ سمجھو اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کا شکر ادا کرو کہ اُس نے محض اپنے فضل سے تمہیں اس بُری عادت میں مُبتلا نہیں کیا۔

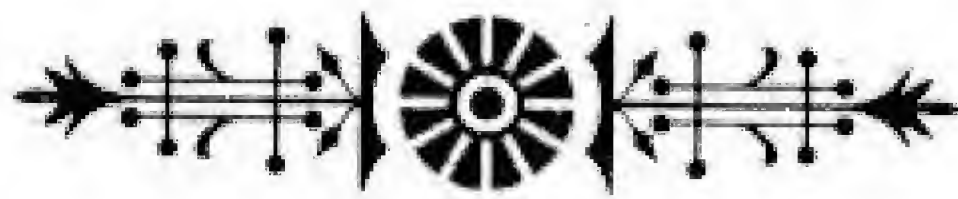
خلاصہ یہ ہے کہ اگر دعوت میں اخلاص ہوگا تو خود بخود داعی غور و فکر کر کے اپنی بات ایسے انداز میں پہنچانے کی سعی کرے گا جو مخاطب کے قلب پر اثر انداز ہو۔



انبیائے مرسلین کا طریق اخلاص اور ہمدردی کے ساتھ اصلاح کرنا ہے اور اصلاح اس طریق کے سوا ممکن ہی نہیں ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی میرے استاد اور میرے پھوپھی زاد بھائی تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریق سے کہی جائے تو ضرور موثر ہوتی ہے، جہاں بات موثر نہیں ہوتی وہاں ان تین باتوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے، اگر رعایتوں کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو انشاء اللہ موثر ہوگی۔ مخاطب اثر قبول کر کے صحیح عمل کرے گا اور اگر مخاطب عمل نہ بھی کر سکا تو کم از کم یہ فائدہ لازمی ہے کہ اس کو صحیح علم ہو جاتا ہے۔

بڑے بڑے مقررین اور جادو بیان خطیب تقریریں کرتے ہیں۔ وقتی طور پر بڑے بڑے اجتماع ان کی تقریروں کو سنتے بھی ہیں۔ لیکن اکثر تقریریں ختم ہونے کے ساتھ ہی فضاء میں تحلیل ہو جاتی ہیں اور بعض اللہ کے نیک بندے نہ تقریر کرنا جانتے ہیں نہ ان کو خطابت کے انداز آتے ہیں۔ سیدھی سادھی مختصر بات کہتے ہیں اور وہ دلوں میں اتر کر ہزاروں انسانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ اخلاص عمل کے راستہ میں نام و نمود، جذبہ شہرت، اظہار علم، مالی منفعت وغیرہ رکاوٹ بنتے ہیں۔ لیکن اگر انسان ان چیزوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کے لئے نظر انداز کر دے تو یہ فوائد مع زوائد کے اللہ تبارک و تعالیٰ خود بخود حاصل کر دیتے ہیں، جو لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے دنیا کو ٹھوکر مار دیتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا کو اُن کے قدموں میں تابع بنا کر ڈال دیتے ہیں بس اسی پر ختم کرتا ہوں۔ دُعا کیجئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت عطا فرمائے اور ہم سے اپنے دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ لے۔ آمین (ابلاغ کراچی) (بحوالہ ماہنامہ الصیانت لاہور جنوری ۲۰۰۰ء)





# جہاد میں اخلاص کی ضرورت

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی ایک تقریر جو ۱۳۸۵ھ میں سکھر کی جامع مسجد میں خطاب جمعہ کے دوران حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمائی تھی۔ اس تقریر کو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے قلمبند فرمایا تھا۔ اب حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب بھی دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں بزرگوں کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین۔ (۴ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ بروز جمعہ)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم (خطبہ ماثورہ) فقال اللہ تبارک و تعالیٰ:

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ، اِلٰی فَنَعْمَ الْمَوْلٰی وَنَعْمَ النَّصِيرُ:

آج میرے لئے چند خوشیاں جمع ہو گئی ہیں، اول یہ کہ تقریباً بارہ سال قبل اس جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا اور اب میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑی شاندار مسجد کو دیکھ رہا ہوں اور پوری مسجد الحمد للہ نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور دراصل مسجد کی آبادی نمازیوں ہی سے ہوتی ہے، مسجد بھی ہو اور نمازی بھی ہوں اصل تعمیر یہی ہے۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ کے نقش قدم اور سنت مبارکہ کی جھلک اللہ جل شانہ نے عنایت فرمائی۔ جب رسول کریم ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں تو سب سے پہلا انتظام آپ ﷺ نے مسجد ہی کا فرمایا۔ مسجد تعمیر فرمائی اور دوسرے سال رمضان المبارک کے



مہینے میں جہاد کا آغاز فرمایا جسے جنگ بدر کہا جاتا ہے۔ تو پہلے تعمیر مسجد ہوئی اس کے بعد دفاعی جہاد، یہی حسن ترتیب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مسجد کو بھی بخشی کہ پہلے یہ مسجد تعمیر ہوئی اس کے بعد مسجد بنانے والوں کو جہاد کی توفیق ہوئی۔ جو ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت کے جواب میں ہوا۔

تاریخ اسلام ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں نے فتوحات کی ہیں۔ فتح پالینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جماعت کا انتظام کرنیکے لئے مساجد تعمیر کرائیں۔ اقامتِ صلوٰۃ اسلام کی اساس اور بڑا ستون ہے۔ جس طرح کوئی تعمیر ستونوں پر قائم ہوتی ہے اسی طرح دین اسلام کا نماز بڑا عظیم الشان ستون ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب مصر فتح کیا تو ان کی مسجد آج تک وہاں موجود ہے۔ اسی طرح ملک شام فتح ہوا تو وہاں جو فتح کے بعد مسجد تعمیر ہوئی وہ آج بھی موجود ہے۔ غرض جس جگہ لشکر گیا شہر ہو، گاؤں ہو حتیٰ کہ جنگل میں اگر قیام کرنا پڑا تو وہاں بھی مسجد تعمیر کی۔ محمد بن قاسم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے سب سے پہلا بڑا حملہ سندھ میں دیہل پر کیا۔ عربی مورخین اس کو دیہل ہی لکھتے ہیں لیکن اس کی تعین میں اختلاف ہے کہ اب وہ کونسی جگہ ہے۔ کسی نے کہا منوہڑہ کا مقام ہے، کسی نے ٹھٹھہ کو کہا لیکن جدید محکمہ آثار سے معلوم ہوا کہ وہ کراچی سے دور ایک جگہ ہے وہ جگہ دیہل ہے وہاں راجہ داہر کا ایک دبا ہوا قلعہ بھی نکلا ہے اور ایک جامع مسجد کے آثار بھی نکل رہے ہیں۔ اس دیہل کا حضرت محمد بن قاسم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ محاصرے کے بعد بڑی بہادری سے تین دن کی لڑائی کے بعد وہاں امن قائم ہو گیا تو سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور چار ہزار گھر مسلمانوں کے یہاں آباد ہوئے۔ (بلاذری ص ۴۳۷)

محمد بن قاسم بارہ ہزار کا لشکر لے کر یہاں آئے جس میں چھ ہزار عراقی تھے اور چھ ہزار دیگر مجاہدین تھے۔ محاصرے کے بعد قبیلہ مراد کا ایک سپاہی جو کوفہ کا رہنے والا



تھاسب سے پہلے فِصیل پر چڑھ کر اس نے اسلامی جھنڈا نصب کر دیا۔ اور اللہ اکبر کی پر رعب آواز سے مسلمانوں کو اپنی کامیابی کا خیال دلایا پھر تو مسلمان ہر طرف سے پہنچ گئے اور شہر میں داخل ہوئے۔ یہ اللہ کا نام ایسا ہے کہ جب مسلمان اس کا نام لے کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام کو اونچا کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو کامیابی اس کے قدم چوم لیتی ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر برہمن آباد کے شہر پر حملہ کیا، برہمن آباد دوسری صدی میں آکر مٹ گیا اس کا جائے وقوع اب معلوم نہیں البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ روہڑی اور حیدر آباد کے درمیان میں کسی جگہ تھا، بہر حال یہ بھی فتح ہو گیا اور مجاہدین کی تعداد تیس ہزار ہو گئی۔ سوچنا یہ ہے کہ شروع میں بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ فوج تھی اب یہ اٹھارہ اور کہاں سے بڑھ گئے، کوئی خاص کمک نہیں ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ اسلام کی حقانیت کی دلیل تھی کہ اس قلیل عرصے میں اٹھارہ ہزار افراد مسلمان بلکہ غازی بن گئے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لَنْ يَغْلِبَ اثْنَا عَشَرَ الْقَوْمَ قَلَّةٌ

مسلمانوں کا لشکر اگر بارہ ہزار ہو تو وہ قلت کی بنا پر کبھی مغلوب نہ ہوگا۔

اصل ہتھیار صلاح و تقویٰ ولہیت کا ہے جب افواج میں صلاح و تقویٰ ہوگا تو وہ اتنے ہی کامیاب ہوں گے۔ پہلے افواج میں یہی تبلیغ ہوتی تھی اور ان کو صلاح و تقویٰ کا درس دیا جاتا تھا۔

سلطان شہاب الدین غوری کے ۱۲ ہزار لشکر میں حضرت امام رازی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی صاحب تفسیر کبیر تھے۔ فوجیوں کی روحانی غذا اور ان کی تربیت کے لئے انتخاب کیا گیا کہ حضرت امام فخر الدین رازی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو رکھا جائے چنانچہ آپ قرآن شریف کا درس دیتے تھے تو یہ بارہ ہزار کا لشکر جیسے فوجی مشق کرتا ہوگا اسی طرح وہ روحانی مشق بھی کرتا ہوگا جب ایسا لشکر اور بارہ ہزار ہو جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی



تائیدِ غیبی اس کے ساتھ ہوتی ہے، وہاں فلم یا ناچ گانا نہیں ہوتا تھا یہ تو غضبِ الہی کو دعوت دینے والی چیزیں ہیں۔

اس تقویٰ و صلاح کی بات تھی کہ جب مسلمان اس زیور سے مزین تھے تو ان پر غیر مسلم بھی پورا اعتماد کرتے تھے، جس وقت برہمن آباد فتح ہوا تو شہر والوں نے دروازے بند کر لئے تھے آخر محاصرہ سے تنگ آ کر انہوں نے محمد بن قاسم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو ایک خط لکھا کہ ہم لوگ امن چاہتے ہیں۔ ہم آپ سے نہیں لڑیں گے۔ باقی آپ جانیں راجہ داہر جانے۔ چنانچہ اس امن کو منظور کر لیا تو صرف خط پر منظوری دیدی۔ پھر ان کافروں کو اتنا اعتبار تھا کہ انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیے اور خود اسی طرح باقاعدہ کاروبار میں مشغول تھے، فوج شہر کے اندر داخل ہو رہی ہے اور دکاندار اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ہے، مزدور اپنی مزدوری کر رہا ہے، نہ خوف ہے نہ حراس ہے کیونکہ مسلمان کی زبان کا اعتبار تھا۔ ایسی نظیر کوئی دوسری قوم میں دکھا سکتا ہے۔ محمد بن قاسم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے بھی اسی جگہ آ کر پہلے مسجد تعمیر کی۔

مؤمن کو اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی پر اعتماد اور بھروسہ ہونا چاہیے۔ مؤمن کے پاس یہ بڑی عظیم الشان طاقت ہے اتفاق و اتحاد اور خدا پر بھروسہ۔ اگر روحانی طاقت پیدا ہو جائے تو سلامتی کو نسل بھی ایک طرف رہے مرد مؤمن کو کوئی نہیں روک سکتا۔

میں نے یہ آیت تلاوت کی تھی۔ وَجَاهِدْ وَاِنِ اللّٰهُ حَقَّ جِهَادُہ اللّٰہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی راہ میں پورا پورا جہاد کرو۔ فی اللہ کی قید بتلا رہی ہے کہ مسلمان کی جنگ اللہ کے واسطے ہوتی ہے دنیاوی اغراض سے مؤمن کی جنگ بالا ہوتی ہے۔ مؤمن ملک گیری، دولت و حشمت یا وطن کے لئے نہیں لڑتا ہے اس کی تو صرف اللہ کے واسطے لڑائی ہوتی ہے۔ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کا کلمہ بلند ہو، اللہ تعالیٰ کے قوانین جاری ہوں، اسلام فروغ پائے، جہاں اسلام کا جھنڈا سر بلند ہو وہی ہمارا وطن ہے دنیا دار وطن کے لئے لڑتے ہیں۔ ہم مادر وطن کے پجاری نہیں۔ جہاد وہی ہے جو اللہ کے لئے ہو، اس کی



رضا مقصود ہو۔ ورنہ اس لڑائی کا نام فساد اور خونریزی ہے جب اعلاء کلمۃ اللہ ہماری نظر سے اوجھل ہو جائے تو وہ جہاد کی برکتیں بھی نہیں ہوتیں۔

حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسکندریہ جو ایک نہایت خوبصورت اور تجارتی شہر تھا اس کے فتح کرنے کے لئے حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا۔ برابر ایک ڈیڑھ ماہ تک محاصرہ رہا۔ لیکن فتح کی کوئی صورت نہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ناراض ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ اب تک فتح کی خبر نہیں آئی۔ اللہ کے لئے جہاد ہو۔ اور دیر ہو جائے یہ کیسے ہوا؟ کوئی نہ کوئی اس کا سبب ضرور پیدا ہوا ہے۔ دنیاوی جنگوں کو برسوں لگ جاتے ہیں لیکن اس لئے کوئی نہ کوئی خامی ایسی ہے کہ دیر ہوگئی ہے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر اتنا یقین ہوتا تھا کہ مؤمن کامل اور فرمانبردار و مطیع ہو تو اتنی دیر نصرت الہی میں نہیں ہو سکتی۔ اس کا وعدہ سچا ہے۔ اس لئے حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک خط لکھا کہ فتح کے دیر ہونے سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم لوگوں کو شاید وہاں کی دولت و حشمت اور وہاں کے محلات تمہاری نظروں میں آگئے ہیں اور لالچ تمہارے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے اس نے تمہارے دل میں وہن اور سستی پیدا کر دی ہے۔ اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح میں دیر ہوگئی ہے لہذا اب جو جمعہ آ رہا ہے اس میں تم سب ملکر اپنی نیتوں اور خیالات کی تجدید کرو۔ اور محض رضائے الہی کے لئے جہاد کی نیت خالص کرو اور چند بڑے درجے کے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو لشکر کے آگے کرو اور ایک بارگی حملہ کرو۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے وہ خط سب کو سنایا اور پھر سب نے نیتوں کی تجدید کی۔ توبہ کی اور اللہ کا نام لے کر آگے بڑھے تو اسی دن غروب آفتاب نہ ہونے پایا تھا کہ اللہ نے اسکندریہ کو فتح کرادیا۔

اصل طاقت مومن میں صلاح و تقویٰ کی ہے اگر اس ہتھیار سے مومن پیراستہ



ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے اس لئے قرآن کریم میں فرمایا فی اللہ۔ اپنے آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے تیار رکھو۔

اس کے بعد فرمایا حق جہادہ پوری طرح جہاد کرو۔ جتنی تم میں کسی قسم کی طاقت ہے خرچ کر ڈالو۔ اللہ کے راستے میں ہمت نہ ہارو، جہاد کا حق ادا کرو۔

اس کے بعد بعض افکار ہمارے اندر ایسے پھیلانے گئے ہیں جو دراصل بھارت کی طرف سے آئے ہیں اور بھارت ریڈیو سے وہ نشر بھی کئے گئے ہیں۔ خود بھارت کا یہ رویہ رہا کہ پاکستان ریڈیو سننے تک کی ممانعت ہی نہیں بلکہ سننے والے پر چھ ماہ قید کی سزا بھی لگادی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ پاکستان میں ہندوؤں کی بات کون سنے گا۔ اس لئے اس نے چند علماء کے نام لے کر بیانات شائع کئے۔ سواول تو ان علماء کو جن کے نام لئے گئے یہاں کون جانتا ہے۔ انہوں کا یہ کہنا کہ پاکستان کے علماء کا نعرہ جہاد صحیح نہیں۔ جبکہ چھ کروڑ مسلمان بھارت میں آباد ہیں، یہاں لال قلعہ ہے شاہجہاں کی جامع مسجد ہے، کافروں پر جہاد ہوا کرتا ہے۔ صرف دو کروڑ کافر ہیں بھارت میں چھ کروڑ مسلمان ہیں اور پاکستان میں آٹھ کروڑ ہیں۔ پھر نائب صدر یہاں مسلمان ہے اس قسم کے بیانات سب فریب ہیں۔

خوب یاد رکھئے دارالاسلام پر حملہ کرنا حرام ہے۔ خواہ وہاں کافر بھی بستے ہوں اور دارالکفر پر حملہ کرنا واجب ہے خواہ وہاں مسلمان ہی کیوں نہ بستے ہوں۔

دارالاسلام کی تعریف یہ ہے کہ جہاں مسلمان برسر اقتدار ہوں اور اسلام پر عمل کرنے میں آزاد ہوں۔ کوئی رکاوٹ ان کو نہ ہو۔ وہاں خلافت راشدہ کے احکام جاری کر سکیں۔ لیکن اگر بدبختی کی وجہ سے دیر ہو جائے۔ لیکن تمام مسلمان ملکر اگر چاہیں تو جاری کر سکیں تو وہ دارالاسلام ہی رہے گا یہ مسلمانوں کی بدبختی کہی جاسکتی ہے کہ مسلمان اپنے اسلام کے قوانین کو ٹالتے رہیں جس طرح مسجد وہ تو ہمیشہ مسجد ہی رہے گی اگر وہاں کوئی نماز نہ پڑھے تو مسلمانوں کے اس میں نماز نہ پڑھنے سے



مسجد کے حکم سے وہ نہیں نکل سکتی، یوں کہیں گے کہ مسلمانوں کی بدبختی ہے کہ مسجد میں عبادت نہیں کرتے۔

بھارت میں مسلمان اگرچہ ۶ کروڑ ہیں مگر مغلوب ہیں اپنے مال و آبرو و جان کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے، آئے دن ہندو حملہ کر دیتے ہیں۔ بھارت کو دارالاسلام کیسے کہا جاسکتا ہے؟ بھارت جھوٹ بولتا ہے۔ جواہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر ان کی یہ منطق مان بھی لی جائے کہ جہاں ۶ کروڑ مسلمان آباد ہوں وہ بھی دارالکفر نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے جب محمد بن قاسم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے سندھ کو فتح کیا اور اسلام کے قوانین جاری کئے تو اس حصے کو دارالاسلام کہیں گے۔ حالانکہ ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی لیکن اقتدار مسلمانوں کے پاس تھا جہاں تک اقتدار مسلمانوں کا تھا وہ دارالاسلام تھا باقی تمام ہندوستان دارالکفر ہی رہا۔ تو دار کا تعلق مسلمان یا ہندوؤں کے بسنے پر نہیں ہے بلکہ اقتدار پر ہے۔

مکہ معظمہ میں بھی ابتدا میں مسلمان بھی آباد تھے۔ لیکن اس وقت وہ دارالاسلام نہیں تھا ورنہ ہجرت کیوں کرتے اور پھر جہاد کیسے کیا جاسکتا تھا۔ اسی طرح حبشہ میں اگر کچھ مسلمان جا کر بس گئے تھے تو کیا وہ دارالاسلام ہو گیا تھا؟ حالانکہ مکہ معظمہ میں تو بیت اللہ بھی تھا لیکن پھر بھی فتح مکہ اور جہاد کیا گیا۔

خداوند تعالیٰ ان بھارت کے مسلمانوں کی جان مال آبرو کی حفاظت فرمائے میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں لیکن وہ ہے دارالکفر ہی۔ مسلمانوں کے بسے رہنے سے دارالاسلام نہیں ہو سکتا ہے۔

جہاد اس لئے ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کریں، عدل قائم کریں، ظلم کو مٹائیں اور جور کا وٹیں اس درمیان میں حائل ہوں ان کو دور کریں۔ اور جب کسی جگہ بھی ہمارے مسلمان بھائیوں پر ظلم ہوتا ہو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی امداد کریں۔ جب کافروں کا کوئی سا لشکر ہمارے ملک پر حملہ کر دے تو سب پر جہاد فرض عین



ہو جاتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ نعمت جہاد عطا فرمائی ہے۔ مسئلہ کشمیر انہوں نے چھیڑا تھا۔ لہذا ان کی امداد کرنا ہمارا فرض ہے۔ ”یقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها“ کا مضمون سامنے ہے لہذا ان ظالموں سے بچانا فرض ہے۔ لہذا مسلمانوں کی امداد کرنا اور دارالاسلام کی حفاظت کیلئے اور کشمیری مظلوموں کو ظلم سے چھڑانا یہ تین باتیں ہیں جن کی بنا پر ہم پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

پاکستان کیساتھ اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہے اول تو اس کا بننا ہی عجیب بات ہے پھر اس کا باقی رہنا بھی معجزہ ہی ہے پھر یہ جہاد یہی ایک معجزہ ہے۔ پہلے اس پاکستان بنانے کے لئے گلی گلی کو پے پیچتے پھرتے تھے کہ پاکستان لیں گے، وہاں قرآن و اسلام کا قانون ہوگا لا الہ الا اللہ پڑھ کر اللہ کا نام لے کر اعلان کرتے تھے جب اللہ کا نام اور لا الہ الا اللہ پڑھ کر بڑھے اللہ پاک نے پاکستان بنا دیا۔ جب بن گیا تو اس کے باقی رہنے کا احتمال نہ تھا۔ دفتروں میں کاغذ پینسل تک نہ تھیں۔ فوجیں سب ملک سے باہر تھیں۔ نہ خزانہ تھا نہ تنخواہ دینے کی طاقت تھی اور حوادث ایسے پیش آئے کہ آنے والا یہی کہتا تھا کہ صرف ایمان اور جان بچ جائے اور پاکستان آتے تھے تو اس طرح کہ کافر سب کچھ چھین لیتے تھے، مال لانے نہ دیتے تھے سکھوں نے قتل عام کر رکھا تھا۔ مشرقی پاکستان پر حملہ ہو جاتا وہ بھی اس وقت اس کی ٹکر کا نہ تھا لیکن یہ اللہ پاک کی کریمی ہے کہ اس نے اسی پاکستان کو ایک مضبوط قلعہ بنا دیا۔

سو پاکستان اللہ کا نام لے کر بنا ہے۔ لا الہ الا اللہ کہہ کر اور دارالاسلام کہہ کر بنا ہے اور یہی کہہ کر اس کو لیا گیا ہے۔

لیکن ہم نے اس نعمت کا شکر نہ ادا کیا۔ یہاں آ کر اس اللہ اور لا الہ الا اللہ کو بھول گئے ایسی ظلمتوں میں پھنس گئے۔ ان پر ان ہی کرتوتوں سے عذاب ہی آیا۔

۱۔ اگر ہم اندازہ کریں جو معصی قوم عدو شہود اور معذب قوموں کے تھے ان سے کم نہیں رہیں گے



کسی پر پتھر برسائے گئے، کسی بستی پر آگ برسی اور کسی قوم پر آندھی کا عذاب بھیجا گیا۔ اپنے کرتوتوں پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم مستحق عذاب ہو چکے تھے۔ لیکن عذاب کے رکنے کی وجہ سرور کائنات ﷺ کا وجود اطہر ہے۔ جس کی وجہ سے عذاب نہیں آیا۔ خدائے پاک نے فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ آتِ أَهْلَ الْبَيْتِ مَا رَزَقْتَهُمْ ۚ وَتَوَضَّعْ لَهُمْ أَكْبَادُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَتْ تَوَاضُّعُكُمْ لَهُ مُلْكًا ۚ (مدینہ منورہ)

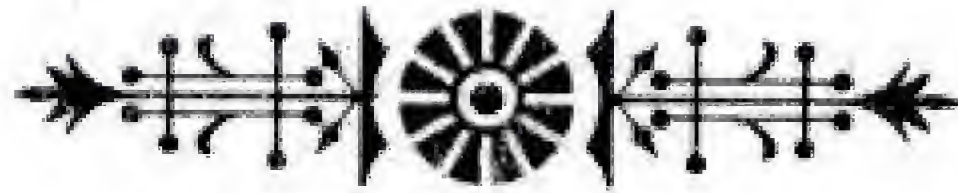
دنیا ہی میں تشریف فرما ہیں آپ ہی کے طفیل سے ہم بچے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا کرم ہے ہم نے ناشکری کی اور بندہ جب ناشکری کرتا ہے۔ اللہ پاک اس کو عذاب دیتے ہیں لیکن اس کا کتنا کرم ہے کہ ہم کو کس طرح محفوظ رکھا۔ دشمن کے جو منصوبے تھے وہ دراصل شکل عذاب کی تھی اللہ پاک نے اس کو ٹال دیا۔ یہ اس کی عنایت و مہربانی، ہے مزید اللہ کا یہ انعام ہوا کہ ہم میں بیداری پیدا کر دی۔ آنکھیں کھل گئیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل و کرم ہے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ سارے پاکستان کے مسلمانوں کے دل میں الفت ڈال دی۔ سب کا رخ ایک ہی طرف پھیر دیا۔ جو پاکستان کے خلاف بھی حزب مخالف تھے وہ بھی باہم مل گئے۔ دلوں کا پھیرنا کسی قانون کا کام نہیں ہے صرف ایک اللہ پاک کا کام ہے۔ گلی کو چوں میں دعائیں ہو رہی ہیں۔ بچوں تک میں جوشِ جہاد ہے۔ عورتیں دعا کر رہی ہیں۔ یہ کسی تلوار کا کسی سیاست کا کام نہیں ہے۔ ایک سیاسی دلدلوں میں پھنسی ہوئی قوم ساری ایک دھاگے میں بندھ جائے یہ صرف اللہ کی تائید غیبی ہے۔ اور جہاد کی بدولت ہے۔ اعمال درست کر لئے، معاصی راگ باجے بند کر دیئے۔ نمازی بڑھ گئے، مساجد نمازیوں سے پر ہو گئیں، خوف و ہراس بالکل نہ رہا۔ مہنگائی نہ ہوئی، ہر شخص اپنی زندگی کو درست کرنے کی فکر میں ہے یہ اللہ کا بڑا انعام ہے اس کو اب جانے نہ دینا چاہیے، ہر شخص کو نماز پڑھنی چاہیے، بد اعمالیاں چھوڑ دینی چاہئیں اور کبھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہئے۔ مغربیت کی لعنت کو اتار پھینکنا چاہئے۔ اگر مسلمان



بن کر زندہ رہنا ہے تو اسلام کی پوری تابعداری کریں، ممکن ہے اور کوئی اس قسم کا جھٹکا باقی ہو تو اللہ پاک ہم پر کرم فرمائے۔ ہمیں صرف اللہ پاک پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ تقویٰ اختیار کرنے کا وقت ہے۔ حکومت کو بھی رعایا کو بھی سب کو اس کوشش میں لگ جانا چاہیے کہ دین پر قائم ہو جائیں اور ہم نے کیا کیا سب اللہ پاک کا ہی کام ہے۔ دشمن چڑھ آیا، جہاد ہم پر مسلط ہوا، توجہ الی اللہ ہو گئی پھر اتحاد والفت پیدا کی۔ پھر فرشتوں کی امداد فرمائی۔ اب ان ہی چیزوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھو۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ صرف رجسری مسلمان ہونے پر نہیں، حقیقی مسلمان ہونا چاہیے۔

ہمارے سامنے سلطنتِ مغلیہ کی تاریخ دور نہیں ہے جب وہ عیش و عشرت میں آگئے تو کس طرح برباد ہو گئے حالانکہ وہ مسلمان تھے لیکن وہ تاریخ بہت دور نہیں کہ شہزادوں کا سر باپ کے سامنے دسترخواں پر کھانے کے لئے پیش کیا گیا، جب اعمال غلط ہو گئے تو تائید نہیں آتی۔ لہذا خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ اپنی اصلاح کی فکر کریں، بے حیائی، عریانی، بے پردگی، فحش لڑیچہ، مغربی فیشن سے دور رہنا چاہیے، ان کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں اور اللہ پاک سے بہت ڈرتے رہنا چاہیے۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی دسمبر ۱۹۸۹ء)





## اقتباس از خطاب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی بموقع افتتاح بخاری شریف (شوال ۱۳۹۵ھ)

اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت کے جھٹکے سے بچا کر آپ کے پاس پہنچا دیا ہے میں نے اپنی آخری عمر کے پچیس سال دارالعلوم کیلئے خرچ کئے ہیں آج پچیسویں بار افتتاح بخاری کر رہا ہوں۔  
ایک فائدہ تو یہ ہے کہ:

غالباً ابوزہرہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عراقی کا واقعہ ہے کہ جب موت کا وقت آیا تو اپنے طلبہ کو جمع کیا کہ آؤ بھائی حدیث کا سبق پڑھ لو طلبہ جمع ہوئے تو یہ حدیث پڑھائی من کان آخر کلامہ الا لا اللہ۔ جب لا الہ الا اللہ کہا تو روح قبض ہو گئی حدیث کا آخری حصہ دخل الجنة نہ کہہ سکے یہ جملہ ملائکہ ہی نے کہا ہوگا۔ تو مجھے بھی یہ توقع تھی کہ اگر یہی وقت میری زندگی کا آخری وقت ہے تو موت حدیث ہی کے درس کے دوران آئے۔

دوسرا فائدہ آپ سب حضرات کا یہ ہے اب تو حدیث کا ذوق ہی ختم ہو رہا ہے۔ ایک بزرگ کا مقولہ تھا کہ میری تمنا یہ ہے کہ بیت خال و سند عال، میں علم اور عمل اور ہر اعتبار ہی سے چھوٹا ہوں مگر ایک فرق یہ ہے کہ میں نے اسی (۸۰) سال طلبہ اساتذہ اور بزرگوں میں گزارے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے حدیث کی سند بھی بہت عالی عطا فرمائی ہے۔

آپ حدیث پڑھیں گے تو شروع میں یہ لفظ بھی آپ کو پڑھایا جائے گا کہ بہ قال حدثنا، بہ کی ضمیر اس سند کی طرف راجع ہے جو استاذ سے مصنف تک ہوتی ہے۔



میں نے صحیح بخاری کو حضرت حجتہ الاسلام سید محمد انور شاہ کشمیری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے پڑھا ہے جو اپنے زمانہ کے ابن حجر تھے انہوں نے حضرت شیخ الہند رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے اور انہوں نے حضرت نانوتوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور حضرت گنگوہی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے پڑھا انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی سے پڑھا ہے۔ اس طرح میرے اور حضرت شاہ عبدالغنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی تک صرف تین واسطے ہیں۔

علاوہ انہوں کی اجازتوں کے اعتبار سے بھی میری سند بہت عالی ہے مجھے صحاح ستہ کی اجازت حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے حاصل ہے ان کو حضرت شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے اور ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے۔ (ابلاغ کراچی، مارچ ۱۹۹۸ء)





حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## فَاعْتَبِرُوا يَا اُولٰٓئِی الْاَبْصَارِ

دل کے کانوں سے سُن فغاں میری درسِ عبرت ہے داستاں میری

## درسِ عبرت

یعنی

اُنڈلس کے ایک مشہور عالم اور بزرگ کا نہایت عبرت انگیز واقعہ  
جس کا

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے عربی سے  
دلچسپ اردو میں ترجمہ کیا ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی  
لیل و نہار کا انقلاب، دنیا کا عروج و زوال، قوموں کی ترقی و تنزل، سلف و خلف کے  
واقعات ایک چشمِ بصیرت کے لئے ہزاروں عبرتیں دامن میں رکھتے ہیں، اور باواز  
بلند کہہ رہے ہیں کہ

جگہ جی لگانے کی یہ دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

الغرض تمام تاریخِ عالم انہیں عبرتوں کا آئینہ ہے، جس کا ایک ورق ناظرینِ کرام



کے سامنے کھولا جاتا ہے، کیا خوب فرمایا ہے میرے آقا حضرت شیخ الہند نے انقلابات جہاں واعظ رب ہیں دیکھو ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم ذیل کا عبرت آموز واقعہ علامہ دمیری کی حیوۃ الحیوان مطبوعہ مصر سے نقل کیا جاتا ہے۔

غافل مرد کہ مرکب مردان مرد را در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند  
 نومید ہم مباحث کہ زندان بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند  
 سن ہجری کی دوسری صدی ختم پر ہے، آفتاب نبوت غروب ہوئے ابھی  
 بہت زیادہ مدت نہیں گزری، لوگوں میں امانت و دیانت اور تہذیب و تقویٰ کا عنصر  
 غالب ہے، اسلام کے ہونہار فرزند جن کے ہاتھ پر اس کو فروغ ہونیوالا ہے کچھ  
 برسر کار ہیں اور کچھ ابھی تربیت پا رہے ہیں۔ ائمہ دین کا زمانہ ہے، ہر ایک شہر علمائے  
 دین و صلحاء متقین سے آباد نظر آتا ہے۔

خصوصاً مدینۃ الاسلام (بغداد) جو اس وقت مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے، اپنی  
 ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہو کر گلزار بنا ہوا ہے، ایک طرف اگر اس کی  
 دلفریب عمارتیں اور ان میں گزرنیوالی نہریں دل لُبھانیوالی ہیں، تو دوسری طرف علماء  
 اور صلحاء کی مجلسیں، درس و تدریس کے حلقے ذکر و تلاوت کی دلکش آوازیں خدا تعالیٰ  
 کے نیک بندوں کی دُجمنی کا ایک کافی سامان ہے، فقہاء و محدثین اور عباد و زہاد کا ایک  
 عجیب و غریب مجمع ہے، اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ ابو عبد اللہ اندلسی کے نام  
 سے مشہور ہیں، جو اکثر اہل عراق کے پیرومرشد اور استاذ و محدث ہیں، آپ کے  
 مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے جن کا ایک عبرت ناک واقعہ ہمیں اس  
 وقت ہدیہ ناظرین کرنا ہے،

یہ بزرگ علاوہ زاہد و عابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث و تفسیر میں بھی  
 ایک جلیل القدر امام ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں، اور



قرآن شریف تمام روایات قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا، تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بھی بہت آدمی آپ کے ساتھ ہوئے، جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی بھی ہیں، حضرت شبلی قدس سرہ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت امن و امان اور آرام و اطمینان کے ساتھ منزل بمنزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا، کہ ہمارا گذر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا، نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکتے تھے، بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی، ہم نے بستی کا چکر لگایا، اس دوران میں ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے جن میں آفتاب پرستوں، یہودیوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے رہبانوں اور پادریوں کا مجمع تھا، جن میں سے ہر شخص نے ہر کس بخیاں خویش جھپٹے دارد، کا نمونہ بنا ہوا تھا، کوئی آفتاب کو پوجتا اور کوئی آگ کو ذندوت کرتا تھا، اور کوئی صلیب کو اپنا قبلہ حاجات بنائے ہوئے تھا، ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور اُن لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے، آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارے پر ہم ایک کنویں پر پہنچے، جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں، اتفاق سے شیخ مرشد ابو عبد اللہ اندلسی کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی، جو اپنی خداداد حسن و جمال میں سب ہجولیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی، شیخ کی اس سے چار آنکھیں ہوتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی، چہرہ بدلنے لگا، اسی انتشار طبع کی حالت میں شیخ اسکی ہجولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، یہ کس کی لڑکی ہے؟

**لڑکیاں:** یہ اس بستی کے سردار کی لڑکی ہے۔

**شیخ:** پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنویں سے خود ہی

۱۔ سردار کا لڑکی کو باہر نکالنا اور کنویں پر بھیجنا اگرچہ بے شبہ مذموم و ناروا تھا مگر ساتھ ہی اس کا لڑکی کے اخلاق اور خاوند کی اطاعت کا خیال ضرور قابلِ داد ہے، ہمیں چاہیے کہ اس سے عبرت حاصل کریں اور میکہ کی بود و باش میں لڑکیوں کے اخلاق خراب نہ ہونے دیں انکو سسرال کے آداب اور خاوند کی اطاعت کا سبق دیں ۱۲۰



پانی بھرتی ہے، کیا وہ اس کے لئے کوئی ماما نو کر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے؟ کیوں نہیں، مگر اس کا باپ ایک نہایت عقیل اور فہیم آدمی ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاع حشم و خدم پر غرہ ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے، اور نکاح کے بعد شوہر کے یہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔

حضرت شبلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس پر گزر گئے، کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں، البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں، مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے، لیکن سخت ضیق میں ہیں کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔

حضرت شبلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا کہ اے شیخ! آپ کے مریدین آپ کے اس مستمر سکوت سے متعجب اور پریشان ہیں، کچھ تو فرمائیے کیا حال ہے؟

شیخ: (قوم کی طرف متوجہ ہو کر) میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں، پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اسکی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے، اب کسی طرح ممکن نہیں کہ میں اس سرزمین کو چھوڑ دوں۔

برخیزم ز سر کوئی تو تا جاں دارم در رسد کار بجاں از سر جاں برخیزم  
حضرت شبلی: اے ہمارے سردار! آپ اہل عراق کے پیرو مرشد، علم و فضل اور زہد و عبادت میں شہرہ آفاق ہیں، آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے، بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسوا نہ کیجئے۔



شیخ: میرے عزیزو! میرا اور تمہارا نصیب، تقدیر خداوندی ہو چکی ہے، مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا اور ہدایات کی علامات اٹھالی گئیں، یہ کہہ کر رونا شروع کیا، اور کہا ”اے میری قوم! قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں ہے۔“

حضرت شبلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا، شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے، یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے اُمُنڈا آنیوالے سیلاب سے تر ہو گئی، اسکے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے، لوگ ہمارے آنیکی خبر سُن کر شیخ کی زیارت کے لئے شہر سے باہر آئے اور شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا، ہم نے سارا واقعہ بیان کیا واقعہ سُن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا، شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت تو اسی غم و حسرت میں اسی وقت عالم آخرت کو سدھار گئی، اور باقی لوگ گڑا گڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کر رہے ہیں کہ مقلب القلوب! شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں، اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹے رہے، ایک سال کے بعد جب ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں، کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا۔

**گاؤں والے:** وہ جنگل میں خنزیر (سُور) چرا رہا ہے۔

**ہم:** خدا کی پناہ یہ کیا ہوا؟

**گاؤں والے:** اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی، اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سُور چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔

ہم یہ سُکر ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے، آنکھوں سے



بیساختہ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈ نے لگا، بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے، جہاں وہ سُر چرار ہے تھے، دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور کمر میں زنار باندھی ہوئی ہے، اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جن سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے، جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا، شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا، ہم نے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا۔

شیخ: (کسی قدر دبی زبان سے) علیکم السلام۔

شبلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی: اے شیخ! اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے؟

شیخ: میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں، میرے مولانا جس طرح چاہا مجھ میں تصرف کیا اور اس قدر تقرب کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا تھا، اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر سے ڈرو، اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو، اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا اے میرے مولانا! میرا گمان تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور آواز دی کہ اے شبلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر (حدیث میں ہے السعید من وعظ بغیرہ) یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔

شبلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی: (رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجہ میں) اے ہمارے پروردگار ہم تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے، ہم سے یہ مصیبت دفع کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفع کر نیوالا نہیں۔



خنزیران کا رونا اور انکی دردناک آواز سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغِ بکل کی طرح لوٹنا اور چلانا شروع کیا، اور اس زور سے چیخے کہ انکی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اُٹھے، یہ میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا، ادھر شیخِ حسرت کے عالم میں زار، زار رو رہے تھے۔

**حضرت شبلی** رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی: شیخ! آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے، اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے؟  
**شیخ:** اے عزیز! مجھے تمام قرآن میں دو آیتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔  
**حضرت شبلی** رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی: وہ دو آیتیں کونسی ہیں؟

**شیخ:** ایک تو یہ ہے وَمَنْ يَهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ مَّكْرَمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اسکو کوئی عزت دینے والا نہیں بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے وَمَنْ يَبْدِلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (جس نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا)۔

**شبلی** رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی: اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے بر زبان یاد تھیں اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟

**شیخ:** صرف ایک حدیث یاد ہے، یعنی مَنْ بَدَلَ دِيْنَهٗ فَاَقْتُلُوْهُ (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اسکو قتل کر ڈالو)۔

**شبلی** رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی: ہم یہ حال دیکھ کر بصد حسرت و یاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں، اور با آواز بلند شہادتین اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمدًا رسول اللہ پڑھتے جاتے تھے، اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری



مُصِیبت اور حسرت و یاس کا اندازہ ہو۔

شیخ: (قریب پہنچ کر) ”مجھے ایک کپڑا دو اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی، ہم منتظر ہیں کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں، تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

ہم: اس خدائے قدیر و حلیم کا ہزار ہزار شکر جس نے آپ کو ہم سے ملایا، اور ہماری عبرت کا شیرازہ بکھر جانیکے بعد پھر درست فرمادیا، مگر ذرا بیان تو فرمائیے کہ اس انکار شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟

شیخ: میرے دوستو! جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے میں نے گڑا گڑا کر اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعاء کی کہ خداوند مجھے اس جنجال سے نجات دے میں تیرا خطا کار بندہ ہوں، اس سمیع الدعاء نے بائیں ہمہ میری آواز سن لی اور میرے سارے گناہ محو کر دیئے۔

ہم: شیخ! کیا آپ کے اس ابتلاء (آزمائش) کا کوئی سبب تھا؟

شیخ: ہاں جب ہم گاؤں میں اترے اور بتخانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گذر ہوا تو آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مؤمن موحّد ہیں، اور یہ کمبخت کیسے احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیز و نکی پرستش کرتے ہیں مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں بلکہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے، اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں۔ اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا کوئی جانور میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا ہے جو درحقیقت ایمان تھا۔

حضرت شبلی رَحْمَہُ اللہُ تَعَالٰی: اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا، سب مریدین شیخ کی زیارت اور انکے دوبارہ قبول اسلام سے خوشیاں منارہے ہیں خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے بادشاہ وقت شیخ



کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ ہدایا پیش کئے۔

شیخ پھر اپنی قدیم شغل میں مشغول ہو گئے، اور پھر وہی حدیث و تفسیر و عظ و تذکیر تعلیم و تربیت کا دور شروع ہو گیا، خداوند عالم نے شیخ کا بھولا ہوا علم پھر انکو عطا فرمادیا، بلکہ اب نسبتاً پہلے سے ہر علم و فن میں ترقی ہے تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار، اور اسی حالت میں ایک مدّت گزر گئی، ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا، میں دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔

میں: آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کیا مقصود ہے؟

آنیوالا: اپنے شیخ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جسکو آپ فلاں گاؤں میں (اس گاؤں کا نام لیکر جسمیں شیخ بتلا ہوئے تھے) آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے، سچ ہے کہ جب کوئی خدا تعالیٰ کا ہو رہتا ہے تو اسارا جہاں اس کا ہو جاتا ہے۔

چوں از و گشتی ہمہ چیز از گذشت چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گذشت میں شیخ کے پاس گیا واقعہ بیان کیا، شیخ سنتے ہی زرد ہو گئے اور خوف سے کانپنے لگے، اس کے بعد اسکو اندر آنیکی اجازت دی۔

لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار زار رو رہی ہے، شدّت گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتی کہ کچھ کلام کرے۔

شیخ: (لڑکی سے خطاب کر کے) تمہارا یہاں آنا کیسے ہوا؟ اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا؟

لڑکی: اے میرے سردار جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی، تو میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہنچی، اسکو کچھ میرا ہی دل جانتا ہے، نہ بھوک رہی نہ پیاس، نیند تو کہاں آتی، میں رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے



قریب ذرا لیٹ گئی، اور اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی، اس غنودگی میں میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تو مؤمنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کا اتباع کر، اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔

میں: (اسی خواب کے عالم میں اس شخص کو خطاب کر کے) شیخ کا دین کیا ہے؟

شخص: اس کا دین اسلام ہے۔

میں: اسلام کیا چیز ہے؟

شخص: اس بات کا دل اور زبان سے گواہی دینا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اس کے برحق رسول و پیغمبر ہیں۔

میں: تو اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں؟

شخص: ذرا آنکھیں بند کر لو، اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدو۔

میں: بہت اچھا، یہ کہا اور کھڑی ہو گئی، اور ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیا۔

شخص: (میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر) لو بس آنکھیں کھول دو،

میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو دجلہ (ایک نہر ہے جو بغداد کے نیچے بہتی

ہے) کے کنارے پایا، اب میں متحیر ہوں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہوں کہ

میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

اس شخص نے آپ کے حجرے کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے،

وہاں چلی جاؤ، اور شیخ سے کہہ دو کہ آپ کا بھائی خضر (عَلَيْهِ السَّلَام) آپ کو سلام کہتا

ہے، میں اس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی، اور اب آپ کی خدمت کے

لئے حاضر ہوں، مجھے مسلمان کر لیجئے۔

شیخ نے اس کو مسلمان کر کے اپنی پڑوس کے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا کہ یہاں

عبادت کرتی رہو۔



لڑکی عبادت میں مشغول ہوگئی، اور زہد و عبادت میں اپنے اکثر اقران سے سبقت لے گئی، دن بھر روزہ رکھتی ہے، اور رات بھر اپنے مالک بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھی، محنت سے بدن ڈھل گیا ہے اور چمڑے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، آخر اسی میں مریض ہوگئی، اور مرض اتنا امتد ہوا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا، اور اب مسافر آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت باقی نہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لے، کیوں کہ جس وقت سے یہ اس حجرے میں مقیم ہے، نہ شیخ نے اسکو دیکھا ہے اور نہ یہی شیخ کی زیارت کر سکی جس سے آپ چند گھڑی کے مہمان کی حسرت و یاس کا اندازہ کر سکتے ہیں جو اس وقت ع

تازیر لب آرند وچشیدن نگذارند

کا مصداق بنا ہوا ہے، آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ میرے پاس ہو جائیں۔

یار اگر سر پر سیدن بیمار غمست

گویا خوش کہ ہنوزش نفسے می آید

شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے، جاں بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اسے ایک نظر بھر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں، آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے مگر ضعف سے بولنے کی اجازت نہیں لیکن اس کی زبان بے زبانی یہ کہہ رہی ہے۔

دم آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر سدا پھر دیدہ تر کرتے رہنا اشک افشانی

آخر لڑکھرائی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا؟ کیا کہا؟

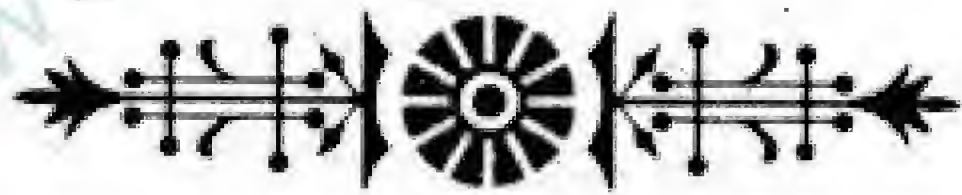
شیخ: (شفقت آمیز آواز سے) تم گھبراؤ نہیں، انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہماری



ملاقاتِ جنت میں ہونیوالی ہے۔

لڑکی شیخ کے ناصحانہ کلمات سے متاثر ہو کر خاموش ہو گئی اور اب یہ خاموشی ممتد ہوئی کہ یہ مہر سکوت صبح قیامت سے پہلے نہ ٹوٹے گی، اس پر کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ مسافر آخرت نے اس دار فانی کو خیر باد کہا۔

شیخ اسکی وفات پر آبدیدہ ہیں مگر انکی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی، حضرت شبلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا بیان ہے کہ چند ہی روز کے بعد شیخ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے، کچھ دنوں کے بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پُر فضا باغ میں مقیم ہیں، اور سترۂ حوروں سے آپ کا نکاح ہوا جن میں پہلی وہ عورت جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے یہی لڑکی ہے اور اب وہ دونوں ابدالآباد کے لئے جنت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش و خرم ہیں، ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنَ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمُ (ماہنامہ البلاغ کراچی اگست ۱۹۸۹ء)





از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ

## اعمالِ باطنہ

پچھلی مجلسوں میں یہ بات بار بار واضح ہو چکی ہے کہ احکام اسلام دو طرح کے ہیں، ایک وہ جن کا تعلق انسان کے بدن اور اعضاء و جوارح سے ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، صدقہ، نکاح، طلاق، میراث، معاملات، تجارت و اجارہ، معاشرت وغیرہ۔

دوسری قسم وہ ہے جن کا تعلق انسان کے قلب و روح سے ہے جن میں ایمان، اخلاص، توحید، صدقہ، اللہ و رسول کی محبت، عظمت، صبر، شکر، قناعت، زہد وغیرہ ہیں۔ پہلی قسم کی صحت و سقم اور صحیح و فاسد کا بیان کتب فقہ میں ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی صحت و سقم اور صحیح و فاسد کا بیان کتب اخلاق و تصوف میں، جس طرح پہلی قسم احکام دین اسلام کا عظیم شعار ہیں۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اہمیت احکام اسلام میں قسم دوم کو حاصل ہے۔ مگر سوء اتفاق کہئے یا کید شیطانی، مسلمانوں کے دیندار طبقوں میں بھی اسلام صرف پہلی قسم کے احکام کو سمجھ لیا گیا ہے۔ دوسری قسم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے کہ گویا اسلام میں ان کی کوئی ضرورت و اہمیت ہی نہیں۔ عوام تو عوام علماء اور طلباء علم دین میں بھی اعمالِ باطنہ کی اصلاح کی طرف سے انتہائی بے فکری اور غفلت کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

اسی لئے مجلس کا موضوع صرف اعمالِ باطنہ کو قرار دیا ہے۔



## اعمالِ باطنہ کی مجمل فہرست

جس طرح کے اعمال ظاہرہ میں کچھ چیزیں فرائض واجبات اور مستحبات ہیں جن کے ادا کرنے پر بہت بڑا اجر و ثواب اور نہ کرنے پر سخت عذاب ہے اور کچھ چیزیں حرام و ناجائز یا مکروہات ہیں جن کے کرنے میں..... سخت وعیدیں عذاب کی ہیں اور ان کے چھوڑنے میں ثواب ہے اسی طرح اعمالِ باطنہ میں کچھ فرائض و واجبات ہیں جن کو فضائل کہا جاتا ہے۔ اور کچھ چیزیں حرام و ناجائز ہیں جن کو رذائل کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان فضائل و رذائل کی مختصر فہرست یہ ہے ان کی تفصیلات اگلی مجلسوں میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوں گی۔

اعمالِ باطنہ میں سب سے اہم فرض تو ایمان اور اس کے متعلقہ عقائد ہیں جن کے بغیر آدمی مسلمان ہی نہیں ہوتا، ان کا بیان چونکہ مستقل علم عقائد میں کیا جاتا ہے اور اس کی تعلیم داخل نصاب بھی ہے اس لئے اس مجلس میں ان کے علاوہ دوسرے اعمالِ باطنہ کا بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں۔

## اعمالِ باطنہ کے فرائض واجبات

توبہ، صبر، شکر، جہاد، خوف، زہد، توحید، توکل، محبت، رضا، اخلاص، صدق عمل، یہ اصطلاحی الفاظ ہیں ان کی تشریح اور ان کے حصول کے طریقے آئندہ ذکر کئے جائیں گے۔

## اعمالِ باطنہ کے حرام و ناجائز

شہوت، آفاتِ زبان، غضب، کینہ، حسد، حب دنیا، بخل، حرص، حب جاہ، ریاء، تکبر و غرور۔ یہ بھی اصطلاحی الفاظ ہیں۔ ان کا پورا مفہوم و حقیقت اور ان سے بچنے کے طریقے آئندہ ذکر کئے جائیں گے۔



## اعمال ظاہرہ اور باطنہ میں ایک خاص فرق

پچھلی کسی مجلس میں یہ بات بتلائی گئی تھی کہ اعمال ظاہرہ اور باطنہ میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ اعمال ظاہرہ آنکھوں سے مشاہدہ کئے جاتے ہیں جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال حسنہ آنکھوں سے محسوس ہوتے ہیں اسی طرح چوری، ڈاکہ، جھوٹ، غیبت، بد معاشی، عیاشی بھی محسوسات ہیں۔ ہر آنکھوں والا ان کی برائی بھلائی کو دیکھ کر پہچان لیتا ہے۔

لیکن اعمال باطنہ تکبر، حسد، کینہ، حب جاہ، حب مال، بخل، حرص وغیرہ کسی کو آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ جو شخص ان گناہوں میں مبتلا ہے۔ مگر ظاہری اعمال کا پابند ہے اس کو کوئی نہیں پہچان سکتا کہ یہ باطنی فسق و فجور میں مبتلا ہے، وہ لوگوں کی نظر میں نیک صالح متقی بنارہ سکتا ہے۔

دوسروں کی نظروں سے باطنی عیوب کا مستور رہنا تو ظاہر ہے اس سے زیادہ قابل فکر یہ ہے کہ باطنی عیوب اور گناہوں کو بسا اوقات وہ شخص بھی نہیں پہچانتا جو ان میں مبتلا ہے کیونکہ جتنے باطنی گناہ اور عیوب ہیں ان کی شکلیں اور آثار ایسے کاموں سے ملتے جلتے ہیں جو حسنات یا مباحات ہیں۔

مثلاً تکبر اور عزت نفس ملتے جلتے دو کام ہیں، تکبر حرام ہے اور عزت نفس کی حفاظت مطلوب شرعی ہے۔ حسد اور غبطہ ملتے جلتے ہیں، حسد حرام ہے۔ غبطہ جائز بلکہ مطلوب شرعی ہے۔ کیونکہ غبطہ کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کی قسمت و فضیلت کو دیکھ کر اس کی تمنا کرنا کہ یہ مجھے بھی حاصل ہو جائیں۔ یہ کوئی مذموم چیز نہیں۔ مذموم حسد ہے جس میں دوسرے کی نعمت و فضیلت کے سلب ہو جانے کی خواہش ہوتی ہے۔

اسی طرح باطن کے جتنے عیوب میں مبتلا ہے بسا اوقات دھوکہ میں رہتا ہے۔ تکبر کو عزت نفس اور حسد کو غبطہ قرار دے کر بے فکر ہوتا ہے۔



## اعمالِ باطنہ کی اصلاح کے لئے مرشد کی ضرورت

اس لئے اعمالِ باطنہ کی اصلاح عادتاً اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اپنے آپ کو کسی ایسے شیخ مرشد کے حوالے کر دے جو باطنی فضائل اور رذائل میں پوری بصیرت اور مہارت رکھتا ہو۔ خود بھی باطنی رذائل سے پاک رہنے کی کوشش میں لگا ہو اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتا ہو۔ پھر اس کی تشخیص و تجویز کے سامنے اپنے رائے کو بالکل فنا کر کے ٹھیک اسی طرح عمل کرے جس طرح ایک بیمار اپنے آپ کو کسی حکیم یا ڈاکٹر کے حوالہ کر کے اسی کی تشخیص و تجویز پر عمل کرتا ہے اگر خود بھی حکیم یا ڈاکٹر ہوتا ہے تو بیمار ہونے کی حالت میں اپنی رائے اور اپنی تجویز کو چھوڑ کر معالج کا مکمل اتباع کرتا ہے۔ اعمالِ ظاہرہ کے صحت و فساد کو تو کسی استاد سے پڑھ پڑھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے اور کتابوں کے مطالعہ سے بھی کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ لیکن اعمالِ باطنہ کی اصلاح میں محض کسی کتاب کا پڑھ لینا اور پوری طرح سمجھ لینا بھی کافی نہیں ہوتا ان کی اصلاح مرشدِ کامل کے اتباع کے بغیر عادتاً ممکن نہیں۔ خرقِ عادت کے طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو کوئی دولت بغیر اسبابِ ظاہری کے عطا فرمادیں۔ یہ الگ بات ہے مگر اس کو کام کا طریقہ نہیں کہا جاسکتا۔

## اعمالِ باطنہ کی اصلاح کے لئے امام غزالی کی تجویز

حجتہ الاسلام امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو حق تعالیٰ نے باطنی امور میں خاص بصیرت عطا فرمائی ہے اور تربیت و تعلیم کا بھی ایک خاص سلیقہ ان کو عطا ہوا ہے ان کی تجویز یہ ہے کہ

عیوبِ نفس اور اپنے باطنی گناہوں سے آگاہ ہونے کے چار طریقے ہیں۔



## پہلا طریقہ مرشد کامل اور اس کا اتباع ہے

سب سے بہتر اور مکمل طریقہ باطنی عیوب سے مطلع ہونے اور ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ کسی ایسے شیخ کامل کو تلاش کرے جو شریعت و طریقت کا جامع ہو باطنی فضائل و ذائل کے پہچاننے میں اور ان کے علاج میں مہارت و بصیرت رکھتا ہو۔

## ایک شیطانی فریب اور اس کا جواب

اس موقع پر عام طور سے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ مرشد کامل اس زمانے میں کہاں سے لائیں؟ ہر طرف ہر طبقے میں دھوکہ فریب اور نام و نمود اور نمائش ہے کھرے کھوٹے کی پہچان مشکل ہے۔ علماء صلحاء اور درویشوں کے بیشمار تجربے اور ان کی غلط کاریوں کی طویل فہرست اس جگہ شیطان انسان کے سامنے کر کے اس کو مایوس کر دینا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ بکثرت اقبال مرحوم کا یہ شعر پڑھا کرتے ہیں۔

خداوند! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں

کہ درویشی بھی سالوسی ہے سلطانی بھی عیاری

اس فتنہ و فساد اور فسق و فجور کے زمانے کے متعلق اقبال مرحوم کا یہ شکوہ نہ غلط ہے نہ بیجا۔ مگر اس کا کوئی یہ مطلب قرار دے کہ اب اصلاح حال سے مایوسی ہے اس کا کوئی راستہ نہیں رہا اس لئے اب جو کچھ اپنے جی میں آئے وہ کرو، یہ سراسر غلط فہمی ہوگی۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس زمانے کا یہ شر و فساد اور کوتاہی و کمزوری صرف علماء صلحاء ہی کے طبقہ میں ہے یا تمام طبقات دنیا کا یہی حال ہے۔ آخر کون نہیں جانتا کہ اس زمانہ میں ڈاکٹری تحقیقات اور نو ایجاد آلات و ادویہ کی بہتات کے باوجود وہ ڈاکٹر ہزاروں میں ایک ہوتا ہے جو فن کا ماہر بھی ہو اور غور و فکر بھی پورا کرے اور اس کے ہاتھ میں شفاء بھی ہو۔



ہزاروں وکیلوں میں کوئی ایک قابل اعتماد و اطمینان نظر آتا ہے، لاکھوں تاجروں میں سچائی کی تجارت کرنے والے گئے چنے چند ہوتے ہیں۔ لاکھوں صنعت کاروں میں کامل ماہر اور قابل اعتماد خاص خاص ہی ہوتے ہیں۔

مگر نہ کسی نے ڈاکٹروں کو چھوڑ کر اپنے علاج میں خود رائی اختیار کی۔ نہ وکیلوں کو چھوڑ کر خود اپنے مقدمات کی پیروی کی، نہ تاجروں سے بیوپار چھوڑا، نہ صنعت کاروں سے معاملہ ختم کیا۔ انہیں میں سے انتخاب اور تلاش کر کے کام چلایا جاتا ہے۔  
آج بازار میں نہ گھی خالص ملتا ہے نہ دودھ نہ آٹا نہ مسالہ مگر اس کی وجہ سے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے گھی دودھ کا استعمال چھوڑ دیا ہو یا آٹے کی بجائے کچھ اور کھانا شروع کر دیا ہو۔

ہزار کوششیں کر کے اسی فریب دھوکہ کے بازار میں تلاش کرنے والے خالص اور اچھی چیزیں نکال لاتے ہیں۔

آج دین کے معاملہ میں یہی روش کیوں نہ اختیار کی جبکہ دین کے معاملہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی ہے کہ صادقین کا ملین قیامت تک رہیں گے۔ اور تلاش کرنے والے ان کو پائیں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ”یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وكونوا مع الصادقین“ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔ اور سچے لوگوں کے ساتھی بن جاؤ۔

سچے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان، قول، فعل ہر چیز کے سچے ہوں۔ اور یہی خلاصہ ہے ولی کامل کے اوصاف کا۔ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت میں فرمایا۔

یہ حکم سچے لوگوں کے ساتھی بننے کا ظاہر ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو ہے۔ اس لئے اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ مسلمانوں کا مجمع کسی زمانے میں صادقین سے خالی نہ رہے گا۔



پھر اسی سے امام رازی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اجماع امت کے حجت ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔ کیونکہ جب مسلمانوں کا مجمع صادقین سے خالی نہیں ہو سکتا تو یہ ممکن نہیں کہ سب مسلمان کسی گمراہی پر جمع ہو جائیں۔ کیونکہ صادقین گمراہی کا شکار نہیں ہو سکتے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ زمانہ ہر چیز کے خصوصاً نیکی اور خیر کے انحطاط اور تنزل کا ہے۔ دھوکہ فریب اور نمائش و نمود بہت ہے اصلیت اور حقیقت بہت کم ہے۔ خیر القرون میں خیر اور صدق و صلاح کی کثرت تھی۔ ہر جگہ ہر گوشہ میں یہی جنس عام تھی۔ آج یہ جنس صلاح بہت تلاش سے ملتی ہے وہ بھی اس معیار نہیں ملتی جو سلف کے زمانے میں تھی۔

مگر جیسا کہ اس زمانے میں یہ جنس کمیاب ہو گئی ہے اور اس کی تلاش میں دشواریاں پیدا ہو گئیں ویسے ہی حق تعالیٰ نے اس زمانے کے لوگوں کی مزدوری اتنی بڑھادی کہ سلف کے زمانے سے اس کی کوئی نسبت نہیں۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آخری زمانے میں نیک کام کرنے والے ایک شخص کو پچاس عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ پچاس اس زمانے کے یا ہمارے زمانے کے؟

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں تمہارے پچاس کے برابر اجر ملے گا۔ اب آپ اندازہ لگائیے اس فتنے کے زمانے میں جو شخص نیکی پر قائم رہے اس کا اجر پچاس ابو بکر و عمر اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے برابر ملے گا۔

ان کے عمل کی یہ مزدوری اسی لئے بڑھائی گئی ہے کہ اس زمانے میں نیک لوگوں کی صحبت بھی بہت مشکل سے حاصل ہوتی ہے اور نیکی پر قائم رہنا بھی انگارے کو ہاتھ میں محفوظ رکھنے کی طرح مشکل ہے۔



## ایک اور شیطانی فریب

مرشد کی تلاش اور شیخ کے انتخاب میں شیطان ایک اور فریب میں لوگوں کو مبتلا کرتا ہے وہ یہ کہ اسلاف امت اور اکابر اولیاء اللہ کے حالات جو کتابوں میں مدون ہیں ان کو پڑھ کر وہ اپنے زمانے میں بھی اسی معیار کے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں اور جب وہ نظر نہیں آتے تو مایوس ہو کر اصلاح کا خیال ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

اس میں فریب یہ ہے کہ زمانے کا تنزل و انحطاط ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں۔ آج نہ کوئی ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پیدا ہوتا ہے نہ عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نہ دوسرے صحابہ۔ نہ آج جنید رَحْمَہُ اللہُ تَعَالٰی وَہبِی واپس آئیں گے۔ نہ معروف کرخی اور ذوالنون مصری پائے جائیں گے۔ جو شخص ان بزرگوں کے بلند حالات و مقامات کا معیار لے کر تلاش کرے گا اس کے لئے محرومی ضروری ہے۔ ہونا چاہئے کہ ولی کامل کے لئے جو کم سے کم شرائط ہیں ان کو تلاش کرے تو ہر زمانے میں اور ہر جگہ انشاء اللہ تعالیٰ صادقین کا ملین مل جائیں گے۔

## اولیاء اللہ کی پہچان

چند چیزیں ہیں اول بقدر ضرورت علم دین جس سے احکام پر عمل کر سکے۔ اگرچہ ضابطہ کا عالم نہ ہو۔

دوسرے دوام طاعت کہ احکام شرعیہ فرائض واجبات میں کوتاہی نہ کرے اور محرمات و مکروہات سے اجتناب کرے اگر اس میں کبھی لغزش ہو تو فوراً توبہ کرے۔ تیسرے کثرت ذکر یعنی اس کے اکثر اوقات اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں خواہ وہ ذکر تسبیحات و اوراد کا ہو یا خالص اللہ کی رضا جوئی کے لئے تعلیم دین اور تصنیف و تالیف اور فتویٰ و ارشاد کا ہو کیونکہ یہ سب چیزیں اخلاص نیت کے ساتھ ذکر اللہ میں داخل ہیں۔



چوتھے یہ کہ وہ کسی باقاعدہ شیخ کامل سے اصلاح و ارشاد کی اجازت پائے ہوئے ہو۔  
پانچویں یہ کہ اس کی صحبت میں چند روز بیٹھ کر آخرت کی طرف رغبت اور دنیا  
کے فضول بکھیڑوں سے وحشت کے آثار ظاہر ہونے لگیں۔

بس اتنی علامات جس شخص میں پائی جائیں وہ اصلاح و ارشاد کے لئے کافی  
ہیں۔ اگر ان اوصاف کے متعدد آدمی سامنے ہوں تو ان میں سے جس کے ساتھ  
عقیدت و محبت اور طبعی مناسبت زیادہ ہو اس کو اختیار کرے۔

### اصلاح باطن کا دوسرا طریقہ

اگر کسی شخص کو شرائط مذکورہ کے مطابق کوئی شیخ و مرشد دستیاب نہ ہو تو امام غزالی  
رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اس کو چاہئے کہ اپنے مخلص دوستوں کو اپنی اصلاح کے  
لئے اپنے اوپر مسلط کر لے ان سے پوچھا کرے کہ تمہیں میرے اندر کیا کیا عیب نظر  
آتے ہیں وہ جو کچھ بتلائیں ان کی اصلاح کی فکر میں لگ جائے۔

حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی  
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ سے معلوم کیا کہ آپ میرے بھائی ہیں۔ آپ مجھے یہ بتلائیں کہ آپ  
نے مجھ میں کیا کیا عیب دیکھے ہیں؟ پہلے تو حضرت سلمان فارسی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ نے  
ادب کی بناء پر بیان کرنے سے انکار کیا۔ مگر جب فاروق اعظم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ نے  
اصرار کر کے مجبور کر دیا تو فرمایا کہ میں آپ میں دو عیب دیکھتا ہوں۔

اول یہ کہ آپ کے دسترخوان پر ایک سے زیادہ قسم کے کھانے ہوتے ہیں جو رسول  
اللہ ﷺ کی عادت نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ کے پاس ضرورت سے زائد کپڑوں کا  
ایک جوڑا ہے۔ ایک آپ رات کو پہنتے ہیں دوسرا دن کو استعمال فرماتے ہیں۔

حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ سن کر فرمایا کہ ان دونوں کا تو انشاء اللہ  
تعالیٰ ابھی علاج ہو جائے گا، آپ اس کی فکر نہ کریں۔



حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور تمام اسلاف امت کا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ اپنے نفس کے عیوب سے باخبر رہتے۔ اور ان کا علاج کرنے سے کبھی غفلت نہ برتتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس غیر ملکی سفراء آئے۔ ان کی وجہ سے مجلس کو آراستہ کیا گیا۔ دربار سے فارغ ہوتے ہی ایک مشکیزہ اٹھایا اور کنوئیں پر جا کر خود اس میں پانی بھرا اور پڑوس کی ایک بڑھیا کے مکان میں یہ پانی پہنچا دیا۔

لوگوں نے اس عمل کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ غیر ملکی سفراء کی وجہ سے جو اپنی مجلس کو ایک شان و شوکت پڑی مجھے اس سے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں میرے نفس میں تکبر نہ پیدا ہو جائے۔ اس کی اصلاح کے لئے ایسا کام کیا جس سے اپنے نفس کی حقارت واضح ہو۔

یہ بھی صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور اسلاف امت کی خصوصیت دوستانہ طور پر خیر خواہی و ہمدردی سے ایک دوسرے کے عیوب پر اس طرح تنبیہ کر دیتے تھے کہ اس میں مخاطب کی تحقیر و توہین یا نقصان رسانی کا کوئی شائبہ نہ ہوتا تھا۔

آج ایسے دوست ملنا بھی آسان نہیں۔ آج تو عیب دیکھ کر اس کے سامنے تو کچھ نہ کہیں گے مگر دوسروں سے کہتے پھریں گے اور تشہیر کریں گے۔ ایسے لوگ درحقیقت دوست نہیں ہوتے۔ دوست بھی صلحاء اور مخلص تلاش کرنے چاہئیں۔

## تیسرا طریقہ

اپنے دشمنوں سے اپنی اصلاح کرائے وہ اس طرح کہ دشمنوں کی باتیں جو اس کی عیب جوئی میں کرتے ہیں، خوب غور سے سنے پھر اپنے حالات کا جائزہ لے کہ اس میں کتنی بات سچی ہے اور کونسا عیب واقعی مجھ میں موجود ہے؟ اس کے ازالہ کی فکر



کرے۔ بزرگان سلف کا عام طریقہ کاری یہی تھا۔ اپنے زمانے کے بزرگ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ایک واقعہ یاد آیا۔ حضرت گنگوہی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے جب خانقاہ قدوسی گنگوہ میں مقام فرمایا اور وہاں درس حدیث اور اصلاح ارشاد کا سلسلہ شروع کیا تو شرک و بدعت کی رسموں پر خاص طور سے لوگوں کو تہیہ فرماتے تھے۔ بعض رسائل بھی ان مسائل کے متعلق شائع ہوئے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی جو اس زمانے میں بہت ہی بدعات کو رواج دے رہے تھے۔ انہوں نے حضرت گنگوہی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے خلاف طرح طرح کے الزامات اور بہتان لگانے شروع کئے اور اشتہارات و رسائل میں انتہائی بدزبانی اختیار کی۔ یہ رسائل حضرت کے پاس آتے تو حضرت مولانا محمد بخش صاحب سے ان کو پورا سنا تے تھے کیونکہ آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ خط و کتابت کا سب کام آپ کے مرید خاص مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی انجام دیتے تھے۔

یہ رسائل چونکہ انتہائی بدزبانی اور افترا پردازی پر مشتمل ہوتے تھے۔ ان کا سنا نا بھی مولانا کے لئے آسان نہ تھا۔ کچھ روز تک مولانا نے یہ رسائل حضرت کی خدمت میں پیش نہ کئے چند روز کے بعد دریافت فرمایا کہ مولوی یحییٰ! کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا؟ بہت دنوں سے کوئی رسالہ میرے خلاف نہیں آیا۔ اس وقت مولانا نے فرمایا کہ حضرت رسائل تو کئی آئے ہیں مگر میں نے دیکھا کہ ان میں گالیوں اور افتراء و بہتان کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے یہ خیال کیا کہ خواہ مخواہ ان کو سنا کر کیوں آپ کے قلب کو ملر کر دوں؟ یہ تو مولانا کا اپنا خیال تھا۔

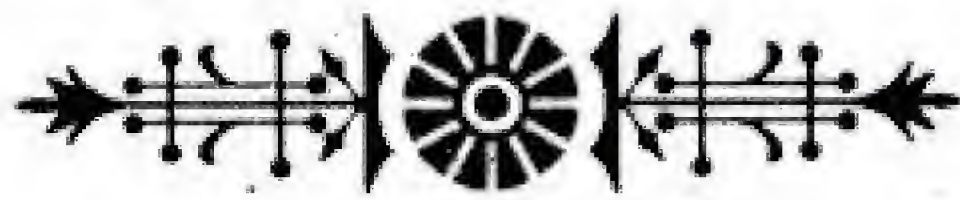
مگر دوسری طرف اللہ کے مقدس بندے تھے جو اپنی ہر ہوا و ہوس اور عزت و جاہ کو اللہ کے لئے قربان کر چکے تھے۔ فرمایا کہ نہیں۔ ایسا نہ کرو جو رسالہ آئے مجھے ضرور



سنا دیا کرو۔ میں ان سب کو اس نظر سے سنتا ہوں کہ جو باتیں میرے عیب کی اور میرے خلاف وہ کہتے ہیں۔ ممکن ہے ان میں کوئی بات سچی ہو تو میں اپنی اصلاح کر لوں۔

### چوتھا طریقہ

باطنی عیوب پر مطلع ہونے اور ان کی اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ کو لوگوں میں جو بات بری اور قابل اعتراض نظر آئے اس کو اپنے نفس میں ٹٹولیں کہ کہیں میرے اندر تو یہ عیب نہیں اگر اس کا کچھ احساس ہو تو فوراً اس کی اصلاح کا اہتمام کریں۔ اس طرح بھی ایک انسان اپنے عیوب پر مطلع ہو کر اصلاح کر سکتا ہے اور درحقیقت تو ضرورت اس کی ہے کہ ان سبھی طریقوں سے اپنی اصلاح کی فکر جاری رکھیں۔ بالخصوص پہلے طریقہ کے لئے مقدور بھر پوری کوشش کریں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ (ماہنامہ ابلاغ کراچی بحوالہ ماہانہ الصیائہ لاہور جون ۱۹۹۸ء)





# مجالس مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ مجاز

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہ

احقر نے یہ تمام فرمودات دارالعلوم کراچی؟ میں بزمانہ طالب علمی حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی آرامگاہ یا دارالافتاء میں سُنے ہیں، اور مجلس ختم ہونے کے بعد دارالافتاء میں بیٹھ کر قلمبند کئے ہیں۔

۱۔ ۱۳۹۵/۱/۲۷ھ

حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حضرت تھانوی قدس سرہ کے حوالہ سے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر کسی شہر میں ضابطہ کے بزرگ اور بڑے نہ ہوں تو نیک سیرت اور صالح لوگوں کے پاس جایا کریں۔

۲۔ ۹۵/۳/۱ھ

بعد المغرب مجلس میں ارشاد فرمایا، کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن مبارک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے دریافت کیا، ”العالم ماہو؟ قال العالم، العامل، راغب الی الآخرة، زاہد فی الدنیا۔“ پھر حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے طلبہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے آٹھ سال تک کتابیں پڑھنے کا اصل مقصد اور خلاصہ تفقہ فی الدین ہے، اصل مقصد کتابیں پڑھنا اور رٹنا نہیں ہے۔

۱ ترجمہ: عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا، عالم وہ ہے جو باعمل ہو، آخرت کی طرف راغب ہو اور دنیا سے بے رغبت ہو۔



۳/۱۵/۷۹۵ھ

حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے نصیحت فرمائی کہ ”اتقوا اللہ وكونوا مع الصّٰدقین“ کہ تقویٰ صادقین کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوگا، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے مواعظ میں یہ برکت رکھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے تجربہ شاہد ہے کہ تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے، اور فرمایا کہ خلاصہ قصد السبیل، تعلیم الدین، مواعظ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی، اور حیوۃ المسلمین اور کافریہ کے وقت گھر جا کر چھٹیوں میں مطالعہ کرو اور اپنے محلہ کی مسجد میں حیوۃ المسلمین کو تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سناؤ، اور آخر میں فرمایا کہ اگر کسی نے میری اس نصیحت پر عمل کیا تو انشاء اللہ کامرانی ہی کامرانی ہے، اور ہمیشہ اعمال میں صدق کا خیال رکھو، بس طالب علموں کا سب سے پہلا عمل صدق ہے اگر انہوں نے اس پر عمل کر لیا اور اپنے تمام امور میں اس کا خیال رکھا تو گویا انہوں نے سارے دین پر عمل کر لیا۔

۲-۷۹۵/۷/۲۷ھ

اساتذہ کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ شاید میں آنے والے سال تک حیات نہ رہوں، معلوم نہیں میں کہاں ہوں گا؟ اور تم کہاں ہو گے؟ اس لئے تم سے یہ بات عرض کر رہا ہوں، کہ جو آپ حضرات نے طریقہ تقاریر لکھوانے کا بنا رکھا ہے، اگر اسے شروع سال سے آخر تک چلا سکتے ہو تو بہت ہی نافع ہے، لیکن عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسا ہوتا نہیں ہے، بلکہ اساتذہ اپنا تمام زور کتاب الطہارۃ، اور زیادہ سے زیادہ کتاب الصلوٰۃ پر خرچ کر دیتے ہیں، اس کے بعد نہ استاد کو کچھ معلوم ہوتا ہے کہ کیا پڑھا رہا ہوں اور نہ طالب علموں کو معلوم ہوتا ہے کہ میں کیا پڑھا رہا ہوں؟ بس ورق گردانی ہو رہی ہے کہ کسی طرح کتاب ختم ہو جائے، کبھی بیس ۲۰ صفحے اور کبھی ۳۰ تیس صفحے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کتاب الطہارۃ کتاب الصلوٰۃ اور کچھ تھوڑا سا کتاب العلم کا محقق بن کر رہ جاتا ہے، اس کے سوا اس کو کچھ نہیں آتا۔



حالانکہ ہمارا یہ مقصد نہیں اور نہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشادات کا یہ مقصد ہے، اصل مقصد انسان بنانا ہے، اور یہ مقصد بالکل متروک ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب الرقاق اور کتاب الادب جیسے ابواب کی طالب علم کو ہوا تک نہیں لگتی ہے، وہ ان باتوں سے بالکل خالی الذہن ہوتا ہے، میرے عزیز و اور بزرگو! یہ انتہائی مضر اور نقصان دہ ہے، قابل ترک بلکہ واجب الترتک ہے اور طریقہ یہ ہے جو سلف سے چلا آرہا ہے۔ پھر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی دارالعلوم دیوبند سے اپنی مشکوٰۃ پڑھنے اور ان کے پڑھانے کا طریقہ بیان فرمایا۔ کہ وہ مرقاۃ اپنے سامنے رکھتے تھے، اس کے حاشیہ پر مشکوٰۃ تھی، اسی میں پڑھاتے تھے، کوئی بات سمجھانے کی ہوتی تو مرقاۃ کی عبارت پڑھ کر بیان فرمادی، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں مشکوٰۃ کی حدیث تک یاد ہو گئیں، اور الحمد للہ بعض احادیث اب تک یاد ہیں، اگر بھی اسی طرح پڑھانا ہے جیسا اب پڑھا رہے ہو تو سارے مسائل پڑھانے کی کیا ضرورت ہے، شروع و آخر سے پڑھا کر سند دیدی جائے، اور یہ روایت کا جو چکر چل رہا ہے، معلوم نہیں کس نے نکالا ہے، کہ روایۃ اسباق ہو رہے ہیں، سب فضول سی بات ہے۔ خدا کے لئے کچھ سوچو، سمجھو ہمارا مقصد زندگی اور درس و تدریس کا مقصد ملازمت نہیں ہے، میں کسی ایک کو نہیں کہہ رہا ہوں سب اس میں شریک ہیں، اور میں تو سب بھول گیا، ماشاء اللہ آپ حضرات کا علم تازہ ہے پڑھانے میں شروع سال سے لیکر سال کے آخر تک یکسانیت ہو، جو وقت شروع سال میں تھا، آخر میں اسی کا خیال رکھو یہ نہ ہو کہ سال کے آخر میں رات کو بھی اسباق ہو رہے ہیں، دن کو بھی سبق ہو رہا ہے، طلبہ بھی پریشان ہیں، اساتذہ بھی کتاب ختم کرانے کی فکر میں ہیں۔

اور اس بات کا خاص خیال رکھو کہ مدرسہ کے اوقات کی پوری پابندی ہو کہ ادھر گھنٹہ بجا اور ادھر درس گاہ میں قدم رکھا، اس سے بڑی برکت ہوگی اور یہ بات ایسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ تجربہ شاہد ہے اور ایسا ہوتا چلا آیا ہے، گھنٹہ لگنے کے نہ پانچ



منٹ بعد شروع کرو اور نہ گھنٹہ لگنے سے پانچ منٹ پہلے ختم کرو، بس یہ چند باتیں کہنی تھیں، اپنے لئے اور دارالعلوم واساتذہ کیلئے دُعا کریں۔

۵-۱۱/۹۵ھ

حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی دارالعلوم کراچی تشریف آوری کے موقع پر اپنی قیام گاہ پر بحالت استراحت حضرت شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے ہم ہیں ویسے تم ہو، ہاں ایک فرق ہے وہ یہ کہ ہم نے آدمی دیکھے ہیں اور تم نے آدمی نہیں دیکھے ہیں، کوئی بیل ہمیں آدمی کے روپ میں دھوکہ نہیں دے سکتا، ایک تم ہو کہ تم نے آدمی دیکھے نہیں اس لئے تم دھوکہ کھا جاؤ گے، اور پہچان نہ سکو گے، کہ یہ آدمی ہے یا بیل، حضرت شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے تائید میں فرمایا، سچ فرمایا، اور حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حضرت شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ان لوگوں نے کتاب والوں کو پڑھا تھا، اور ہم نے صرف کتابیں پڑھی ہیں، حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نہایت تواضع کے ساتھ بار بار حضرت شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا تشریف لانے پر شکریہ ادا کر رہے تھے، اور فرما رہے تھے کہ مجھے عرصہ سے آپ کی زیارت کی تمنا تھی، اللہ تعالیٰ نے آج پوری کرا دی، اس دوران میں حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی رورہے تھے، عجیب عالم تھا، دونوں حضرات آمنے سامنے گاؤتکیہ کے ساتھ سہارا لئے ہوئے تھے، اس کے بعد دونوں حضرات کی کچھ دیر تنہائی میں بات چیت ہوئی، پھر حضرت شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی دارالافتاء میں تشریف لے آئے۔

۶-۱/۵/۱۳۹۶ھ

حضرت والا رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ارشاد فرمایا، کہ سفر درپیش ہے اور زادراہ کچھ نہیں، اس ارشاد کے بعد حاضرین مجلس کو نصیحت فرمائی، فرمایا کہ میں نے چلتے چلتے وقت



حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت مختصر سی نصیحت فرمادیجئے، آپ نے یہ حدیث نصیحتہ پڑھ کر سنائی۔  
”اِذَا امْسَيْتَ فَلَا تَنْظُرِ الصَّبَاحَ، وَاِذَا اصْبَحْتَ فَلَا تَنْظُرِ الْمَسَاءَ وَعُدَّ نَفْسُكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُورِ“۔

اور فرمایا کہ آخرت کی فکر کرو موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، میں دل کے مرض میں مبتلا ہوں، جب تکلیف کی شدت ہوتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ موت کا وقت آگیا، پھر اللہ تعالیٰ تکلیف ہلکی فرمادیتا ہے، یہ سلسلہ تقریباً پانچ سال سے چل رہا ہے اور اس اثناء میں کئی جوان چل بے جو بالکل تندرست و توانا تھے، بس بھی اللہ کو اور اپنی حقیقت کو مت بھولو، آج ہم ان دونوں چیزوں کو بھول بیٹھے ہیں، پھر ایک شعر پڑھا۔

نظر آتے ہیں جو، نہیں اپنے  
جو ہے اپنا، نظر نہیں آتا

۷۹۶/۶/۷۷

حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اس مجلس میں خصوصیت سے ارشاد فرمایا، اور مجلس میں پڑھی جانے والی ملفوظات کی کتاب کو روک کر فرمایا، کہ کام تو سب ہی کرتے ہیں، کوئی دُنیا کا کام کرتا ہے اور کوئی دین کا، اصل بات یہ کہنا ہے کہ کام خالص دُنیاوی ہو، خواہ دفتری ہو، یا ملازمت ہو، اگر اُسے ڈیوٹی سمجھ کر انجام دے رہا ہے تو یہ سمجھو کہ وہ بڑا ولی اللہ ہے، جس چیز میں جس قدر خلوص ہوگا، اسی قدر اس میں وزن ہوگا، نوافل اور عبادت میں تو عدم خلوص اور ریا کا احتمال زیادہ ہے لیکن جو ایسے کام ہیں جیسے ڈیوٹی، ملازمت، فتویٰ نویسی وغیرہ، لوگ اُسے دیکھ کر ولی اللہ نہیں سمجھتے، اِنْ تَرَجَعْتَ: جب آپ شام کریں تو صبح کا انتظار نہ کریں اور جب صبح کریں تو شام کا انتظار نہ کریں، اور اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کریں۔



میں نے رات ایک بجے تک فتویٰ لکھا، اس پر غور و خوض کیا، بڑی بڑی کتابوں کو چھانا، اب کسے معلوم ہے اور نہ اس شخص کو معلوم ہے جس کو یہ فتویٰ ملے گا اگر کسی نے رات کو اٹھ کر دیکھ بھی لیا، تو یہ دیکھ کر کہ کاغذ کا لے کر رہا ہے، ولی اللہ نہیں سمجھے گا، غرض خلوص جس قدر ہوگا، قیمتی ہوگا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا واقعہ سنایا کہ انہوں نے سلطنت چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی تھی، اور ساری زندگی فقیری میں گذاری، آپ کا ایک لوہار پڑوسی تھا، وہ روزانہ لوہا کوٹا کرتا تھا، مرنے کے بعد کسی نے دیکھا کہ لوہار کا مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادہم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے زیادہ بڑا ہے، اور وہ اونچے مقام پر ہے، اس سے اس کی حقیقت پوچھی، اس نے بتایا کہ میں ابراہیم بن ادہم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی عبادت اور نوافل کو دیکھ کر حسرت کیا کرتا تھا، کہ آہ کاش مجھے بھی فرصت ہوتی، تو میں بھی اسی طرح عبادت کرتا، اور یہ راز میرے اور اللہ کے درمیان تھا، چونکہ یہ حسرت پر خلوص تھی، جس کو کوئی نہیں جانتا تھا، بس اسی پر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مقام عطا فرمادیا اور چونکہ ابراہیم بن ادہم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو سب ولی اللہ اور بڑا عبادت گزار سمجھتے اور جانتے تھے۔

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ سنایا کہ ملا علی قاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ یہ پیسے کہاں خرچ کر دوں؟ انہوں نے فرمایا، کہ کسی غریب مسکین کو تلاش کر کے دید و چنانچہ اس نے ایک فقیر کو جو مری ہوئی چال چل رہا تھا، یہ رقم دیدی، اور دوسرے دن جہاں فقیروں کا اڈہ تھا جا کر دیکھا کہ وہ فقیر دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ کل ایک اچھا آدمی ملا کہ اس نے اچھی خاصی رقم تھمادی، خوب شراب پی، اور مزے لئے، اس شخص نے یہ ماجرا بزرگ سے آکر سنایا، انہوں نے کہا کہ دوبارہ کسی فقیر کو دیکھ کر دید و اس نے پھر ایک فقیر کو تلاش کر کے رقم دیدی۔ اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس نے بھی اسی طرح عیاشی میں ختم



کر دیئے، پھر وہ بزرگ کے پانس پہنچا، بزرگ نے کہا یہ پیسے لو اور جو شخص سب سے پہلے ملے اس کو یہ رقم دیدینا، اس نے سب سے پہلے جو شخص ملا اس کو رقم دیدی وہ اپنے جسم پر ایک سفید چادر لپیٹے ہوئے تھا، اس شخص نے اس کا بھی پیچھا کیا، اس خیال سے کہ دیکھیں یہ اس رقم کا کیا کرتا ہے، ابھی تھوڑی دُور چلے تھے کہ اس نے ایک مرا ہوا کبوتر اپنی چادر سے نکال کر ایک طرف ڈالا، اس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں کئی روز سے فاقہ سے ہوں اور قریب الموت ہوں، میرے لئے اس کا مجبوری کی وجہ سے کھانا حلال ہو گیا تھا، اس لئے اسے لے جا رہا تھا کہ بھون کر کھالوں گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ رقم دلوادی، اب اس سے اپنا پیٹ بھریں گا، تو بھی آدمی کی جیسی نیت ہوتی ہے ویسے ہی اس کا مال خرچ ہوتا ہے۔

اور فرمایا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا تمام مال میدان جہاد میں دیدیا حتیٰ خود بھی نکل کھڑا ہوا، اور پھر جان بھی دیدی، بڑی فضیلت کا کام کیا، لیکن ذکر اللہ اس سے بھی افضل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ اللہ کرنے والا اپنے گھر میں بیٹھا اللہ کر رہا ہے اس کو کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، اور جہاد میں مال وقت، اور اپنی جان کی بازی لگانے والے کو بہت بہادر سمجھتے ہیں جس میں ریا کا احتمال ہے، خلوص کم ہونے کی بناء پر اجر کم ہے، آپ لوگ یہاں کسی ذاتی غرض کے واسطے نہیں آتے، مجھے معلوم ہے کہ کہاں کہاں سے مشقت برداشت کر کے آپ لوگ چل کر آئے ہیں یہاں آپ کا جمع ہونا خالصۃً اللہ کیلئے ہوتا ہے، اس کا نفع مجھے تو محسوس ہوتا ہے آپ کو معلوم نہیں محسوس ہوتا ہے یا نہیں؟

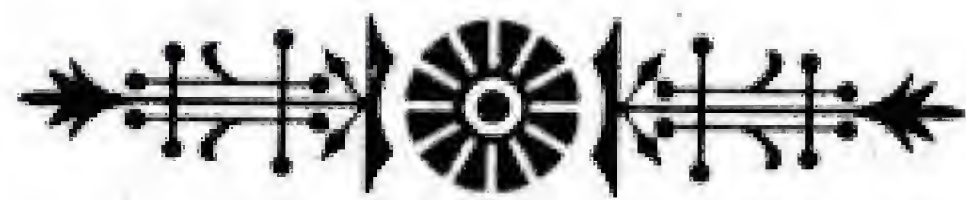
پھر ارشاد فرمایا کہ رات کو دین کی کتابیں پڑھنا ساری رات عبادت کرنے سے افضل ہے اس میں بھی یہی بات ہے کہ عبادت کو پڑھنے کے مقابلے میں زیادہ فضیلت دیتے ہیں، کیونکہ پڑھنے والے کو کوئی ولی نہیں سمجھے گا، اور نوافل اور تہجد پڑھنے والے کو بڑا عابد اور ولی اللہ سمجھتے ہیں، تو بھی حاصل یہی ہے کہ خلوص پیدا



کرنے کی فکر کرو، اعمال گننے نہیں جائیں گے، تو لے جائیں گے، عبادتیں کثرت سے کی ہوں گی، لیکن خلوص کم ہونے کی بناء پر ان کا وزن معمولی ہوگا، اور بعض امور ایسے ہوں گے، جو دیکھنے میں تھوڑے ہوں گے، لیکن خلوص کی بناء پر بڑے وزنی ہوں گے دنیاوی کام بھی کرو تو اسی ذمہ داری کے ساتھ کرو، انشاء اللہ خلوص کی بناء پر یہ کام بڑے وزنی ہوں گے۔

۸۔ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ۲۶ شعبان ۹۶ھ کو جبکہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہم بھی دارالعلوم کراچی میں تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت موصوف مدظلہ کی موجودگی میں حضرت والا رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حضرت مولانا عبدالغفور صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ایک ملفوظ سنایا کہ الاخلاص، مالا خلاص، عدم رؤیۃ الاخلاص فی الاخلاص۔

اور حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حضرت مجدد الملت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ایک قول نقل فرمایا کہ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا، مکمل مثنوی کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں، توحید اور حب شیخ، اور حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ میرا حال اب وہی ہے جو ہمارے حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ موت محبوب ہوگئی ہے، لیکن زندگی مبغوض ہوگئی ہے۔ (مہنامہ البلاغ کراچی)



۱۔ ترجمہ: اخلاص کیا ہے اخلاص، اخلاص میں اخلاص کو نہ دیکھنا (یعنی محسوس نہ کرنا اخلاص ہے)۔



مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہ

## مسجد کا پیغام

مملکت سعودیہ عربیہ کے مرحوم فرماں روا خالد بن عبدالعزیز مرحوم کے دور میں رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے ”رسالۃ المسجد“ کے نام سے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا تھا، زیر نظر بصیرت افروز مضمون حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے اُس مقالے کا مترجم خلاصہ ہے جو اس موقع پر پیش کیا گیا تھا۔ (ادارہ)

یہ بات کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہو سکتی کہ مساجد درحقیقت روئے زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور ان میں نمازیں ادا کی جاتی ہیں لیکن جب ہم قرآن کریم، سنت نبویہ، خیر القون کے تعامل اور سلف صالحین کے طرز عمل پر غور کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس دور کی مسجدیں درحقیقت مسلمانوں کے روحانی مراکز کی حیثیت رکھتی تھیں، ان ہی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تھا، ان ہی میں نمازیں پڑھی جاتی تھیں، ان ہی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہوتا تھا، ان ہی میں قرآن اور سنت کی تعلیم دی جاتی تھی، ان ہی میں اسلام کی طرف دعوت کا اہتمام ہوتا تھا، ان ہی میں نوخیز نسل کو صحیح اسلامی تربیت دی جاتی تھی، یہیں سے جان و مال سے بے پروا ہو کر کلمہ حق کہا جاتا تھا، یہیں پر مسلمانوں کے باطنی تزکیہ کا انتظام ہوتا تھا، یہیں ان کے اخلاق سنوارے جاتے تھے، یہیں پر ذہنوں کو دینی خطوط پر استوار کیا جاتا تھا اور یہیں سے دعوت اسلامی کے وہ سپاہی نمودار ہوتے تھے جو صرف زبان اور باتوں سے نہیں بلکہ اپنی ایک ایک نقل و حرکت اور ایک ایک ادا سے اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔

یہ سارے کام مسجد میں اس سرگرمی سے سرانجام دیئے جاتے تھے کہ ہر مسجد اپنے



محلہ کے لیے ہر بھلائی کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ بن گئی تھی جو مسلمانوں میں خالص دینی روح پھونکتی تھی اور ان میں ایسی دینی غیرت و حمیت بیدار کرتی تھی کہ وہ نہ کبھی کسی بیرونی ترغیب و ترہیب کے آگے سر جھکانے کے لیے تیار ہوتے اور نہ کسی باطل نظریہ و عمل کو اپنانے کا خیال ان کے دل میں آسکتا تھا خواہ اس باطل نظریہ کا ظاہر کتنا دل کش ہو اور خواہ ساری دنیا اس کی شہرت اور رواج سے کتنی گونج رہی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہم مختصر لفظوں میں ”مسجد کے پیغام“ کو تعبیر کرنا چاہیں تو وہ

یہ ہے:

دعوت الی اللہ، کلمہ حق کی نشر و اشاعت، خالص اسلامی ذہن کی تعمیر، اور ایک ایسی عام دینی اور روحانی فضاء کا قیام جس میں نیکیوں کو خود بخود فروغ ہو اور برائیاں اپنی موت آپ مر جائیں۔

ہو سکتا ہے کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ سارے کام تو آج بھی مسجدوں میں ہو رہے ہیں، یہاں نمازیں بھی پابندی سے ہوتی ہیں، ہر جمعہ کو ان کے ممبروں سے وعظ و نصیحت بھی کی جاتی ہے اور یہاں عموماً بچوں کی تعلیم کے مراکز بھی موجود ہیں اور یہ سارے کام ماضی کی طرح اب بھی مسلسل انجام پارہے ہیں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آج کل مساجد کے اصحاب حل و عقد اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے ہیں؟ اس سوال کا جواب کلی طور سے نفی میں ہے اول تو اس لئے کہ جن مساجد میں یہ سارے کام قابل ذکر اہتمام کے ساتھ ہوتے ہوں ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جو حضرات اپنی مسجدوں میں ان دینی خدمات کا اہتمام کرتے ہیں عام طور سے وہ یہ سارے کام رسمی طور پر انجام دیتے ہیں جو عموماً اپنی حقیقت اور روح سے خالی ہوتے ہیں یہاں سے عموماً چند بے اثر کلمات سنائی دیتے ہیں جو صرف کانوں تک پہنچتے ہیں دل میں داخل نہیں ہوتے۔

اور اس صورت حال کے دو اسباب ہیں: پہلا سبب یہ ہے کہ جو حضرات آج کل



کی مساجد سے دعوت و تبلیغ یا تعلیم و تدریس کا کام کرتے ہیں ان کی بھاری تعداد، الا ماشاء اللہ یہ کام سچے دینی جذبے سے انجام نہیں دیتی بلکہ بسا اوقات ان حضرات میں دین کے صحیح علم اور ٹھیکہ اسلامی تربیت کا بھی فقدان ہے۔

اور دوسرا سبب یہ ہے کہ مسجدوں کی دعوت اس وقت ٹھیک ٹھیک اثر انداز ہو سکتی ہے جب مسجدوں اور عوام کے درمیان ایک مضبوط رشتہ اور متواتر رابطہ قائم ہو۔ خیر القرون میں ائمہ کے وعظ و نصیحت کے موثر ہونے کا ایک بڑا راز یہ بھی تھا جو آج کلیہً مفقود ہے۔ آج ہمارے ائمہ مساجد اور محلے کے عوام کے درمیان کوئی ایسا رابطہ باقی نہیں رہا جو دعوت اسلامی کی راہ ہموار کر سکے، جو کچھ رابطہ ہے وہ انتہائی کمزور رابطہ ہے جو دن بھر میں چند منٹ سے زیادہ قائم نہیں رہتا اور یہ چند منٹ کا رابطہ بھی محلے کی اقلیت کے ساتھ قائم کرے اور جب تک یہ صورت حال تبدیل نہ ہو اس وقت تک مساجد کی دعوت موثر ہونے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی اور نہ مساجد کے وہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جو ماضی میں حاصل ہوتے رہے ہیں۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں ”مسجد کے پیغام“ کو زندہ کرنے کیلئے مندرجہ ذیل تجویزیں احقر کے ذہن میں ہیں۔

① ائمہ مساجد ایسے علماء میں سے منتخب کئے جائیں جنہوں نے اسلامی علوم کو ماہر اساتذہ حاصل کیا ہو یا وہ ایسی دینی درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہوں جن کے معیار تعلیم و تربیت پر عام طور سے اعتماد کی جاتا ہے۔

② ہر مسجد میں ایک ایسی انجمن ہونی چاہئے جو امام مسجد اور محلے کی عوام پر مشتمل ہو۔ یہ انجمن دعوت و تبلیغ کے لیے ایک عملی نظام بنائے۔ اس نظام کے تحت یہ سب لوگ ہر روز یا ہر ہفتے محلے کے عوام کے پاس جا کر ان سے شخصی ملاقاتیں کریں۔ انہیں نمازوں کی پابندی اور مسجدوں میں حاضری کی دعوت دیں۔ نیکیوں کی ترغیب دیں اور برائیوں سے باز رہنے کی تلقین کریں لیکن یہ سارا کام نرمی، شفقت



اور حکمت و مواعظتِ حسنہ کے اصول پر ہونا چاہئے۔

نیز اس انجمن کے افراد کو چاہئے کہ وہ محلے کے عوام کی مشکلات و مسائل سے باخبر ہوں اور ان کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنا کام کریں اور سب سے بڑھ کر اس کام کے لیے اس سچی دینی لگن اور حقیقی تڑپ کی ضرورت ہے جو کسی بھی مرحلے پر اکتاہٹ، تھکن اور سستی سے آشنا نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی سنت یہی ہے کہ انہوں نے اس کام میں اپنی پوری عمریں خرچ کر دیں، نہ کبھی اس سے اکتائے اور نہ مایوس ہوئے، نہ انہوں نے مذاق اڑانے والوں کی پرواہ کی، نہ برا بھلا کہنے والوں کو خاطر میں لائے بلکہ مسلسل اپنے کام میں لگے رہے۔ دراصل یہی وہ دعوت ہے جس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: **وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّیْ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ** اور نصیحت کرو کیونکہ نصیحت مؤمنین کو نفع پہنچاتی ہے۔

۳ ہر مسجد میں روزانہ مختصر درس قرآن ہونا چاہئے جس میں عام مسلمان شریک ہوں اس درس میں قرآن کریم کی تعلیمات سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کی جائیں اور اس میں طویل فنی بحثیں یا علمی اختلافات نہ چھیڑے جائیں۔

۴ امام مسجد کو چاہئے کہ وہ ایک دن عورتوں کی تعلیم کے لیے مقرر کر لے خواتین محلے کے کسی گھر میں جمع ہوں اور امام ان کو نصیحت کرے۔ اور انہیں دین کے ضروری احکام سکھائے اور نبی کریم ﷺ اور ازواجِ مطہرات رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے حالات اور تاریخ اسلام کے چیدہ چیدہ واقعات سنائے۔

۵ ائمہ مساجد کو تمام مسلمان حکومتوں کی طرف سے مکمل آزادی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے مواعظ، خطبوں اور درس قرآن وغیرہ میں کسی خوف و خطر کے بغیر دین کی صحیح تعلیمات بیان کریں خواہ وہ کسی فرد یا جماعت کے خلاف پڑتی ہوں۔

۶ ہر مسجد میں ایک مختصر دارالمطالعہ ہونا چاہئے جس میں مقامی زبان میں لکھی ہوئی دینی کتابوں کا مستند ذخیرہ موجود ہو اور عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔



اگر ہم ان تجاوز پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو امید یہ ہے کہ انشاء اللہ مساجد میں وہ فوائد دوبارہ حاصل ہو سکیں گے جو ماضی میں حاصل ہوئے ہیں لیکن ان سے محروم ہیں۔

آخر میں ایک اور اہم بات قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے بعض حلقے بسا اوقات پورے اخلاص سے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ مسجدوں کو مختلف اجتماعی اور معاشرتی سرگرمیوں کا مرکز بنا دینا چاہئے۔ مثلاً تجویز یہ کہ مسجدوں میں ہسپتال ہو، شادی گھر ہو، ان میں بعض کھیلوں کا انتظام ہو، یا ان میں کچھ میونسپل ادارے قائم کیے جائیں۔ لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ یہ تجویز خواہ کتنے اخلاص اور خیرطبی کے جذبے سے سے پیش کی گئی ہو۔ اسلام کے مزاج و مذاق اور مساجد کی حرمت سے کسی طرح میل کھانے والی نہیں ہے بلکہ مساجد کے اصل مقصد تعمیر کو مجروح کرنے کا باعث ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسلمان کی دنیا بھی دین ہوتی ہے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اسلام رہبانیت کا دین نہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ اسلام صرف عبادات ہی نہیں سکھاتا بلکہ اس میں معاملات کی بھی تعلیم و تلقین ہے لیکن اس یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ایک موضوع کو دوسرے موضوع میں خلط ملط کر دیا جائے۔ باہم تقسیم کار کے اصول کا انکار کر بیٹھیں یا ہم ایک چیز کے وظائف و فرائض کو کسی دوسری چیز کے سر ڈال دیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مساجد کا موضوع اور ان کا مقصد تعمیر وہی ہے جو ہم نے شروع میں بیان کیا اور مسجدیں کسی دوسرے کام کے لیے وضع نہیں ہوئیں خواہ وہ عمل فی نفسہ مباح یا مستحسن ہو۔ مشہور و معروف حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں کسی گمشدہ چیز کی تلاش کا اعلان کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ایسے شخص سے کہہ دو:



لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَاِنْ الْمَسَاجِدَ لَمْ تَبْنِ لِهَذَا  
 ”اللہ یہ چیز تمہیں واپس نہ کرے اس لیے کہ مسجدیں اس کام کے لیے وضع نہیں  
 ہوئیں۔“

ظاہر ہے کہ اپنی کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا کوئی حرام یا مکروہ نہیں مباح کام ہے  
 بلکہ بسا اوقات مستحب ہے۔ لیکن ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مسجدیں اس کام کے لیے  
 نہیں بنائی گئیں۔ بعض حضرات ان واقعات سے استدلال کرتے ہیں کہ بعض  
 اوقات مسجدوں میں مریضوں کا علاج بھی کیا گیا ہے وہاں سے لشکر بھی تیار کر کے  
 بھیجے گئے ہیں۔ وہاں مقدمات کے فیصلے بھی ہوئے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ سارے  
 کام مسجدوں میں جب بھی کیے گئے وقتی اور ہنگامی ضرورت کے لیے کیے گئے۔ ان  
 کو عام معمول بنانے کے لیے نہیں، جو مسجد کو مستقل طور سے ہسپتال یا عدالت بنانے  
 کی گنجائش پیدا کر سکے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ وقتی ضرورت کے تحت حضرت  
 ثمامہ بن اثال رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ کر گرفتار بھی رکھا گیا  
 ہے۔

دراصل یہ سارے کام وقتی اور ہنگامی ضروریات کے تحت انجام دیئے گئے ہیں  
 اور آج بھی ایسی ہنگامی صورت حال میں مسجدوں سے یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان  
 کاموں کو مساجد کے مستقل وظائف و مقاصد میں شامل کر لینا مغالطہ انگیز خلط  
 بحث ہے اور دین و شریعت کے لحاظ سے کسی طرح درست نہیں۔  
 وَآخِرُ عَوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔





حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## نظام مساجد اور دعوتِ اسلامی

ذیل میں ہم اس عربی مقالے کی مترجم تلخیص پیش کر رہے ہیں جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے رابطہ عالم اسلامی کی کانفرنس ”رسالۃ المسجد“ میں پیش کیا تھا۔ ﴿مرتب﴾ ادارہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على  
خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين

امّا بعد!

سب سے پہلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے ہمیں ایسے مقدس خطے میں جمع ہونے کی توفیق بخشی جو پوری دنیا کے لئے انوارِ ہدایت و معرفت کا سرچشمہ ہے۔ اور ہمیں یہاں اس مبارک مہینے میں جمع فرمایا جس میں قرآن کریم نازل ہوا اور جس میں انسانیت کو علم و ہدایت کی روشنی عطا ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس نعمت کا ہم جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ جلالتہ الملک خالد بن عبدالعزیز خادمِ حریم شریفین اور رابطہ عالم اسلامی کا ادارہ قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اس کانفرنس کے انعقاد کے لئے ایسے مقدس مقام اور ایسے مبارک ایام کا انتخاب کیا اور اس غرض کے لئے مشرق و مغرب کے ممتاز مسلمانوں کو سر جوڑ کر بیٹھنے کا موقع فراہم فرمایا۔ ہم پر واجب ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کریں اور اس موقع پر



شکر کا طریقہ یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنی نیتوں اور ارادوں کا محاسبہ کر کے یہ دیکھیں کہ ان میں کس قدر اخلاص ہے؟ اس عظیم اجتماع سے ہمارا مقصد اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا جوئی کے سوا کچھ نہ ہونا چاہیے۔ پھر ہمارا فریضہ ہے کہ جس موضوع پر غور و فکر کے لئے ہم جمع ہوئے ہیں اس پر غور و فکر کا حق ادا کریں اور اس کے لئے ایسا طریق کار تشکیل دیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کا باعث ہو اور جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں خیر و صلاح کا دور دورہ ہو سکے۔

اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ موجودہ دور میں ہم مسلمانوں پر شدید قسم کی غفلت اور بے عملی مسلط ہو گئی ہے اور اس بے عملی کا تعلق کسی خاص شعبہ حیات سے نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہم اپنے فرائض سے مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں ہم میں دین و دیانت کا داعیہ کمزور ہو چکا ہے اسلام کا پرچم سر بلند کرنے کے لئے ہماری ہمتیں پست ہو گئی ہیں ہمارے دلوں میں اللہ کی اطاعت و بندگی کے انوار مدھم ہو گئے ہیں اور ہم تبلیغ اسلام کا وہ جذبہ بیتاب کھو چکے ہیں جس نے روئے زمین کے ہر گوشے پر اسلام کا جھنڈا لہرا کر چھوڑا تھا۔

اسی عمومی دینی انحطاط کا ایک چھوٹا سا شعبہ یہ بھی ہے کہ ہم نے مساجد کا حق ادا کرنے اور اس کے پیغام کی نشر و اشاعت میں اس حد تک غفلت سے کام لیا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہیں ہم پر رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد صادق نہ آ رہا ہو کہ:-

مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ

ان کی مسجدیں (ظاہری طور پر) آباد ہوں گی، لیکن درحقیقت ویران لہذا یہ کانفرنس، اگر واقعہً یہ عزم لیکر بیٹھی ہے کہ مسجد کے حقیقی پیغام کو زندہ کرنے کی کوشش کرے گی، مسلمانوں کی اصلاح کے سلسلے میں مسجد کے کردار کو دوبارہ فعال اور موثر بنائے گی اور اس کے ذریعے تقویٰ، تعلق باللہ، صفائی قلب اور پاکیزگی روح کی بنیاد پر مسلم معاشرے کی تعمیر نو کرے گی تو یہ کانفرنس بلاشبہ قابلِ صد مبارک



باد ہے۔ لیکن اس غرض کے لئے ہمیں پہلے یہ طے کر لینا چاہیے کہ مسجد کیا چیز ہے؟ اس کا پیغام کیا ہے؟ اور اس پیغام کا حق کیونکر ادا ہو سکتا ہے؟

یہ بات کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہو سکتی کہ مساجد درحقیقت روئے زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور ان میں نمازیں ادا کی جاتی ہیں، لیکن جب ہم قرآن کریم، سنت نبویہ، خیر القرون کے تعامل اور سلف صالحین کے طرز عمل پر غور کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس دور کی مسجدیں درحقیقت مسلمانوں کے روحانی مراکز کی حیثیت رکھتی تھیں، انہی مسجدوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر ہوتا تھا، انہی میں نمازیں پڑھی جاتی تھیں، انہی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہوتا تھا، انہی میں قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی تھی، انہی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہوتا تھا، انہی میں قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی تھی، انہی میں اسلام کی طرف دعوت کا اہتمام ہوتا تھا، انہی میں نوخیز نسل کو صحیح اسلامی تربیت دی جاتی تھی، یہیں سے جان و مال سے بے پروا ہو کر کلمہ حق کہا جاتا تھا، یہیں پر مسلمانوں کے باطنی تزکیہ کا انتظام ہوتا تھا، یہیں ان کے اخلاق سنوارے جاتے تھے، یہیں پر ذہنوں کو دینی خطوط پر استوار کیا جاتا تھا، اور یہیں سے دعوت اسلامی کے وہ سپاہی نمودار ہوتے تھے جو صرف زبان اور باتوں سے نہیں، بلکہ اپنی ایک ایک نقل و حرکت اور ایک ایک ادا سے اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔

یہ سارے کام مسجد میں اس سرگرمی سے انجام دئے جاتے تھے کہ ہر مسجد اپنے محلہ کے لئے ہر بھلائی کا منبع اور ہر ہدایت کا سرچشمہ بن گئی تھی جو مسلمانوں میں خالص دینی روح پھونکتی تھی اور ان میں ایسی دینی غیرت و حمیت پیدا کر دیتی تھی کہ وہ نہ کبھی کسی بیرونی ترغیب و ترہیب کے آگے سر جھکانے کے لئے تیار تھے اور نہ کسی باطل نظریہ و عمل کو اپنانے کا خیال ان کے دل میں آ سکتا تھا، خواہ اس باطل نظریہ و عمل کا ظاہری روکار کتنا دلکش ہو۔ اور خواہ ساری دنیا اس کی شہرت اور رواج سے کتنی گونج رہی ہو۔



خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہم مختصر لفظوں میں ”مسجد کے پیغام“ کو تعبیر کرنا چاہیں تو وہ ہے: دعوت الی اللہ کلمہ حق کی نشر و اشاعت، خالص اسلامی ذہنیت کی تعمیر اور ایک ایسی عام دینی اور روحانی فضا کا قیام جس میں نیکیوں کو خود بخود فروغ ہو اور برائیاں اپنی موت آپ مرجائیں۔

ہو سکتا ہے کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ سارے کام تو آج بھی مسجدوں میں ہو رہے ہیں یہاں نمازیں بھی پابندی سے ہوتی ہیں۔ ہر جمعہ کو ان کے منبروں سے وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اور یہاں عموماً بچوں کی تعلیم کے مراکز بھی موجود ہیں اور یہ سارے کام ماضی کی طرح اب بھی مسلسل انجام پا رہے ہیں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آجکل مساجد کے اصحاب حل و عقد اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے ہیں؟

اس سوال کا جواب کئی طور سے نفی میں ہے۔ اول تو اس لئے کہ جن مساجد میں یہ سارے کام قابل ذکر اہتمام کے ساتھ ہوتے ہوں ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جو حضرات اپنی مسجدوں میں ان دینی خدمات کا اہتمام کرتے ہیں عام طور سے وہ یہ سارے کام رسمی طور پر انجام دیتے ہیں جو عموماً اپنی حقیقت اور روح سے خالی ہوتے ہیں۔ یہاں سے عموماً چند بے اثر کلمات سنائی دیتے ہیں جو صرف کانوں تک پہنچتے ہیں دل میں داخل نہیں ہوتے۔ اور اس صورت حال کے دو اسباب ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ جو حضرات آجکل کی مساجد سے دعوت و تبلیغ یا تعلیم و تدریس کا کام کرتے ہیں ان کی بھاری تعداد الا ماشاء اللہ یہ کام سچے دینی جذبے سے انجام نہیں دیتی بلکہ بسا اوقات ان حضرات میں دین کے صحیح علم اور ٹھیک اسلامی تربیت کا بھی فقدان ہوتا ہے۔

اور دوسرا سبب یہ ہے کہ مسجدوں کی دعوت اس وقت ٹھیک ٹھیک اثر انداز ہو سکتی



ہے جب مسجدوں اور عوام کے درمیان ایک مضبوط رشتہ اور متواتر رابطہ قائم ہو، خیر القرون میں ائمہ کے وعظ و نصیحت کے موثر ہونے کا ایک بہت بڑا راز یہ بھی تھا جو آج کلیہً مفقود ہے۔ آج ہمارے ائمہ مساجد اور محلّے کے عوام کے درمیان کوئی ایسا رابطہ باقی نہیں رہا جو دعوتِ اسلامی کی راہ ہموار کر سکے، جو کچھ رابطہ ہے وہ انتہائی کمزور رابطہ ہے جو دن بھر میں چند منٹ سے زیادہ قائم نہیں رہتا، اور یہ چند منٹ کا رابطہ بھی محلّے کی اقلیت کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ رہی محلّے کی اکثر آبادی، سو وہ اپنے امام کی صورت بھی نہیں پہچانتی، چہ جائیکہ اس کے ساتھ کوئی تعلق قائم کرے۔ اور جب تک یہ صورت حال تبدیل نہ ہو اس وقت تک مساجد کی دعوت کے موثر ہونے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی، اور نہ مساجد کے وہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جو ماضی میں حاصل ہوتے رہے ہیں۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں ”مسجد کے پیغام“ کو زندہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تجویزیں احقر کے ذہن میں ہیں:-

① ائمہ مساجد ایسے علماء میں سے منتخب کئے جائیں جنہوں نے اسلامی علوم کو ماہر اساتذہ سے حاصل کیا ہو یا وہ ایسی دینی درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہوں جن کے معیار تعلیم و تربیت پر عام طور سے اعتماد کیا جاتا ہے۔

② ہر مسجد میں ایک ایسی انجمن ہونی چاہیے جو امام مسجد اور محلّے کے عوام پر مشتمل ہو۔ یہ انجمن دعوت و تبلیغ کے لئے ایک عملی نظام بنائے۔ اس نظام کے تحت یہ سب لوگ ہر روز یا ہر ہفتے محلّے کے عوام کے پاس جا کر ان سے شخصی ملاقاتیں کریں، انہیں نمازوں کی پابندی اور مسجدوں کی حاضری کی دعوت دیں، نیکوں کی ترغیب دیں۔ اور برائیوں سے باز رہنے کی تلقین کریں، لیکن یہ سارا کام نرمی، محبت و شفقت اور حکمت و موعظہ حسنہ کے اصول پر ہونا چاہئے۔ نیز اس انجمن کے افراد کو چاہیے کہ وہ محلّے کے عوام کی مشکلات و مسائل سے باخبر ہوں، اور ان کو نگاہ میں رکھتے ہوئے



اپنا کام کریں۔ اور سب سے بڑھ کر اس کام کے لئے اس سچی دینی لگن اور حقیقی تڑپ کی ضرورت ہے جو کسی بھی مرحلہ پر اکتاہٹ، تھکن اور سستی سے آشنا نہ ہو، انبیاء علیہم السلام کی سنت یہی ہے کہ انہوں نے اس کام میں اپنی پوری عمریں خرچ کر دیں۔

نہ کبھی اس سے اکتائے اور نہ مایوس ہوئے، نہ انہوں نے مذاق اڑانے والوں کی پروا کی، نہ بُرا بھلا کہنے والوں کو خاطر میں لائے، بلکہ مسلسل اپنے کام میں لگے رہے دراصل یہی وہ دعوت ہے جس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

”وَذَكَرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ“

اور نصیحت کرو؛ کیونکہ نصیحت مؤمنین کو نفع پہنچاتی ہے

۳) ہر مسجد میں روزانہ مختصر درس قرآن ہونا چاہیئے جس میں عام مسلمان شریک ہوں۔ اس درس میں قرآن کریم کی تعلیمات سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کی جائیں اور اس میں طویل فنی بحثیں یا علمی اختلافات نہ چھیڑے جائیں۔

۴) امام مسجد کو چاہیئے کہ وہ ایک دن عورتوں کی تعلیم کے لئے مقرر کر لے۔ خواتین محلے کے کسی گھر میں جمع ہوں اور امام ان کو نصیحت کرے، انھیں دین کے ضروری احکام سکھائے اور نبی کریم ﷺ اور ازواج مطہرات کے حالات اور تاریخ اسلام کے چیدہ واقعات سنائے۔

۵) ائمہ مساجد کو تمام مسلمان حکومتوں کی طرف سے مکمل آزادی ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے مواعظ، خطبوں اور درس قرآن وغیرہ میں کسی خوف و خطر کے بغیر دین کی صحیح تعلیمات بیان کریں۔ خواہ وہ کسی فرد یا جماعت کے خلاف پڑتی ہوں۔

۶) ہر مسجد میں ایک مختصر دارالمطالعہ ہونا چاہیئے جس میں مقامی زبان میں لکھی ہوئی دینی کتابوں کا مستند ذخیرہ موجود ہو اور عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اگر ہم ان تجاویز پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو امید یہ ہے کہ



انشاء اللہ مساجد کے وہ فوائد دوبارہ حاصل ہو سکیں گے جو ماضی میں حاصل ہوئے ہیں، لیکن ہم ان سے محروم ہیں۔

آخر میں ایک اور اہم بات قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے بعض حلقے بسا اوقات پورے اخلاص سے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ مسجدوں کو مختلف اجتماعی اور معاشرتی سرگرمیوں کا مرکز بنادینا چاہیے، مثلاً تجویز یہ ہے کہ مسجدوں میں ہسپتال ہو، شادی گھر ہو ان میں بعض کھیلوں کا انتظام ہو یا ان میں کچھ میونسپل ادارے قائم کئے جائیں۔

لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ یہ تجویز خواہ کتنے اخلاص اور خیر طلبی کے جذبے سے پیش کی گئی ہو، اسلام کے مزاج و مذاق اور مساجد کی حرمت سے کسی طرح میل کھانے والی نہیں ہے، بلکہ مساجد کے اصل مقصد تعمیر کو مجروح کرنے کا باعث ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسلمان کی دنیا بھی دین ہوتی ہے، اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اسلام رہبانیت کا دین نہیں، یہ بھی سچ ہے کہ اسلام صرف عبادات ہی نہیں سکھاتا، بلکہ اس میں معاملات کی بھی تعلیم و تلقین ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ایک موضوع کو دوسرے موضوع میں خلط ملط کر دیا جائے، یا ہم تقسیم کار کے اصول کا انکار کر بیٹھیں، یا ہم ایک چیز کے وظائف و فرائض کو کسی دوسری چیز کے سر ڈال دیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مساجد کا موضوع اور ان کا مقصد تعمیر وہی ہے جو ہم نے شروع میں بیان کیا، اور مسجدیں کسی دوسرے کام کے لئے وضع نہیں ہوئیں، خواہ وہ عمل فی نفسہ مباح یا مستحسن ہوں۔ مشہور و معروف حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں کسی گمشدہ چیز کی تلاش کا اعلان کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ایسے شخص سے کہہ دو:-

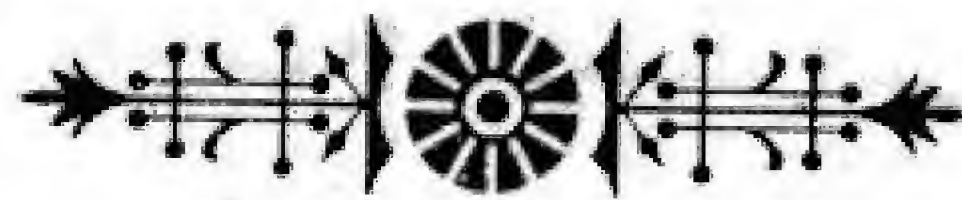


”لَارَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ“ فَانَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا“

اللہ یہ چیز تمہیں واپس نہ کرے اس لئے کہ مسجدیں ۱۔ م کے لئے وضع نہیں ہوئیں  
ظاہر ہے کہ اپنی کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا کوئی حرام یا مکروہ نہیں، مباح کام ہے بلکہ  
بسا اوقات مستحب ہے، لیکن ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں  
بنائی گئیں۔

بعض حضرات ان واقعات سے استدلال کرتے ہیں کہ بعض اوقات مسجدوں  
میں مریضوں کا علاج بھی کیا گیا ہے، وہاں سے لشکر بھی تیار کر کے بھیجے گئے ہیں،  
وہاں مقدمات کے فیصلے بھی ہوئے ہیں، لیکن درحقیقت یہ سارے کام مسجدوں میں  
جب بھی کئے گئے وقتی اور ہنگامی ضرورت کے لئے کئے گئے، ان کو عام معمول بنانے  
کے لئے نہیں جو مسجد کو مستقل طور سے ہسپتال یا عدالت بنانے کی گنجائش پیدا کر سکے،  
اس کی واضح مثال یہ ہے کہ وقتی ضرورت کے تحت حضرت ثمامہ بن اثال  
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ کر رفتار بھی رکھا گیا ہے، لیکن اس کا یہ  
مطلب کون نکال سکتا ہے کہ آئندہ مسجدوں کو مستقل جیل یا قید خانہ بنا دینا چاہیے۔  
دراصل یہ سارے کام وقتی اور ہنگامی ضروریات کے تحت انجام دیئے گئے ہیں اور  
آج بھی ایسی ہنگامی صورت حال میں مسجدوں سے یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان  
کاموں کو مساجد کے مستقل وظائف و مقاصد میں شامل کر لینا مغالطہ انگیز خلط  
مبحث ہے اور دین و شریعت کے لحاظ سے کسی طرح درست نہیں۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (ماہانہ البلاغ کراچی دسمبر ۱۹۷۷ء)





مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ

## طالب علم کا نصاب زندگی

قرآن کریم کی ایک آیت ہے ﴿فَلَوْ لَا نَفَر مِّنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ﴾ یہ آیت تو مختصری ہے لیکن درحقیقت یہ اہل علم کا پورا نصاب تعلیم ہے۔ صرف نصاب تعلیم ہی نہیں بلکہ نصاب زندگی ہے۔ طالب علم کو، اہل علم کو کیا کرنا ہے؟ لیتفقہو فی الدین تک یہ بات بتائی گئی کہ جو طائفہ علم دین حاصل کرنے کے نام پر جمع ہوا ہے، اس کا کام یہ ہے کہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرے۔ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی تفسیر بار بار کرتا آیا ہوں کہ محض تعلیم حاصل کرنا مقصود نہیں، دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے اور سمجھ بوجھ اس کو کہا جائے گا جب کہ علم کے ساتھ عمل بھی ہو۔

جہل کی حقیقت: جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو وہ سمجھ بوجھ نہیں کہلاتا۔ ایسا علم تو شیطان کو بھی ہے۔ ابو جہل اور ابولہب کو بھی تھا ﴿وَجحدو ابھاو استیقنتھا انفسھم ظلماً وعلواً﴾۔ قرآن کا اعلان ہے کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر جود (انکار) کیا تھا، ابولہب، ابو جہل یہ سب حضور سرور عالم ﷺ کی نبوت سے رسالت سے، آپ ﷺ کی شان سے واقف تھے، ناواقف نہیں تھے، جانتے بوجھتے یہ (تکذیب) کرتے تھے۔

ابو جہل کا تو مشہور قصہ ہے کہ بہت سی چیزوں میں اس کا اعتراف پایا گیا، مگر جب اس کو کہا گیا کہ کمبخت تو جانتا اور مانتا ہے اور قرآن کی عظمت کو بھی پہچانتا ہے،



تجھ کو رسول کریم ﷺ (کی صداقت) کا قوی اعتراف ہے تو پھر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا؟ اس نے کہا کہ بات ساری یہ ہے کہ قبیلوں کی جنگ جیسے ہوتی ہے اسی طرح بنو ہاشم کا اور ہمارا مقابلہ ہے۔ سب کاموں میں تو یہ ہوتا ہے کہ بنو ہاشم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے یہ کام کیا تو وہ ہم بھی کرتے ہیں۔ جتنے کام اچھے سمجھے جاتے ہیں، دنیا میں سخاوت کے، شجاعت کے، بہادری کے، جو عرب میں مشہور تھے۔ نیک کام، ان سب نیک کاموں میں جو کام بنی ہاشم کہتے ہیں کہ ہم کرتے ہیں تو ہم بھی ان کا جواب دے دیتے ہیں۔ لیکن اب انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہمارے میں ایک رسول آیا ہے اس کا ہمارے پاس کیا جواب ہے؟ اس واسطے ہم انہیں رسول نہیں مانتے، نہ ماننے کا سبب یہ ہے کہ بنی ہاشم کی برتری ہمارے اوپر ثابت ہو جائے گی اور ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ تو بہر حال کہنا میرا یہ ہے کہ جیسے ابلیس حضور ﷺ کو بھی جانتا ہے اور اللہ کی توحید کو بھی، لیکن ان تمام چیزوں کو جاننے کے باوجود جو د کرتا ہے۔ قریب قریب یہ حال تھا ابولہب اور ابو جہل کا اور دوسرے ان کافروں کا جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہے ہیں جنہوں نے آپ کو پرکھا ہے، دیکھا ہے۔ آنکھوں سے مشاہدات کئے ہیں سب کو یقین تھا آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا، اس کے باوجود اپنے اغراض دنیوی اور خواہشات کی بنا پر جو د کیا کرتے تھے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تفقہ فی الدین اس کا نام نہیں کہ کسی چیز کو جان لے، یا کسی مسئلہ کو جان لے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز ہے، مکروہ ہے یا مستحب ہے۔ اتنا جان لینے کا نام علم نہیں ہے۔ اتنا جان لینے کے بعد فقہ نہیں ہے۔ فقہ دین کی سمجھ بوجھ کا نام ہے، جس کے پیچھے عمل ہونا چاہیے۔ جس کے علم کے ساتھ عمل نہ آیا، جس علم پر عمل مرتب نہ ہو وہ علم کہلانے کا مستحق نہیں۔ حدیث کے الفاظ میں اس کو جہل کہا گیا ہے ”ان من العلم لجہل“ یعنی بعض علم جہل ہوتے ہیں۔ یہ علم کہ جس کے پیچھے عمل نہ ہو وہ علم جہل ہوتے ہیں۔ یہ علم کہ جس کے پیچھے



عمل نہ ہو وہ علم شریعت کی اصطلاح میں، حدیث کی اصطلاح میں علم کہلانے کا مستحق نہیں، وہ جہل ہے۔ علم کا مقصود اور ہماری کیفیت تفقہ فی الدین کا لفظ قرآن میں اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ علم کے ساتھ اور اس کے پیچھے پیچھے عمل آئے اور آپ کو یہ محسوس ہو کہ اگر ہم نے ہدایہ پڑھی، قدوری پڑھی، کنز پڑھی، ان معاملات کا باب پڑھا کہ فلاں معاملہ جائز ہے، فلاں ناجائز ہے۔ یہ حرام ہے، یہ مکروہ ہے، یہ مستحب ہے۔ اگر ہم بازار میں جا کر وہ اپنے اسباق یاد نہیں کرتے تو ہمارا پڑھا لکھا بیکار ہے۔ اب تو ہمارا حال یہ ہے کہ کتاب مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے، آگے مدرسہ سے باہر اس کتاب کا کوئی اثر ہمارے وجود میں نہیں ہوتا۔ معاملات کرنے کے لیے چلیں تو ہمیں کچھ فکر نہیں ہوتی کہ ہم سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ بول رہے ہیں۔ جو جی چاہتا ہے کہہ دیتے ہیں، تجارت کرنا ہو، بیچنا ہو یا خریدنا ہو جو جی میں آیا کہہ دیا اور کچھ فکر نہیں کرتے کہ ہم یہ غلط کر رہے ہیں یا صحیح کر رہے ہیں۔

غرض یہ کہ جس علم کے ساتھ معاملات اگر پڑھیں تو آپ کے معاملات کی درستگی ہونی چاہیے۔ محاسبہ کرو اپنے معاملات کا، آداب اور اخلاق پڑھیں، قرآن و حدیث سارا بھرا ہوا ہے ان آداب و اخلاق سے، عادات اور معاشرت سے، سارے قرآن و حدیث میں اس کی تعلیم دی گئی ہے، جو کچھ بھی پڑھا ہے اس کا اثر آپ کے اعمال پر ہونا چاہیے۔ اپنے دل پر ہونا چاہیے۔ وہ آدمی پہچانا جانا چاہیے اس چیز سے کہ یہ علم دین پڑھتا ہے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہو، اس کے عمل سے معلوم ہو۔ پہلے تو عام مسلمانوں کا یہ رنگ تھا کہ محض ان کو دیکھ کر لوگ ان کو پہچانا کرتے تھے کہ یہ مسلمان ہیں ”الذین اذارؤ و اذکر اللہ“ جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کرنے کا کام تفقہ فی الدین ہے۔ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے، یہ ساری کائنات کا حاصل ہے۔ آٹھ برس جو آپ مدرسہ میں رہ کر کچھ سیکھیں گے، پڑھیں گے ان سب کا حاصل یہی دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے



اور سمجھ بوجھ پیدا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ علم کے ساتھ عمل ہو۔ آپ کے اعمال پر، آپ کی چال ڈھال پر اور آپ کی حرکت و سکون پر اپنے علم کا اثر ہو۔ یہ ہے تفقہ فی الدین۔ یہاں تک کی بحث پہلے مفصل آچکی ہے۔ اس کا تھوڑا سا خلاصہ اعادہ کیا گیا۔

تدبر فی القرآن کی اہمیت: آگے اس کے بعد دوسرا نمبر یہ بتایا گیا کہ علم دین پڑھنے کے بعد کیا کرنا ہے؟ قرآن کریم کے الفاظ کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں تدبر کرنا غور و فکر کرنا، اہل علم نے چھوڑ دیا ہے۔ عوام تو بے چارے کیا کریں؟ الفاظ قرآن کو دیکھتے ہی نہیں، بلکہ قرآن کیا چاہتا ہے۔ اگر غور کریں تو قرآن کے ایک ایک لفظ میں عجیب عجیب ہدایتیں ہیں۔ ابھی جیسے میں نے کہا کہ قرآن نے لیتعلموا الدین نہیں کہا ”لیتفقہوا فی الدین“ کہا ہے۔ یہ الفاظ بدل دیں۔ اتنے سے الفاظ بدلنے سے معانی میں ایک بڑا انقلاب آجائے گا۔ یہاں تک تو تفسیر یہ بتلائی کہ طالب علمی کے زمانہ میں جو آپ چل کر آئے ہیں۔ علم حاصل کرنے کے لئے، اس کا حاصل تفقہ فی الدین ہے اور اسے آپ کو حاصل کرنا ہے جس قیمت پر بھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا جیسے میں نے پہلے کہا تھا کہ جب تک پورا کا پورا اپنا وجود اور اپنی توانائی اس علم کے پیچھے نہیں خرچ کرو گے تفقہ فی الدین نہیں آئے گا۔

دینی طلباء کی کوتاہ نظری: آگے فرمایا جاتا ہے کہ تفقہ فی الدین حاصل ہو گیا۔ آپ مدرسے سے پڑھ کر فارغ ہو گئے اور فرض کرو جیسا ہونا چاہیے ویسے ہو گئے۔ دین کی سمجھ بوجھ بھی حاصل ہو گئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے علم کے ساتھ عمل بھی دے دیا۔ آگے کیا کرنا ہے؟ آپ کے پیش نظر کیا ہوگا؟ آج کل کی دنیا میں کالج اور یونیورسٹی اور اسکولوں کے طالب علم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ڈگری ملے گی، سرکاری دفاتروں میں، آپ کے یہاں تو یہ قصہ نہیں، آپ کی مسند پر تو کوئی نوکری نہیں۔ لیکن بد قسمتی



سے کہو یا خوش قسمتی سے، کچھ نوکریاں یہاں بھی ملنے لگیں۔ ہماری مسند پر اور ہمارے اس فارغ ہونے پر کہیں مدرسہ کی مدرسہ اور کہیں کسی مسجد کی امامت و خطابت وغیرہ۔  
 علما کا منصب جلیلہ: قرآن سے پوچھئیے، قرآن کیا چاہتا ہے؟ آپ کو کیا کرنا چاہیے؟ آپ کی اور ہر ایک کی نظر اس پر جاتی ہے کہ پڑھنے کے بعد ہمیں کہیں ملازمت کرنی ہے۔ معاش کی فکر اپنی جگہ ہے وہ بھی شریعت کے احکام کے تابع ہے، وہ کوئی گناہ نہیں، عیب نہیں ”کسب المعاش فریضة بعد الفریضة“  
 حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسب معاش بھی فریضہ ہے دوسرے فرائض کے بعد، لیکن علم پڑھنے کے نتیجے میں کسب معاش اس پر مرتب کرنا یہ قرآن کے الفاظ کو دیکھو معلوم ہوگا کہ اس سے یہاں کوئی تعلق ہی نہیں، علم پڑھنے کے بعد آپ کی معاش کیا ہوگی؟ قرآن اس کی طرف بھی اشارہ نہیں کرتا، علم پڑھنے کے بعد تمہیں کیا کرنا ہے؟

﴿وَلِيَنْذِرْ وَاَقُوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ﴾ تو دو طبقے ہو گئے، اوپر کی آیت میں دو طبقہ کر دیئے گئے تھے۔ ایک طبقہ وہ جو جہاد میں جاتا ہے، اللہ کے لیے جہاد کرتا ہے۔ جانیں اپنی قربان کرتا ہے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے، یہ ایک طبقہ ہے۔ رہ گیا دوسرا طبقہ جو علم دین حاصل کرے۔ تو اس طبقہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ جس نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں رہ کر علم دین اور تفقہ فی الدین حاصل کیا ہے۔  
 ﴿وَلِيَنْذِرْ وَاَقُوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ﴾ یعنی جب وہ لوگ واپس آئیں جو جہاد میں گئے ہوئے ہیں ان کو انذار کرو۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ اگر تم ان کو انذار کرو گے، ان میں حذر (ڈر) پیدا ہوگا۔ آخرت کی فکر پیدا ہو جائے گی۔

عزیزو! قرآن کے الفاظ میں تو غور کرو۔ بہر حال قرآن کریم اور حضور ﷺ کی تعلیمات کسب معاش کے منافی تو نہیں؟ اور کسب معاش کو حرام قرار نہیں دیتے، بلکہ فریضۃ بعد الفریضۃ کہتے ہیں، لیکن تعلیم دین پر مرتب نہیں کرتے۔ تعلیم دین کے



بعد تمہاری نوکری کیا ہوگی؟ کیا کہیں مدرسہ میں مدرس بنو گے؟ یا مسجد کے امام و خطیب بنو گے؟ قرآن نے نہ یہاں امامت کا ذکر کیا اور نہ کسی مدرسے کا۔ قرآن نے ذکر یہ کیا ﴿وَلْيَنْذِرْ وَاَقْوَمُھُمْ﴾ انذار کرو اپنی قوم کو، وہ قوم کہ جو دوسرے کام میں لگی ہوئی تھی اور اسے علم دین سیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ ان کو انذار کرو۔ تمہیں جو کچھ علم دین حاصل ہوا ہے امانت ہے وہ ان تک پہنچاؤ۔ یہ کام کرنا ﴿لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ﴾ غرض کہ عمر بھر کی خدمت اور عمر بھر کی ڈیوٹی اور ذمہ داری تمہارے عالم ہونے کی صرف اتنی ہے کہ جو کچھ امانت علم دین کی تمہیں حاصل ہوئی ہے، یہ ان لوگوں کو پہنچا دو جنہیں علم دین حاصل نہیں۔

انذار و تبلیغ کی عمومیت: اور اس جگہ قرآن نے ﴿لْيَنْذِرْ وَاَقْوَمُھُمْ﴾ کہا ہے۔ مقصد کے اعتبار سے غور کرو۔ تو یہ مفہوم عام ہو جائے گا۔ مراد یہ ہے کہ جو لوگ علم دین حاصل کرنے سے قاصر رہے۔ اس واسطے کہ ان کو جہاد کرنا تھا۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے جو اور دوسرے جائز چیزوں کی وجہ سے قاصر رہ گئے جیسے تجارت پیشہ لوگ ہیں، زراعت پیشہ لوگ ہیں، کاشت کاری اور مزدوری کرنے والے لوگ ہیں یہ لوگ کوئی دین کا فریضہ تو ادا نہیں کر رہے۔ ظاہر ہے کہ جیسے جہاد کرنا فرض ہے اس طرح مزدوری کرنا یا تجارت کرنا دین کے فرائض میں سے تو نہیں ہے۔ اپنی دنیاوی ضروریات اور جائز ضرورت حلال ضرورت کے مطابق لگ کر تجارت میں لگ گئے۔ مزدوری میں لگ گئے، صنعت میں لگ گئے یا کسی اور کام میں لگ گئے اور اس واسطے ان کو علم دین حاصل کرنے کی فرصت نہ مل سکی تو تمہاری ذمہ داری ہے کہ ان کو پہنچاؤ۔ جن لوگوں نے علم دین پڑھا ہے، تفقہ فی الدین حاصل کیا ہے ان کی ذمہ داری لگادی کہ ان لوگوں کو علم دین پہنچاؤ جنہیں کسی جائز وجہ سے علم دین حاصل نہیں ہو سکا۔ خواہ جہاد وجہ ہو یا اور دوسری وجہ ہوں، جن کو شریعت میں جائز قرار دیا ہے۔



تبلیغ و تعلیم کا فرق: پہنچانا کیا ہے؟ پہنچانے کی دو قسمیں ہیں۔ قرآن نے اس جگہ اس کی تفصیل نہیں کی۔ جو امانت علم دین کی آپ نے حاصل کی ہے وہ دوسروں تک پہنچانے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تعلیم، دوسری تبلیغ۔ تعلیم و تبلیغ میں فرق سمجھتے ہو یا نہیں؟ تبلیغ کے معنی ایک کلمہ کو پہنچا دینے کے ہیں۔ ایک بے علم کو واقف کر دینا، ایک شخص کو علم نہیں ہے مسئلہ کا اس کو مسئلہ بتا دینا، یہ تبلیغ ہوگئی۔ ایک شخص کو ایمان کی حقیقت معلوم نہیں، اس کو بتا دیا کہ اللہ ایک ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرنا حرام ہے، تبلیغ ہوگئی۔

تعلیم کہتے ہیں دین کو تھوڑا تھوڑا ترتیب کے ساتھ پورا بتانا۔ تبلیغ میں یہ تو کہہ دیا کہ نماز پڑھا کرو۔ اب جا کر تم نماز پڑھو۔ تعلیم میں اسے تمام آداب و قواعد سکھانے پڑیں گے۔ تعلیم کا لفظ عربی لغت کے اعتبار سے بھی آتا ہے۔ تھوڑا تھوڑا آہستہ آہستہ سکھانا، تعلیم کا ترجمہ سکھانا ہے اور تبلیغ کا ترجمہ پہنچانا ہے۔ ان دونوں لفظوں میں اردو زبان کے اعتبار سے بھی فرق ہے، سکھانا اور پہنچانا کسی کو ایک بات پہنچا دی یہ اور چیز ہے اور کسی کو کام سکھانا اور چیز ہے۔ تبلیغ و تعلیم علما کے فرائض ہیں: دونوں فرائض علما کے ہیں، تعلیم بھی، تبلیغ بھی۔ تعلیم دینے کی بھی ضرورت ہے۔ رسول اکرم ﷺ میں دونوں شانیں تھیں، ﴿بَلِّغْ مَا نَزَّلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾۔ تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا اور ایسے ہی ”انما بعثت معلماً“ اور قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿يَعْلَمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ﴾، تعلیم کتاب و حکمت رسول کریم ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔ تو تعلیم بھی رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں ہے اور تبلیغ بھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں چیزوں کے متعلق ہدایتیں کی ہیں، معلمین کے لیے الگ ہدایتیں کی ہیں اور مبلغین کے لیے الگ اور حضور اکرم ﷺ نے دونوں کام کیے ہیں، تعلیم کا بھی، تبلیغ کا بھی۔



تبلیغ کی فوقیت: لیکن اس جگہ قرآن عظیم نے تعلیم سے بھی آگے تبلیغ کو ذکر فرمایا: ﴿وَلْيَنْذِرِ اقْوَمَهُمْ اِذَا رَجَعُوا اِلَيْهِمْ﴾ اِنداز کریں اپنی قوم کو جب وہ لوٹ کر آئیں۔ انداز ایک قسم کی تبلیغ ہے، تعلیم نہیں، تبلیغ کو اس جگہ ساری چیزوں سے مقدم رکھا ہے۔ اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا حاصل بھی تبلیغ ہی ہے۔

غور کرو جتنے طلبہ کو ہم یہاں تعلیم دے رہے ہیں اس کا منشاء کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ کے اور اللہ کے احکام پہنچانا تبلیغ کا مفہوم ہے، اس کے ایک مکمل صورت یہ ہے کہ دین کے احکام خواہ ان کو اس کی ضرورت ہے یا نہیں، ہم نے ان کو سارے سکھا دیئے، پڑھا دیئے، تاکہ آگے جا کر یہ اور لوگوں تک پہنچائیں۔ تعلیم کا بھی اصل مقصود تبلیغ ہے۔ اگر تعلیم تعلیم ہی کے درجہ میں رہے اور تبلیغ تک نہ پہنچ سکے تو اس کا حاصل پھر یہ ہے کہ وہ اپنے مقصد کو پہنچا نہیں۔ اگر ہماری تعلیم یہ رہے کہ ہم نے جو کتاب پڑھی وہ دوسروں کو پڑھا دیں صرف اتنا کام نہیں بلکہ کتاب پڑھانے کے پیچھے یہ بھی ہے کہ اس کو دین سکھا دیں اور اسے دوسروں تک پہنچا دیں۔

انذار کا مفہوم: قرآن مجید نے اس آیت میں اہل علم کا مقصد زندگی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بتایا، انداز اب غور کرو قرآن کے الفاظ میں کہ قرآن نے تبلیغ نہیں کہا بلکہ لیبلغوا تو مہم نہیں کہا بلکہ لینذروا تو مہم فرمایا۔ قرآن کے ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ میں عجیب و غریب نکات ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ نہ قرآن کو کوئی اس نیت سے پڑھتا ہے عوام کے کہنے کہا ہیں۔ عالموں کو فکر نہیں، ہر بات میں ذرا ذرا سے رد و بدل سے بڑا فرق اور بڑے دور رس فوائد، پیدا ہو جاتے ہیں۔

انذار کا مفہوم سمجھیں، انذار کے لفظی معنی ڈرانے کے ہیں اور اسی لیے نذیر ڈرانے والے کو کہا جاتا ہے۔ انبیا کی شان میں بشیر و نذیر دونوں صفت آتی ہے، بشیر اس واسطے کہ وہ نیک کام کرنے والوں کو خوش خبری سنانے والے ہیں اور نذیر (ڈرانے والے) اس لیے کہ وہ جہنم سے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، لیکن



مطلق ڈرانے کے معنی نہیں۔ عربی لغت کو اللہ تعالیٰ نے عجیب خوبی عطا فرمائی ہے۔ اس کے عجیب خواص ہیں۔ ڈرنے کے معنی میں خوف کا لفظ بھی آتا ہے۔ نذیر کا مادہ بھی خوف کے معنی میں آتا ہے۔ خوف تو ہے ہی اور بہت سے الفاظ آتے ہیں خوف کے معنی میں۔ حذر بھی خوف کے معنی میں آتا ہے۔

انذار و تخویف کا امتیاز اور ان کے نتائج: لیکن انبیاء علیہم السلام کے لیے جو صفت بتائی ہے وہ نذیر بتائی اور اہل علم کو حکم دیا تو وہ انذار کا حکم دیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انذار کے معنی مطلق ڈرانے کے نہیں۔ جہاں تک ڈرانے کا تعلق ہے تو بلی، شیر اور بھیڑ یا بھی ڈراتا ہے اور انسان اس سے ڈرتا ہے کہ پھاڑ کھائے گا۔ ایک چور، ڈاکو ڈراتے ہیں کہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے۔ ایک حاکم افسر ڈراتا ہے، غرض ایک ڈرانا تو وہ ہے جو تکلیف سے ڈرایا جاتا ہے، اپنی قوت قاہرہ کی بنا پر، اس کا نام انذار نہیں، اس کو تخویف کہیں گے۔ انذار اس ڈرانے کو کہیں گے جو شفقت کی بنا پر ہو۔ شفقت و محبت کے داعیہ سے انذار پیدا ہو، اس ڈرانے کا نام انذار ہے، جیسے باپ ڈراتا ہے بیٹے کو پچھو سے، سانپ سے، آگ سے۔ باپ کہتا ہے کہ بیٹا آگ کے قریب ہاتھ نہ کرو، ہاتھ جل جائے گا اور تمام مضر چیزوں سے ڈراتا ہے، یہ ڈرانا ایسا نہیں جیسے چور ڈراتا ہے۔ چور بھی ڈراتا ہے، ڈاکو بھی ڈراتا ہے اور باپ بھی ڈراتا ہے۔ ان میں بڑا فرق ہے یا نہیں؟ چور ڈاکو اس سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ تو اس کا مال چھیننے کے لیے ڈراتا ہے اور انذار کہتے ہیں اس کو جو ہمدردی پیدا ہو۔ جیسے استاد ڈراتا ہے شاگرد کو کہ دیکھو! اگر ایسا کرو گے تو تمہارا نقصان ہو جائے گا۔ پیر ڈراتا ہے اپنے مرید کو، باپ ڈراتا ہے اپنی اولاد کو، الغرض جو ہمدردی و شفقت سے پیدا ہو اس کا نام ہے انذار۔ اسی واسطے انبیاء علیہم السلام کی شان میں نذیر کا لفظ آیا؟ بشیراً و نذیراً۔ کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کی شان یہی ہے کہ وہ دشمنوں کو بھی اگر کوئی ڈر کی بات سناتے ہیں تو وہ ہمدردی سے پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کا بڑا فرق ہے کہ جو تخویف چور ڈاکو کرتا ہے



اور وہ تخویف جو باپ اور استاد کرتا ہے وہ انداز اور اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اثرات کا بھی فرق ہے ظاہر ہے کہ چور، ڈاکو ڈراتا ہے (انسان) اس سے ڈرتا بھی ہے اور عمر بھر کے لیے اس کا دشمن ہو جاتا ہے، اس کی شکل دیکھنے سے بھی بھاگتا ہے، آج تو اتفاق سے مل گیا۔ لیکن آئندہ ایسی کوشش کرے گا کہ اس کی شکل نظر نہ آئے۔ اس تخویف کا اثر تو یہ ہوتا ہے۔ اور انداز کا کیا اثر ہوتا ہے؟ جتنا وہ ڈراتا ہے اتنی ہی اس سے محبت بڑھتی ہے۔ جس اولاد کو تربیت کرنے کے لیے شفقت کے ساتھ باپ زیادہ ڈرائے گا اور مار پیٹ بھی تھوڑی سی کرے گا اس سے زیادہ محبت ہوگی۔ ایسے ہی استادوں کا قصہ ہے۔ استاد اگر محبت و شفقت سے اپنے شاگرد کو اس کی اصلاح کی خاطر ڈراتا ہے، دھمکاتا ہے، برا بھلا کہتا ہے، ڈانٹتا ہے، مارتا ہے، نکال دیتا ہے تجربہ شاہد ہے، کہ جتنا ایسا معاملہ استاد کرے گا اسی استاد سے زیادہ محبت ہوگی۔

میرا تو خود اپنا تجربہ ہے کہ جس اولاد کو زیادہ مارا پیٹا ہے اور اس پر تنبیہات کا سلسلہ جاری رکھا ہے اسی کو مجھ سے زیادہ محبت ہوئی۔ میری اولاد میں جس کے ساتھ یہ سلسلہ کم رہا ان کے ساتھ کم محبت ہوئی اور جن کے ساتھ زیادہ رہا ان سے زیادہ محبت ہوئی۔ شاگردوں کا بھی یہی حال ہے۔

جدید و قدیم طلباء و اساتذہ کا طرز عمل: ہمارے آج کل کے جو شاگرد ہیں، خدا بچائے ان شاگردوں سے، ان سے یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری ٹوپی نہ اتار لیں۔ ہم یہاں سے اٹھ کر جاویں تو ہماری قیمت نہ چلی جاوے۔ جن طالب علموں کو ہم نے پڑھایا تھا۔ ان کو ہم تو مارا پیٹا کرتے تھے، برا بھلا کہنا، ڈانٹ دینا، نکال دینا، یہ تو روزمرہ کا دھندہ تھا، ذرا سی بات پر بھی۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ استاد کے خلاف کوئی بات کہے۔ ہمارے طالب علمی کے زمانے میں تو اچھا خاصا یہ معمول تھا کہ پیٹا جاتا تھا۔ ہمارے ادب کے استاذ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب



رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا قصہ یاد آیا۔ ہم نے ادب کی ساری کتابیں مفید الطالبین سے لے کر حماسہ تک اتفاق سے ان سے پڑھی ہیں۔ ایسا اتفاق کم ہوتا ہے کہ ایک فن کی ساری کتابیں ایک استاذ سے آدمی پڑھے مگر ہماری کچھ رعایت بھی کی جاتی تھی۔ دارالعلوم میں اللہ کے فضل سے سب اساتذہ خوش تھے۔ اس واسطے ہماری رعایت کرتے تھے۔ اور ہم یہ چاہتے تھے کہ ہماری ادب کی ساری کتابیں مولانا رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے پاس ہوں۔

”مفید الطالبین“ ہم نے شروع کی۔ مفید الطالبین کے پڑھاتے پڑھاتے ہماری ”صرف نحو“ انہوں نے پکی کرادی۔ ”الباب الاول“ پر پہنچے، جو کہ مفید الطالبین کا پہلے باب کا عنوان ہے۔ الباب یہ فعل ہے۔ اسم ہے، یا حرف؟ اب ہم بغلیں جھانکنے لگے۔ اس واسطے کہ نحو میرا نہیں تھی، کسی نے کہہ دیا چوں کہ الف لام لگا ہوا ہے، اسم کی علامت ہے اسم ہے۔ آپ نے فرمایا کون سا اسم ہے؟ ساری نحو میرا اجراء کرایا۔ نہ بتانے پر فقط یہ نہیں کہ تنبیہات ہوں۔ ”تنبیہ الغافلین“ ساتھ رہتی تھی اور جہاں غلطی کی وہ آیا۔ ہم چودہ پندرہ آدمیوں کی جماعت تھی، کوئی بڑی جماعت نہیں تھی، چھوٹی جماعت تھی۔ ہر وقت ڈر لگا رہتا تھا کہ اب پڑی۔ یہ اللہ کا انعام و کرم ہے کہ چودہ آدمی تھے سب پر بری، مجھ پر نہ بری، مجھ پر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا تھا۔ استاد بھی خوش تھے اور ڈرتا بھی بہت تھا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے محفوظ رکھا۔ کبھی مار نہیں پڑی۔

بس عنایتیں رہیں۔ البتہ کبھی کبھی خفا ہو گئے، تیز نگاہ سے دیکھ لیا۔ بس یہی میرے لیے مارتھی۔ مار پڑنے کی نوبت نہیں آئی۔ سچ کہہ رہا ہوں کہ ہم نے اس طرح پڑھا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ”نختہ الیمین“ پڑھنے کے زمانے میں ہم نے عربی نظم کا امتحان دیا۔ عربی تحریر فقط نہیں، عربی نظم اشعار اور مفتی کفایت اللہ صاحب جو ادیب بہت اچھے تھے، ان کو ہمارے امتحان کے لیے دہلی سے بلایا گیا تھا۔ چنانچہ



انہوں نے ہمارا امتحان لیا اور ایک مصرعہ دیا کہ اس پر نظم لکھو تین چار گھنٹے امتحان کا وقت تھا۔ ان چار گھنٹوں میں دس شعروں کی ایک نظم لکھ کر پیش کر دی۔ یہ نغمۃ الیمن کا زمانہ تھا۔ آج تو حماسہ پڑھ کر بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

وجہ اس کی تعلیم و تربیت کا ایک ڈھنگ تھا۔ استاد کا خوف، استاد کی عظمت و محبت اور چوں کہ ان کی روش یہ تھی جس پر یہ بات کرنے کی نوبت آئی۔ وہ مار پیٹ کرتے تھے اس لیے اتنی محبت ان کی ہمارے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ کسی استاد کی اتنی محبت ہمارے دلوں میں نہیں تھی جتنی محبت ان کی ہمارے دلوں میں تھی۔ اگرچہ مجھ پر مار کی نوبت نہیں آئی، البتہ ایک دو دفعہ خفا ہونے کا معاملہ ہوا۔ بس مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری جان نکل گئی۔ اس طرح سے استادوں سے پڑھا تھا اور ان سے تعلق رکھا تھا۔ اس سے کچھ آجایا کرتا تھا۔ آج کا طالب علم؟ استاد کہیں، شاگرد کہیں؟ اور مجال ہے استاد کی کہ شاگرد کو ایک لفظ بھی کہہ دے۔ اللہ اللہ! کہاں بات چلی گئی؟

میں اس پر کہہ رہا تھا کہ انداز کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ اصل چیز تبلیغ ہے اور تعلیم کا بھی انجام پھر تبلیغ ہے اور اس کے لیے قرآن نے لفظ انداز تیار کیا ہے، جس پر یہ ساری باتیں۔ ہمدردی و شفقت سے جو ڈراتا ہے اس کا اثر کچھ اور ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ الحمد للہ اب کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ اتنی عمر ہو گئی کہ اپنے ان استاذ کو ایصال ثواب کرتا ہوں اور مولانا اعجاز علی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد رکھتا ہوں۔ انہوں نے مجھ پر شفقت کی اور مار پیٹ بھی ہوئی۔ تنبیہات بھی ہوئیں۔ ان کی محبت رگ و پے میں سرایت کر گئی۔

قصور کس کا ہے؟ تجربہ شاہد ہے لوگ کر کے نہیں دیکھتے۔ آج بھی الحمد للہ طلبہ میں تنفر نہیں ہے۔ طلبا کا بھی قصور ہے، استادوں کا بھی۔ استاد اگر ہمدردی اور محبت سے طلبا کی اصلاح کے لیے یہ چاہیں کہ ہمارے طالب علم کے اخلاق درست ہو جائیں، ان کی تعلیم ٹھیک ہو جائے، اس پر مار پیٹ بھی کریں۔ تنبیہات بھی کریں۔



ممکن ہے کہ ایک آدھ دفعہ کسی کو ناگوار بھی ہو جائے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہوگا کہ اس کو کوئی غرض نہیں ہماری محبت میں کرتا ہے تو پھر وہی عاشق ہو جاتے ہیں اور محبت ان کے دل میں سما جاتی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ طریقہ جاتا رہا۔ کالجوں اور اسکولوں کا سا طرز ہو گیا۔ مدرس نے پڑھایا اپنے گھر چلا گیا اور طالب علم نے پڑھا اپنے حجرہ میں چلا گیا۔ کسی کو دوسرے سے واسطہ نہیں۔

غرض یہ ہے کہ انداز وہ چیز ہے جس سے ہمدردی اور شفقت اور بڑھتی ہے۔ قرآن نے اس کو اختیار کیا ﴿وَلْيَنْذِرُوا قَوْمَهُمْ﴾ انداز کرو اپنی قوم کو، ان کو تبلیغ کرو۔ تبلیغ بھی بشکل انداز، یعنی ہمدردی اور شفقت کے ساتھ۔ ان کو دین کے مسائل پہنچاؤ۔

تعلیم کی صحیح ترتیب: ہمارا اپنا اصول یہ تھا کہ بچپن سے پہلے قرآن مجید پڑھایا۔ بچہ قرآن پڑھ کر فارغ ہوا تو فارسی درجہ میں داخل ہوا۔ فارسی، ریاضی، حساب و کتاب اقلیدس۔ یہ ساری چیزیں جو میٹرک تک کی تعلیم ہے وہ ہمارے درجہ فارسی تک میں پڑھائی جاتی تھیں۔ میٹرک تک کی تعلیم میں نے خود سیکھی ہے۔ حساب جو آج بی اے تک حساب ہے وہ میں نے پڑھا ہے۔ اقلیدس میں نے پڑھی ہے، اس طرح مساحت کا کام جس کا آج کل بہت بڑا محکمہ بنا ہوا ہے وہ میں نے سیکھا ہے اور سب فارسی پڑھنے کے زمانے میں سیکھا۔ پانچ سال کا کورس تھا، اس پانچ سال کے کورس میں سب چیزیں سیکھیں۔ عربی کا ابھی نام تک نہیں پڑھا تھا۔ اس کے بعد جا کر عربی میں داخلہ ہوا۔

پیغمبرانہ طریق اصلاح اور ہم: کرنے کا کام تو یہ ہے جو قرآن نے بتایا ﴿وَلْيَنْذِرُوا قَوْمَهُمْ﴾۔ مقصد زندگی بنانا ہے اس بات کو کہ یہ امانت اللہ کے رسول کی ہم تک پہنچی ہے، جس کا نام وراثت نبوت ہے۔ العلماء وراثۃ الانبیاء علماء انبیاء کی وراثت ہیں۔ یہ انبیاء کی وراثت آپ کو ملی ہے۔ یہ امت کو پہنچانی ہے اور



پہنچانی بھی شفقت اور ہمدردی کے ساتھ۔ انذار کے لفظ سے اشارہ کر دیا، اس بات کی طرف کہ شفقت و ہمدردی کے ساتھ یہ امت کو پہنچانی ہیں۔

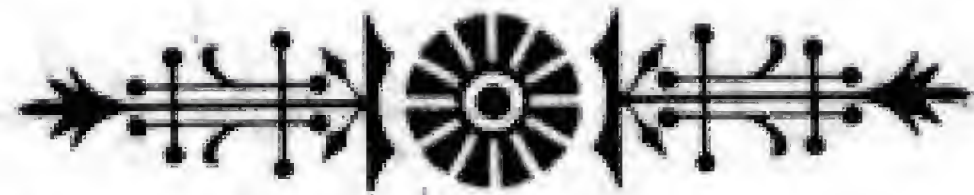
اب ہمارے ہاں تو معاملہ روکھا ہے۔ انذار کرنے والے کہاں سے لاویں؟ اول تو جیسا میں عرض کر رہا ہوں ادھر دھیان ہی نہیں ہوتا تبلیغ کی طرف، نہ دوسروں کو سکھانے کی طرف دھیان ہوتا ہے۔ سینکڑوں میں کوئی ایک ایسا نکلتا ہے جسے دوسروں کی تعلیم و تبلیغ و اصلاح کی فکر ہوتی ہے اس میں ایک اور روک شیطان نے لگادی، وہ یہ کہ جو انذار کا لفظ قرآن کریم نے اختیار کیا تھا، اس کی طرف دھیان نہیں کرتا، قرآن کی تعلیم کا حاصل انذار کے لفظ سے یہ ہے کہ لوگوں کو پیغمبرانہ تعلیم دو، پیغمبروں کی طرح سے، تشدد کے الفاظ نہ بولو، برانہ مناؤ، اشتعال نہ پیدا کرو، تمہارا جو مخالف ہے، مخالف عقیدہ رکھتا ہے، مخالف رائے رکھتا ہے، تمہارے خلاف ہے، اس کو دعوت دو قریب کر کے، انذار کے طریقے پر۔ اور انذار اس کا نام ہے کہ شفقت و ہمدردی کے ساتھ یہ بات کہ کسی طرح سے یہ درست ہو جائے۔ صحیح عقیدہ کو مان کے، اس طرح سے پہنچاؤ، اس کا تو دنیا میں بالکل قحط ہے۔ سارا قرآن پیغمبروں کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کا غالباً واقعہ ہے۔

﴿اِنَّا لَنُرٰكَ فِی سَفَاہَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَٰذِبِیْنَ﴾ ”ہم تو تم کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور جھوٹا بھی سمجھتے ہیں“ اس سے بڑی گالی اور کون سی ہوگی۔ مہذب گالی اس سے بڑی اور کون سی ہوگی کہ تم بے وقوف بھی ہو اور جھوٹ بولنے والے بھی ہو۔ پیغمبر کیا جواب دیتے ہیں؟ اگر تمہیں کوئی دوسرے فرقہ کا آدمی کہہ دے تو کیا جواب دو گے؟ باپ دادا تک کی خبر لے لو گے۔ لیکن پیغمبر نے کیا جواب دیا؟ قرآن کے الفاظ دیکھو وہ تو کہہ رہے ہیں: ﴿اِنَّا لَنُرٰكَ فِی سَفَاہَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَٰذِبِیْنَ﴾ پیغمبر نے جواب دیا ﴿یٰٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاہَةٍ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اے میری برادری! ان کو خطاب کرتے ہیں اپنی شرکت کے



ساتھ کہ میں تم ہی میں سے ایک ہوں، تم میری برادری ہو اور میرے بھائی ہو۔ یا قوم ”اے میری برادری! ایس بی سفاہۃ اسے سمجھو! میں بے وقوف نہیں ہوں۔ ولکنی رسول من رب العالمین۔ یہ ہے سیدھا سادا جواب، گالی کا۔ سارا قرآن ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو تلقین فرمائی۔ انہوں نے کہا لا رجمک ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ تم ہمارے الہہ کا انکار کرتے ہو اور ہمارے معبودوں کا اور بتوں کا انکار کرتے ہو۔ لئن لم تنتہ۔ اگر تو ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز نہیں آئے گا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ اور چلے جاؤ نکل جاؤ۔ واہجرنی ملیاً اور زمانہ دراز کے لیے یہاں سے نکل جاؤ۔ باپ نے یہ کہا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک باپ کو کیا جواب دیتے ہیں۔ ﴿سلام علیک ساستغفرک ربی انہ کان بی حفیاً﴾ ”کہ میں اللہ سے آپ کے لیے استغفار کروں گا، وہ مجھ پر مہربان ہے۔“ یہ طریقہ اختیار کرو۔ یہ ہے پیغمبرانہ طریق دعوت جو علم دین کے حاملین کا شعار ہونا چاہیے۔ (ماہنامہ ”وفاق المدارس“ ۲۰۰۶ء)





## فضیلتِ علم و علماء

مذکورہ ذیل مضمون ”تفسیر معارف

القرآن“ سے ماخوذ ہے جس میں علم کی فضیلت اور اہل علم کے فرائض منصبی کا بیان ہے اور ان کو ان کی شرعی مسؤلیت کا احساس دلایا گیا ہے۔ رب کریم اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(ادارہ)

فضیلتِ علم و علماء: امام ترمذی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حضرت ابوالدرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ”جو شخص کسی راستہ پر چلے جس کا مقصد علم حاصل کرنا ہو اللہ تبارک و تعالیٰ اس چلنے کے ثواب میں اس کا راستہ جنت کی طرف کر دیں گے اور یہ کہ اللہ کے فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور یہ کہ عالم کے لئے تمام آسمانوں اور زمین کی مخلوقات اور پانی کی مچھلیاں دعا و استغفار کرتی ہیں اور یہ کہ عالم کی فضیلت کثرت سے نفلی عبادت کرنے والے پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی سب ستاروں پر اور یہ کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام سونے چاندی کی کوئی میراث نہیں چھوڑتے لیکن علم کی وراثت چھوڑتے ہیں تو جس شخص نے یہ وراثت علم حاصل کر لی اس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔“



رسول اللہ ﷺ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے ایک عالم تھا جو صرف نماز پڑھ لیتا اور پھر لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول ہو جاتا تھا۔ دوسرا دن بھر روزہ رکھتا اور رات کو عبادت میں کھڑا رہتا تھا ان دونوں میں کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم سے ادنیٰ آدمی پر۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان کے مقابلہ میں ایک ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ قوی ہے اور بھاری ہے (ص ۲۸۸ ج ۴)

اہل علم کی شان: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عالم سے کہا جائے گا کہ آپ اپنے شاگردوں کی شفاعت کر سکتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہو۔ (ص ۵۰۷ ج ۵)

علماء انبیاء کرام کے وارث ہوتے ہیں: بے شک علماء وارث ہیں انبیاء کے کیونکہ انبیاء علیہم السلام دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی وراثت علم ہوتا ہے جس نے علم حاصل کر لیا اس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔ (ص ۱۸ ج ۶)

علماء کے لئے بشارت: ایک حدیث ہے جس میں علماء کے لئے بڑی بشارت ہے۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ اسناد اس کی جید ہے۔ حدیث یہ ہے۔ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب اللہ تبارک و تعالیٰ بندوں کے اعمال کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنی کرسی پر تشریف فرما ہوں گے تو علماء سے فرمائیں گے کہ میں نے اپنا علم و حکمت تمہارے سینوں میں صرف اسی لئے رکھا تھا کہ میں تمہاری مغفرت کرنا چاہتا ہوں باوجود ان خطاؤں کے جو تم سے سرزد ہوئیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ یہاں علماء سے مراد وہی علماء ہیں جن میں علم کی قرآنی علامت خشیت اللہ موجود ہو۔ اس آیت میں لفظ ”لَمَنْ يَخْشَى“ (سورہ طہ: ۳) اسی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں یہ علامت نہ ہو وہ اس کے مستحق نہیں۔ واللہ اعلم (ص ۶۵ ج ۶)



علم سکھانے کی فضیلت: قیامت کے روز ایک شخص کے اعمال وزن کے لئے لائے جائیں گے اور ترازو کے پلہ میں رکھے جائیں گے تو یہ پلہ ہلکا رہے گا۔ پھر ایک ایسی چیز لائی جائے گی جو بادل کی طرح ہوگی اس کو بھی اس کے حسنات کے پلہ میں رکھ دیا جائے گا تو یہ پلہ بھاری ہو جائے گا۔ اس وقت اس شخص سے کہا جائے گا کہ تم جانتے ہو یہ کیا چیز ہے (جس نے تمہاری نیکیوں کا پلہ بھاری کر دیا) وہ کہے گا مجھے کچھ معلوم نہیں تو بتلایا جائے گا کہ یہ تیرا علم ہے جو تو لوگوں کو سکھایا کرتا تھا۔

(ص ۳۳۷ ج ۶)

علماء کی روشنائی کا وزن: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز شہیدوں کا خون اور علماء کی روشنائی (جس سے انہوں نے علم دین کی کتابیں لکھی تھیں) باہم تو لے جائیں گے تو علماء کی روشنائی کا وزن شہیدوں کے خون سے زیادہ نکلے گا۔

(ص ۳۳۷ ج ۶)

علماء کی عظیم الشان فضیلت: اس آیت (سورہ فاطر: ۲۲) میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جو ہمارے بندوں میں منتخب اور برگزیدہ ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کتاب اللہ اور علوم نبوت کے بلا واسطہ وارث حضرات علماء ہیں جیسا کہ حدیث میں بھی ارشاد ہے ”العلماء ورثۃ الانبیاء“ حاصل اسکا یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن و سنت کے علوم کا مشغلہ اخلاص کے ساتھ نصیب فرمایا یہ اس کی علامت ہے کہ وہ اللہ کے برگزیدہ اولیاء ہیں۔ (ص ۳۳۸ ج ۷)

علماء کی مجالس میں بلند آواز سے نہیں بولنا چاہئے: جس طرح تقدم علی النبی کی ممانعت میں علمائے دین بحیثیت وارث انبیاء ہونے کے داخل ہیں۔ اسی طرح رفع صوت کا بھی یہی حکم ہے کہ اکابر علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے ان کی آواز دب جائے۔ (ص ۱۰۱ ج ۸)

علماء دین کے سامنے بھی پیش قدمی ممنوع ہے: (سورہ الحجرات: ۱) بعض علماء



نے فرمایا ہے کہ علماء و مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں اور دلیل اسکی یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ابوالدرداء کو رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع و غروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بہتر و افضل ہو۔

اس لئے علماء نے فرمایا کہ اپنے استاد اور مرشد کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔ (ص ۱۰۰ ج ۸)

لَاقَدِمُ اور رفع صوت بدوں نیت ایذا بھی نقصان کا باعث ہے:- یہ افعال تقدیم علی النبی اور رفع الصوت ایسی معصیت ٹھہریں کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہو جائے۔ اور یہ خذلان آخر کار کفر تک پہنچا دے جس سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں اور کرنے والے نے چونکہ قصد ایذا کا نہ کیا تھا اس لئے اس کو اسکی خبر بھی نہ ہوگی کہ اس ابتلاء کفر اور حبط اعمال کا اصل سبب کیا تھا۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی صالح بزرگ کو کسی نے اپنا مرشد بنایا ہوا اسکے ساتھ گستاخی و بے ادبی کا بھی یہی حال ہے کہ بعض اوقات وہ سلب توفیق اور خذلان کا سبب بن جاتی ہے جو انجام کار متاع ایمان کو بھی ضائع کر دیتی ہے۔ (ص ۱۰۲ ج ۸)

عالم اپنی قوم میں مثل بنی کے ہوتا ہے:- صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو ان کے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز یا دروازہ پر دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازہ کے باہر بیٹھ جاتا تھا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لائیں گے اس وقت ان سے دریافت کروں گا۔ وہ مجھے دیکھ کر فرماتے کہ اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی آپ نے دروازہ پر دستک دیکر کیوں نہ اطلاع کر دی تو ابن



عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے۔ اور اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی نے نبی کی شان میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے۔

حضرت ابو عبیدہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جا کر دستک نہیں دی بلکہ اس کا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لائیں گے اس وقت ملاقات کروں گا۔ (ص ۱۰۳ ج ۸)

### تنبیہات

اہل علم پر بد عملی کا وبال زیادہ ہوگا۔ حضرت انس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں میرا گزر کچھ لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی قینچیوں سے کترے جارہے تھے میں نے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے دنیا دار و اعظ ہیں جو لوگوں کو تونیکی کا حکم کرتے تھے مگر اپنی خبر نہ لیتے تھے۔ ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض جنتی بعض دوزخیوں کو آگ میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ تم آگ میں کیونکر پہنچ گئے؟ حالانکہ ہم تو بخدا انہی نیک اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہوئے ہیں جو ہم نے تم سے سیکھے تھے اہل دوزخ کہیں گے ”ہم زبان سے کہتے ضرور تھے لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے“ حضرت انس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جتنا ان پڑھ لوگوں کو معاف کرے گا اتنا علماء کو معاف نہیں کرے گا۔ (ص ۲۱۸، ۲۱۹ ج ۱۷)

علم کا اظہار واجب اور چھپانا حرام ہے۔ اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی کی طرف سے جو ہدایات بینات نازل کی گئی ہیں ان کا لوگوں سے چھپانا اتنا بڑا جرم عظیم ہے کہ اس پر



اللہ تبارک و تعالیٰ بھی لعنت کرتے ہیں اور تمام مخلوق لعنت بھیجتی ہے۔  
 رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”یعنی جو شخص دین کے کسی حکم کا علم رکھتا ہے اور اس سے وہ حکم دریافت کیا جائے اگر وہ اس کو چھپائے گا تو قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کا لگام ڈالا جائے گا“

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ وعید اس صورت میں ہے جبکہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی مسئلہ کا بیان کرنے والا موجود نہ ہو۔ اگر دوسرے علماء بھی موجود ہوں تو گنجائش ہے کہ یہ کہہ دے کہ دوسرے علماء سے دریافت کر لو۔

باریک اور دقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو ایسے مسائل و احکام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو ایسے مسائل و احکام کا عوام کے سامنے بیان نہ کرنا بہتر ہے اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ایسے ہی کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ تم اگر عوام کو ایسی حدیثیں سناؤ گے جن کو وہ پوری طرح نہ سمجھ سکیں تو ان کو فتنہ میں مبتلا کر دو گے۔

صحیح بخاری میں حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ عام لوگوں کے سامنے صرف اتنے علم کا اظہار کرو جس کو ان کی عقل و فہم برداشت کر سکے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کریں کیونکہ جو بات ان کی سمجھ سے باہر ہوگی ان کے دلوں میں اس سے شبہات و خدشات پیدا ہوں گے اور ممکن ہے کہ اس سے انکار کر بیٹھیں۔“

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”یعنی حکمت کی بات کو ایسے لوگوں سے نہ روکو جو اس بات کے اہل ہوں اگر تم نے ایسا کیا تو ان لوگوں پر ظلم ہوگا اور جو اہل نہیں ہیں ان کے سامنے حکمت کی باتیں نہ رکھو کیونکہ اس صورت میں اس حکمت پر ظلم ہوگا“ (ص ۴۰۳ ج ۱)



شاگرد کی گمراہی کا وبال مستند استاد پر نہیں ہوگا:۔ کوئی شخص کسی جامع معقول و منقول عالم باعمل کے پاس جائے کہ مجھ کو قدیم یا جدید فلسفہ پڑھا دیجئے تاکہ خود بھی ان شبہات سے محفوظ رہوں جو فلسفہ میں اسلام کے خلاف بیان کیئے جاتے ہیں اور مخالفین کو بھی جواب دے سکوں، اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو دھوکہ دے کر پڑھ لے اور پھر خود ہی خلاف شرع عقائد باطلہ کو تقویت دینے میں استعمال کرنے لگے اس احتمال کی وجہ سے اس کو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وہ وعدہ کر لے اور اس لئے اس کو پڑھا دیا جائے، لیکن وہ شخص فلسفہ کے خلاف اسلام نظریات و عقائد ہی کو صحیح سمجھنے لگے تو ظاہر ہے کہ اسکی اس حرکت سے اس معلم پر کوئی ملامت یا برائی عائد نہیں ہو سکتی۔ (ص ۲۷۲ ج ۱)

دنیوی اغراض کی خاطر احکام کو چھپانا حرام ہے: علم دین اور احکام خدا اور رسول کو چھپانا حرام ہے۔ مگر یہ حرمت اسی طرح چھپانے کی ہے جو یہود کا عمل تھا کہ اپنی دنیوی اغراض سے احکام خداوندی کو چھپاتے تھے اور اس پر لوگوں سے مال وصول کرتے تھے اور اگر کسی دینی اور شرعی مصلحت سے کوئی حکم عوام پر ظاہر نہ کیا جائے تو وہ اس میں داخل نہیں۔ بعض اوقات کسی حکم کے اظہار سے عوام کی غلط فہمی اور فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس خطرہ کی بناء پر کوئی حکم پوشیدہ رکھا جائے تو مضائقہ نہیں۔ (ص ۲۵۸ ج ۲)

علماء ہی صحیح عقلاء ہیں:۔ اگر کوئی انتقال سے قبل یہ وصیت کر جائے کہ میرا مال عقلاء کو دے دیا جائے۔ تو کس کو دیا جائے گا؟ اس کے جواب میں حضرات فقہاء کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے تحریر فرمایا کہ ایسے عالم زاہد اس کے مال کے مستحق ہوں گے جو دنیا طلبی اور غیر ضروری مادی وسائل سے دور ہیں کیونکہ صحیح معنی میں وہی عقلاء ہیں۔

(ص ۲۶۵ ج ۲)



بغیر عمل کے محض عالم ہونا کافی نہیں:- امام تفسیر مجاہد رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا ”یعنی جو شخص کسی کام میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے وہ یہ کام کرتے ہوئے جاہل ہی ہے“ اگرچہ صورت میں بڑا عالم اور باخبر ہو۔ (۲ ج ۳۳۳)

اللہ کے نزدیک عالم وہی ہے جو علم پر عمل بھی کرے:- اللہ کے نزدیک عالم اسی کو کہا جاتا ہے جو علم پر عمل بھی کرتا ہو ورنہ وہ عالم جو احکام الہیہ سے واقف ہونے کے باوجود ضروری فرائض و واجبات پر بھی عمل نہیں کرتا، نہ اسکی طرف کوئی دھیان دیتا ہے وہ اللہ و رسول کے نزدیک جاہل سے بھی بدتر ہے۔ (ص ۱۵۹ ج ۲)

ربانی اور عالم کی خدمات میں فرق:- جس شخص کی توجہ زیادہ تر عبادات و عمل اور ذکر اللہ میں مصروف ہے اور علم دین صرف بقدر ضرورت حاصل کر لیتا ہے۔ وہ ربانی یعنی اللہ والا کہلاتا ہے جس کو آج کل کی اصطلاح میں شیخ، مرشد، پیر وغیرہ کے نام دیئے جاتے ہیں اور جو شخص علمی مہارت پیدا کر کے لوگوں کو احکام شرعیہ بتلانے سکھلانے کی خدمت میں زیادہ مشغول ہے اور فرائض و واجبات اور سنن موکدہ کے علاوہ دوسری نفلی عبادات میں زیادہ وقت نہیں لگا سکتا، اس کو حبر یا عالم کہا جاتا ہے۔ (ص ۱۶۰ ج ۲)

علماء عوام کے اعمال کے ذمہ دار ہیں: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری ان دو طبقوں پر ہے۔ ایک مشائخ دوسرے علماء اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ربانیوں سے مراد وہ علماء ہیں جو حکومت کی طرف سے مامور اور با اقتدار ہوں اور احبار سے مراد عام علماء ہیں اس صورت میں جرائم سے روکنے کی ذمہ داری حکام اور علماء دونوں پر عائد ہوتی ہے۔

آخر آیت (سورہ مائدہ: ۶۳) میں فرمایا ”لبئس ما کانوا یصنعون“ یعنی ان مشائخ و علماء کی یہ سخت بری عادت ہے کہ اپنا فرض منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے قوم کو ہلاکت کی طرف جاتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہ ان کو نہیں روکتے۔



حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مشائخ و علماء کے لئے پورے قرآن میں اس آیت سے زیادہ سخت تنبیہ کہیں نہیں اور امام تفسیر ضحاک نے فرمایا کہ میرے نزدیک مشائخ و علماء کے لئے یہ آیت سب سے زیادہ خوفناک ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ شدت اور وعید اسی صورت میں ہیں جبکہ مشائخ و علماء کو اندازہ بھی ہو کہ ان کی بات سنی اور مانی جائے گی اور جس جگہ قرآن یا تجربہ سے یہ گمان غالب ہو کہ کوئی سنے گا نہیں، بلکہ اس کے مقابلہ میں ان کو ایذا میں دی جائیں گی تو وہاں حکم یہ ہے کہ ان کی ذمہ داری تو ساقط ہو جاتی ہے، لیکن افضل و اعلیٰ پھر بھی یہی رہتا ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے یہ حضرات اپنا فرض ادا کریں اور اس میں کسی کی ملامت یا ایذا کی فکر نہ کریں۔ (ص ۱۸۶ ج ۳)

قوم و ملت کی اصلی روح حق پرست علماء و مشائخ ہیں:۔ قوم و ملت کی اصلی روح حق پرست خدا ترس علماء و مشائخ ہیں۔ ان کا وجود پوری قوم کی حیات ہے جب تک کسی قوم میں ایسے علماء و مشائخ موجود ہوں جو دنیوی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں، خدا ترسی ان کا مقام ہو تو وہ قوم خیر و برکت سے محروم نہیں ہوتی۔ (ص ۲۱۸ ج ۲)

اپنی بات کی بچ میں لگے رہنا اہل علم کی شان کے خلاف ہے:۔ خدا کی منکر اور کافر قوموں کا حال ہے کہ غلط بات زبان سے نکل گئی تو اس کی سخن پروری کرتے رہے اور اس کے خلاف کتنے ہی واضح دلائل آجائیں اپنی بات کی بچ کرتے رہے جس میں بکثرت مسلمان بلکہ بعض علماء و خواص بھی مبتلا پائے جاتے ہیں کہ کسی چیز کو اول و ہلہ میں غلط یا جھوٹ کہہ دیا تو اب اس کی سچائی کے ہزاروں دلائل بھی سامنے آجائیں تو اپنی غلط بات کی پیروی کرتے رہے یہ حالت قہر خداوندی اور غضب الہی کا موجب ہے۔ (ص ۱۹ ج ۴)

اہل علم کو ناز نہیں کرنا چاہئے:۔ کسی شخص کو اپنے علم و فضل اور زہد و عبادت پر ناز نہیں کرنا چاہئے، حالات بدلتے اور بگڑتے ہوئے دیر نہیں لگتی جیسے بلعم بن باعور (بنی



اسرائیل کے ایک عالم) کا حشر ہوا طاعت و عبادت کے ساتھ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر اور استقامت کی دعا اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ (ص ۱۲۲ ج ۴)

علم دین میں سمجھ بوجھ کا نام ہے:- جس شخص نے دین کی سب کتابیں پڑھ ڈالیں مگر سمجھ بوجھ پیدا نہ کی وہ قرآن و سنت کی اصطلاح میں عالم نہیں، علم دین حاصل کرنے کا مفہوم قرآن کی اصطلاح میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے وہ جن ذرائع سے حاصل ہو وہ ذرائع خواہ کتابیں ہوں یا اساتذہ کی صحبت سب اس نصاب کے اجزاء ہیں۔ (ص ۴۹۱ ج ۴)

اہل علم کی ذمہ داری: عالم کا کام اتنا ہی نہیں کہ عذاب سے ڈرا دیا بلکہ اس پر نظر رکھنا بھی ہے کہ اسکی تبلیغ و دعوت کا اثر کتنا اور کیا ہوا ایک دفعہ موثر نہیں تو بار بار کرتا رہے تا کہ اس کا نتیجہ ”یحذرون“ برآمد ہو سکے یعنی قوم کا گناہوں سے بچنا۔

(ص ۴۹۲ ج ۴)

اہل علم سے رابطہ رکھنا:- تفسیر مظہری میں ہے کہ جس شخص کو دین کے معاملہ میں کوئی شبہ پیش آجائے تو اس پر لازم ہے کہ علماء حق سے سوال کر کے اپنے شبہات دور کرے ان کی پرورش نہ کرتا رہے۔ (ص ۵۶۹ ج ۴)

اہل علم کو تنبیہ: امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک کوئی شخص اس عالم سے زیادہ مبغوض نہیں جو اپنے دنیوی مفاد کی خاطر کسی ظالم سے ملنے کے لئے جائے۔ (ص ۶۷۳ ج ۴)

اہل علم کو لوگوں کے معاش کی درستگی کی بھی فکر رکھنی چاہئے:- جس طرح انبیاء علیہم السلام اور علماء امت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کی آخرت درست کرنے کی فکر کریں ان کو ایسے کاموں سے بچائیں جو آخرت میں عذاب بنیں گے اسی طرح ان مسلمانوں کے معاشی حالات پر بھی نظر رکھنی چاہئے کہ وہ پریشان نہ ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے یہ حکیمانہ اور خیر خواہانہ مشورہ بھی دیا کہ پیداوار کے تمام گیکھوں



کو خوشوں کے اندر رہنے دیں اور بقدر ضرورت صاف کر کے غلہ نکالیں تاکہ آخر سالوں تک خراب نہ ہو جائے۔ (ص ۷۰ ج ۵)

اہل علم، عوام سے خود کو بدگماں نہ ہونے دیں۔ عالم و مقتداء کو اس کی بھی فکر رہنی چاہئے کہ اس کی طرف سے لوگوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو۔ اگرچہ وہ بدگمانی سراسر غلط ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی بچنے کی تدبیر کرنا چاہئے کیونکہ بدگمانی خواہ کسی جہالت یا کم فہمی ہی کے سبب سے ہو بہر حال اس کی دعوت و ارشاد کے کام میں خلل انداز ہوتی ہے۔ لوگوں میں اس کی بات کا وزن نہیں رہتا۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تہمت کے مواقع سے بھی بچو یعنی ایسے حالات اور مواقع سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ جن میں کسی کو آپ پر تہمت لگانے کا موقع ہاتھ آئے یہ حکم تو عام مسلمانوں کے لئے ہے خواص و علماء کو اس میں دوہری احتیاط لازم ہے۔ خود رسول کریم ﷺ جو تمام عیوب اور گناہوں سے معصوم ہیں آپ نے بھی اس کا اہتمام فرمایا۔ ایک مرتبہ ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی آپ کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی سے گذر رہی تھیں کوئی صحابی سامنے آگئے تو آپ نے دور ہی سے یہ بتلادیا کہ میرے ساتھ فلاں بی بی ہیں۔ یہ اس لئے کہا کہ کہیں دیکھنے والے کو کسی اجنبی عورت کا شبہ نہ ہو جائے۔ (ص ۷۰ ج ۵)

اہل علم کے مابین رشتہ اخوت ہونا چاہئے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”علم تو اہل علم و فضل کے مابین ایک رحم متصل (رشتہ اخوت و برادری) ہے تو وہ لوگ جنہوں نے علم ہی کو عداوت بنالیا ہے وہ دوسروں کو اپنے مذہب کی اقتداء کی دعوت کس طرح دیتے ہیں ان کے پیش نظر دوسرے پر غلبہ پانا ہی ہے تو پھر ان سے باہمی انس و مودت اور مروت کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے اور ایک انسان کے لئے اس سے بڑھ کر شر اور برائی اور کیا ہوگی کہ وہ اس کو منافقین کے اخلاق میں مبتلا کر دے اور مؤمنین و متقین کے اخلاق سے محروم کر دے۔“

(ص ۴۱۸ ج ۵)



اس لئے ائمہ فقہاء اور اہل حق کا مسلک اس معاملے میں یہ تھا کہ علمی مسائل میں جھگڑا اور جدال ہرگز جائز نہیں سمجھتے تھے دعوت حق کے لئے اتنا کافی ہے کہ جس کو خطا پر سمجھے اس کو نرمی اور خیر خواہی کے عنوان سے دلائل کے ساتھ اس کی خطا پر متنبہ کر دے پھر وہ قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت اختیار کرے، جھگڑے اور بدگوئی سے کلی احتراز کرے۔

حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ارشاد ہے: ”کہ علم میں جھگڑا اور جدال نور علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم ہو کیا وہ حفاظت سنت کے لئے جدال کر سکتا ہے فرمایا نہیں، بلکہ اس کو چاہئے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے پھر وہ قبول کر لے تو بہتر ورنہ سکوت اختیار کرے“ (ص ۴۱۸ ج ۵)

جو علم نافع نہیں وہ عذاب ہے:۔ امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ علم دین اور دعوت حق میں اشتغال رکھنے والا یا تو اصول صحیحہ کے تابع اور مہلک خطرات سے مجتنب رہ کر سعادت ابدی حاصل کر لیتا ہے یا پھر اس مقام سے گرتا ہے تو شقاوت ابدی کی طرف جاتا ہے اس کا درمیان میں رہنا بہت مستبعد ہے کیونکہ جو علم نافع نہ ہو وہ عذاب ہی ہے رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”سب سے زیادہ عذاب میں قیامت کے دن وہ عالم ہوگا جس کے علم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو نفع نہ بخشا ہو“ (ص ۴۱۹ ج ۵)

عبدالاعلیٰ تیمی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا مقولہ ہے۔ ”جس شخص کو صرف ایسا علم ملا ہو جو اسکو رلاتا نہیں تو سمجھ لو کہ اس کو علم نافع نہیں ملا۔“ (ص ۵۲۹ ج ۵)

اہل علم کی اولاد کی قدر کرنا چاہئے تفسیر مظہری میں ہے کہ لوگوں کو علماء و صلحاء کی اولاد کی رعایت اور ان پر شفقت کرنی چاہئے۔ جب تک کہ وہ بالکل ہی کفر و فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو جائیں (ص ۲۱۰ ج ۰)



عالم ربانی کون ہے :- حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ تمہیں چاہئے کہ ربانی حکماء علماء اور فقہاء بنو صحیح بخاری میں یہ قول نقل کر کے لفظ ربانی کی یہ تفسیر فرمائی کہ جو شخص دعوت و تبلیغ اور تعلیم میں تربیت کے اصول کو ملحوظ رکھ کر پہلے آسان آسان باتیں بتلائے جب لوگ اس کے عادی ہو جائیں تو اس وقت دوسرے احکام بتلائے جو ابتدائی مرحلے میں مشکل ہوتے وہ عالم ربانی ہے۔ حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں پر آسانی کرو، دشواری نہ پیدا کرو اور ان کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری سناؤ“ مایوس یا متغیر نہ کرو“ (ص ۴۱۶ ج ۵)

اہل علم کو اعمال میں زیادہ اہتمام آداب کی ضرورت ہے :- امام قرطبی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ آج اہل علم اور معروف بالصلاح لوگوں میں ایسے آدمی پائے جاتے ہیں جو نماز کے آداب سے غافل، محض نقل و حرکت کرتے ہیں۔ یہ چھٹی ہجری کا حال تھا جس میں ایسے لوگ خال خال پائے جاتے تھے۔ آج یہ صورت حال نمازیوں میں عام ہو گئی الا ماشاء اللہ۔ (ص ۴۵ ج ۶)

اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟ - حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت (سورہ عنکبوت: ۴۳) کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ تَعَالٰی کے کلام میں غور و فکر کرے اور اسکی طاعت پر عمل کرے اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا۔ جب تک قرآن میں تدبر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے اور جب تک کہ اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔ (ص ۲۹۴ ج ۶)

علم پر عمل کرنے سے علم میں زیادتی :- حضرت ابوالدرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس آیت (سورہ عنکبوت: ۶۳) کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ کی طرف سے جو علم لوگوں کو دیا گیا



ہے جو لوگ اپنے علم پر عمل کرنے میں جہاد کرتے ہیں ہم ان پر دوسرے علوم بھی منکشف کر دیتے ہیں جواب تک حاصل نہیں۔ اور فضیل بن عیاض رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ جو لوگ طلب علم میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے عمل بھی آسان کر دیتے ہیں۔ (ص ۷۱۶ ج ۶)

عالم کو عمل کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور وبال بھی زیادہ:- جو عالم اپنے علم پر عامل بھی ہے اس کو بھی اس عمل کا ثواب دوسروں سے زیادہ ملے گا اور اگر وہ کوئی گناہ کرے گا تو عذاب بھی دوسروں سے زیادہ ہوگا۔ (ص ۱۳۰ ج ۷)

اہل علم بیت المال سے اپنا خرچ لے سکتے ہیں:- علماء جو تعلیم و تبلیغ کی خدمت مفت انجام دیتے ہوں اور قاضی و مفتی جو لوگوں کے کام میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ بیت المال سے اپنا خرچ لے سکتے ہیں۔ مگر کوئی دوسری صورت گزارہ کی ہو جو دینی خدمت میں خلل انداز بھی نہ ہو تو وہ بہتر ہے۔ (ص ۲۶۳ ج ۷)

علماء سے مراد کون ہیں؟:- علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ جل شانہ کی ذات صفات کا کما حقہ علم رکھتے ہیں اور مخلوقات عالم میں اس کے تصرفات پر اور اس کے احسانات و انعامات پر نظر رکھتے ہیں۔ صرف عربی زبان یا اس کے صرف و نحو اور فنون بلاغت جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا جب تک اس کو اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی کی معرفت مذکورہ طریق پر حاصل نہ ہو۔

حسن بصری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اس آیت ”انما یخشى الله من عباده العلماء“ کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت و جلوت میں اللہ سے ڈرے اور جس چیز کی اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ”یعنی بہت سی احادیث یاد



کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔  
 احمد بن صالح مصری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ ”خشیت اللہ“ کو کثرت روایت  
 اور کثرت معلومات سے نہیں پہچانا جاسکتا بلکہ اس کو کتاب و سنت کے اتباع سے  
 پہچانا جاتا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ اس آیت  
 میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیت نہ ہو وہ عالم نہیں۔ اس کی تصدیق  
 اکابر سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ربیع بن انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ”یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم  
 نہیں“

حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم  
 ہے۔ (ص ۲۳۷ ج ۷)

فقیہ کون ہے؟: سعد بن ابراہیم سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ ”  
 افقہ“ کون ہے؟ تو فرمایا ”اتقاہم لربہ“ یعنی جو اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔  
 حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی ”فقیہ مکمل وہ ہے  
 جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور ان کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے  
 اور ان کو اللہ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے اور قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی  
 طرف رغبت نہ کرے۔ (اور فرمایا) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہو۔  
 اور اس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے فقہ یعنی بے سمجھ ہو جو اس قرأت میں کوئی  
 خیر نہیں جو بغیر تدبر کے ہو۔ (ص ۲۳۷ ج ۷)

اہل علم کے بارے میں شبہ اور اس کا جواب :- بہت سے علماء کو دیکھا جاتا  
 ہے کہ ان میں خدا کا خوف و خشیت نہیں کیونکہ تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ  
 کے نزدیک صرف عربی جاننے کا نام علم اور جاننے والے کا نام عالم نہیں۔ جس  
 میں خشیت نہ ہو وہ قرآن کی اصطلاح میں عالم ہی نہیں البتہ خشیت کبھی صرف



اعتقادی اور عقلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی بے تکلف احکام شرعیہ کا پابند ہوتا ہے اور کبھی یہ خشیت حالی اور ملکہِ راسخہ کے درجہ میں ہو جاتی ہے۔ جس میں اتباعِ شریعت ایک تقاضائے طبیعت بن جاتا ہے خشیت کا پہلا درجہ مامور بہ اور عالم کے لئے ضروری ہے، دوسرا درجہ افضل و اعلیٰ ہے ضروری نہیں۔ (ص ۳۲۸ ج ۷)

اہلِ علم کو لوگوں کی بے قاعدگیوں پر صبر کرنا چاہئے :- جس شخص کو اللہ نے کوئی بڑا مرتبہ دیا ہو اور لوگوں کی ضروریات اس سے متعلق ہوں اسے چاہئے کہ وہ اہل حاجت کی بے قاعدگیوں اور گفتگو کی غلطیوں پر حتیٰ الوسع صبر کرے کہ یہی اس کے مرتبہ کا تقاضا ہے۔ خاص طور سے حاکم، قاضی اور مفتی کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (ص ۵۰۴ ج ۷)

جس بات کا علم نہ ہو تو ”اللہ اعلم“ کہہ دے :- صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ارشاد منقول ہے کہ ”اے لوگو تم میں سے جس شخص کو کسی بات کا علم ہو تو وہ لوگوں سے کہہ دے، لیکن جس کا علم نہ ہو تو وہ ”اللہ اعلم“ کہنے پر اکتفا کرے (کیونکہ) اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی نے اپنے رسول ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے۔ ”قُلْ مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمَتَّکْلِیْنَ“ (ص ۵۳۲ ج ۷)

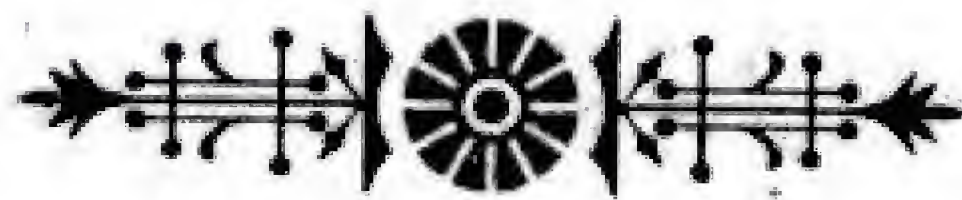
علماء کو کچھ وقت خلوت کا بھی رکھنا چاہئے :- حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت (سورہ مزمل: ۷) سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء و مشائخ جو تعلیم و تربیت اور اصلاحِ خلق کی خدمتوں میں لگے رہتے ہیں ان کو بھی چاہئے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رہنے چاہئیں۔ رات کا وقت اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی کے حضور حاضری اور عبادت کے لئے فارغ رکھنا بہتر ہے۔ جیسا کہ علمائے سلف کا تعامل اس پر شاہد ہے۔ کوئی وقتی ضرورت دینی، تعلیمی، تبلیغی کبھی اتفاقات کو بھی اس میں مشغول رکھنے کی داعی ہو تو وہ بقدر ضرورت مستثنیٰ ہے۔ اس کی شہادت بھی بہت سے حضرات علماء و فقہاء کے عمل سے ثابت ہے۔ (ص ۵۹۳ ج ۸)



اہل علم مسئلہ پوچھنے والے سے نرمی سے پیش آئیں:- ”اما السائل فلا تنهر“ اس میں وہ بھی داخل ہے جو کسی مال کا سوال کرے اور وہ بھی جو علمی تحقیق کا سوال کرے۔ دونوں کو جھڑکنے، ڈانٹنے سے آنحضرت ﷺ کو منع فرمایا گیا۔ بہتر یہ ہے کہ سائل کو کچھ دیکر رخصت کرے اور نہیں دے سکتا تو نرمی سے عذر کر دے۔ اسی طرح کسی علمی مسئلہ کا سوال کرنے والے کے جواب میں بھی سختی اور بد خوئی ممنوع ہے۔ نرمی اور شفقت سے جواب دینا چاہئے بجز اس کے کہ سائل کسی طرح مانے ہی نہیں تو بضرورت زجر بھی جائز ہے۔ (ص ۷۶۷ ج ۸)

اہل علم کو خط و کتابت کا بھی اہتمام کرنا چاہئے:- علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ تعلیم خط و کتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء و طلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں۔ (ص ۷۸۶ ج ۸)

میں اس شخص کے لئے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔ (حدیث شریف) (ماہنامہ ابلاغ کراچی مئی ۱۹۹۶ء)





# علم اور اہل علم

ارشاداتِ مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی پاکستان

(منتخب از البلاغ مفتی اعظم نمبر)

۱ فرمایا کہ ”فتویٰ کا خاص ذوق اور ملکہ ہوتا ہے جو مفتی میں ہونا ضروری ہے اور وہ کتنی ہی کتابیں پڑھنے کے باوجود اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک برسہا برس کسی ماہر مفتی کے زیر ہدایت فتویٰ لکھنے کا کام نہ کیا ہو“ (ص ۲۲۷)

۲ فرمایا کہ ”حضرت شاہ صاحب“ نے ہمیں دورہ حدیث ہی کے سال میں اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل ہو جانے کو کبھی منتہائے مقصود نہ سمجھنا فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد انسان میں قوت مطالعہ پیدا ہو جاتی ہے اور علم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب یہ فارغ ہونے والے کا کام ہے کہ وہ علم کی چند کلیوں پر قناعت کرنے کے بجائے اس دروازہ میں داخل ہو اور اس قوت مطالعہ کو کام میں لا کر علم میں وسعت و گہرائی پیدا کرے۔“ (ص ۲۶۸)

۳ فرمایا کہ ”فقہاء کرام نے محقق ابن ہمام رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور شاہ ولی اللہ جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا تو بعد کے علماء کا معاملہ تو ان کے مقابلے میں بہت اہون ہے، چنانچہ اگر کبھی آپ (مفتی اعظم) کا ذہن کسی ایسی رائے کی طرف مائل ہوتا جو معروف نقطہ نظر سے مختلف ہوتی تو آپ اس تلاش میں رہتے کہ یا تو فقہاء متقدمین میں کسی کا قول اس کے موافق مل جائے یا معاصر علماء اس رائے پر مطمئن ہو جائیں اور جب تک یہ نہ ہوتا اس وقت تک آپ عموماً اس رائے کے مطابق فتویٰ نہ دیتے تھے۔“ (ص ۴۱۰)



۴ فرمایا کہ محض فقہی کتابوں کے جزئیات یاد کر لینے سے انسان فقیہ یا مفتی نہیں بنتا، میں نے ایسے بہت سے حضرات دیکھے ہیں، جنہیں فقہی جزئیات ہی نہیں ان کی عبارتیں بھی از بر تھیں، لیکن ان میں فتویٰ کی مناسبت نظر نہیں آئی۔ وجہ یہ ہے کہ درحقیقت فقہ کے معنی ”سمجھ“ کے ہیں اور فقیہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرمادی ہو اور یہ سمجھ محض وسعت مطالعہ یا فقہی جزئیات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے کسی ماہر فقیہ کی صحبت اور اس سے تربیت لینے کی ضرورت ہے۔ (ص ۴۱۸)

۵ فرمایا کہ ”حضرت شیخ الہند رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرمایا کرتے کہ ”تقلید شخصی کوئی شرعی حکم نہیں ہے بلکہ ایک انتظامی فتویٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین برحق ہیں۔ اور ہر ایک کے پاس اپنے موقف کے لئے وزنی دلائل موجود ہیں لیکن اگر ہر شخص کو یہ کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جب جس امام کے مسلک کو چاہے اختیار کر لے تو ہر شخص اپنی آسانی کی خاطر آج ایک مسلک پر عمل کر لے گا، کل دوسرے مسلک پر اور اس طرح اتباع خداوندی کے بجائے اتباع نفس کا دروازہ کھل جائے گا۔“ (ص ۴۱۹)

۶ فرمایا کہ ”فتویٰ نویسی ایک مستقل فن ہے جس طرح مفتی کو بہت سی باتوں کی رعایت رکھنی پڑتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلے مفتی کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ مفتی کا سوال قابل جواب ہے یا نہیں؟ اور بعض اوقات سوال کے انداز سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا مقصد عمل کرنا یا علم میں اضافہ کرنا نہیں بلکہ اپنے کسی مخالف کو زیر کرنا ہے یا حالات ایسے ہیں کہ اس سوال کے جواب سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے ایسی صورت میں استفتاء کے جواب سے گریز کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔“ (ص ۴۲۲)

۷ فرمایا کہ ”فتویٰ میں مسئلے کا مختصر حکم اور اس کے مفصل دلائل بالکل ممتاز ہونے چاہئیں، تاکہ جو شخص صرف حکم معلوم کرنا چاہتا ہو وہ باسانی حکم معلوم کر لے



اور جس شخص کو دلائل سے دلچسپی ہو وہ دلائل بھی پڑھے۔ فتویٰ میں عام آدمی کے لئے تو صرف حکم ہوتا ہے اور دلائل اہل علم کے لئے ہوتے ہیں۔“ (ص ۴۲۹)

۸ فرمایا کہ ”درس حدیث میں ”روایت“ اور ”درایت“ کی تفریق عہد حاضر کی بدعت ہے اسلاف میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا ہے کہ بعض ابواب پر بحث کے دوران انتہا درجے کی تحقیق کا مظاہرہ کیا جائے اور بعض کو تشریح مفہوم کے قابل بھی نہ سمجھا جائے۔ اس کے بجائے درس حدیث شروع سال سے اس معتدل انداز پر ہونا چاہئے کہ تمام ابواب کے تحت ضروری معلومات طالب علم کے سامنے آجائیں اور درس حدیث کا اصل فائدہ حاصل ہو۔“ (ص ۴۳۶)

۹ فرمایا کہ ”درس حدیث میں جو فقہی اختلافات اور ان کے مفصل دلائل بیان کئے جاتے ہیں ان کا مقصد جہاں اپنے مسلک کے دلائل کی وضاحت اور شبہات کا ازالہ ہوتا ہے وہاں اصل مقصد طالب علم میں تحقیق و نظر کی صلاحیت پیدا کرنا ہے تاکہ اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ حدیث سے مسائل و احکام کا استخراج متعارض احادیث میں تطبیق اور احادیث میں صحیح و سقم کی تحقیق کن اصولوں کے تحت کس طرح کی جاتی ہے۔ چنانچہ جب سال بھر تک اس قسم کے مباحث طالب علم کے سامنے آتے رہتے ہیں تو اس سے ایک مزاج پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ آئندہ اپنی بساط کے مطابق تحقیقی کام کر سکتا ہے۔ لہذا ان مباحث کے دوران استاد کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھتا رہے کہ طالب علم میں یہ مزاج پیدا ہوا یا نہیں؟ استاد کی تقریر کے ایک ایک لفظ کو یاد رکھنا طالب علم کی کامیابی کے لئے ضروری نہیں لیکن جن اصولوں کے تحت یہ مباحث ہوتے ہیں ان کا محفوظ ہو جانا ضروری ہے۔“ (ص ۴۳۶)

۱۰ فرمایا کہ ”حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ ”حافظ ابن حجر“ ہوں یا ”علامہ عینی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی“ یہ سب حضرات صدیوں پہلے جنت میں اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں ان کی شان میں کوئی نامناسب بات کہہ کر اپنی



عاقبت خراب نہ کرو۔“ (ص ۳۳۷)

(۱۱) فرمایا کہ ”ائمہ مجتہدین کا اختلاف تو ہوا ہی اس مقام پر ہے جہاں دلائل کی رو سے دونوں راہوں کی گنجائش موجود تھی لہذا یہ ثابت کرنے کی فکر کہ دوسرا بلا دلیل ہے بڑی نادانی کی بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دلائل دونوں کی طرف موجود ہیں اور کسی ایک مجتہد کی تقلید تو کی ہی اس مقام پر جاتی ہے جہاں دلائل متعارض ہوں اس لئے اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ یہ ”شافعیہ“ ”حنابلہ“ ”یامالکیہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی“ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے تو یہ واقع کے عین مطابق ہوگا کیونکہ اگر کسی مسلک پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہ حضرات اسے اختیار ہی کیوں فرماتے؟۔“ (ص ۳۳۸)

۱۲ فرمایا کہ ”میں نے ۱۳۲۵ھ میں جو پہلا حج کیا تو وہاں حرم مکہ میں حدیث کے مختلف درس ہوا کرتے تھے ان میں شرکت کی تو ان کا طریقہ بہت پسند آیا کہ وہ حدیث میں تاویلات کرنے کے بجائے ایک ہی باب کی مختلف احادیث آئیں تو حدیث کے تحت فرماتے فیہ حجة ساداتنا المالکیة پھر اس کے مختلف دوسری حدیث آتی ہو تو فرماتے فیہ حجة ساداتنا الحنفیة۔“ (ص ۳۳۸)

۱۳ فرمایا کہ ”قرآن کریم کی محض تلاوت بھی بلاشبہ بہت موجب اجر ہے لیکن ایک عالم کو چاہئے کہ وہ کچھ وقت تدبر قرآن کے لئے بھی نکالا کرے۔ قرآن کریم کا کوئی لفظ حشو یا زائد نہیں ہے، لہذا اگر غور کیا جائے تو اس کے ہر لفظ سے کسی نئے فائدے کی طرف رہنمائی مل سکتی ہے۔“ (ص ۳۵۰)

۱۴ فرمایا کہ ”باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت و تبلیغ ہی کی ایک قسم ہے۔ لہذا اس میں بھی حکمت موعظہ حسنہ اور مجادلہ بالقی ہی احسن کے اصولوں پر عمل ضروری ہے، آج کل دوسروں کی تردید میں طعن و تشنیع، طنز و تعریض اور فقرے کسنے کا جو انداز عام ہو گیا ہے اس سے اپنے ہم خیال لوگوں سے داد و وصول ہو جاتی ہے



لیکن اس سے مخالفین کے دل میں ضد و عناد پیدا ہو جاتا ہے اور کسی کا ذہن بدلنے میں مدد نہیں ملتی۔“ (ص ۴۶۳)

۱۵ فرمایا کہ ”یوں تو انسان کو اپنے ہر قول و فعل میں محتاط ہونا چاہئے لیکن خاص طور پر جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ یہ سوچ کر لکھو کہ اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرو جسے شرعی اصولوں کے مطابق ثابت کرنے کے لئے کافی مواد موجود نہ ہو۔“ (ص ۴۷۰)

۱۶ فرمایا کہ ”اکابر علماء دیوبند کا طریقہ یہی رہا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہنے کی حالت میں انہوں نے عملی سیاست میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا، لیکن جب حضرت شیخ الہند رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی آزادی ہند کے سلسلے میں تحریکات خلافت میں موثر حصہ لینے لگے تو دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو گئے۔“ (ص ۴۷۲)

۱۷ فرمایا کہ ”علامہ شبیر احمد عثمانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ایک مرتبہ اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”ارباب اقتدار اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیں کہ ”ملا“ اقتدار چاہتا ہے میں واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم کبھی اقتدار میں آنا نہیں چاہتے، لیکن ارباب اقتدار کو تھوڑا سا ملا بنانا ضرور چاہتے ہیں۔“ (ص ۴۷۴)

۱۸ فرمایا کہ ”اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کے لئے کافی ہوتا تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں، وہ بھی بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے علم کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے اسی طرح جو علم انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز نہ ہو، وہ بیکار ہے۔“ (ص ۴۹۰)

۱۹ فرمایا کہ حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ارشاد ہے کہ ”میں نے تحصیل علم میں نہ تو محنت زیادہ کی ہے اور نہ بہت سی کتابیں میرے مطالعہ میں رہیں۔ بس اتنا اہتمام کیا کہ اپنے کسی بھی استاد کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے آپ سے ناراض نہیں



ہونے دیا۔ یہ سب اسی کی برکت ہے کہ اللہ نے دین اور علم دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اکثر اکبر مرحوم کا یہ شعر پڑھتے۔

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا  
علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(ص ۸۹۷)

۲۰ فرمایا کہ ”حضرات فقہاء نے من لم یعرف عرف زمانہ فہو جاہل (یعنی جو اپنے زمانہ کے رسم و رواج وغیرہ سے واقف نہ ہو وہ فقیہ نہیں ہو سکتا بالکل صحیح فرمایا ہے)۔“ (ص ۹۰۱)

۲۱ طلباء و اساتذہ سے فرمایا کہ ”آپ کو ملکی سیاست کا علم ہونا ضروری ہے البتہ جب تک علمی مشغلہ میں مصروف ہیں اس وقت تک عملی سیاست میں قطعاً حصہ نہ لیں اور نہ کسی دوسری تنظیم کے رکن بنیں، کیونکہ اس سے تحصیل علم میں خلل واقع ہوگا۔“ (ص ۹۰۱)

۲۲ فرمایا کہ ”قرآن عظیم میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ جو طائفہ علم دین حاصل کرنے کے نام پر جمع ہوا ہے اس کا کام یہ ہے کہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرے اور سمجھ بوجھ اس کو کہا جائے گا جبکہ اس علم کے ساتھ عمل بھی ہو جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو وہ دین کی سمجھ بوجھ نہیں کہلاتی۔ ایسا علم تو شیطان کو بھی ہے۔“ (ص ۹۰۷)

۲۳ فرمایا کہ ”تم شروع سال ہی سے اپنی نیت کو درست کر لو اپنی نیت یہ رکھو کہ ہم جو کچھ پڑھ لکھ رہے ہیں۔ اس سے رضائے خداوندی حاصل کرنا ہے اگر اس مقصد کو مد نظر رکھ کر تم نے تعلیم کی ابتداء کی تو انشاء اللہ تم کو پڑھنے کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ اگر خدا خواستہ یہ علم پڑھنے سے کوئی اور ارادہ ہے مثلاً یہ کہ لوگ تمہاری عزت کریں، تمہیں مفتی صاحب کہیں اور تمہارے بالوں اور قدموں کو بوسہ دیں۔ اگر یہ نیت ہے تو فوراً توبہ کرو اور اپنی نیت کو فوراً صحیح کرو۔“ (ص ۹۰۸)



۲۴) طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ”وہ تقریر کرنے کی مشق کیا کریں۔ فرمایا کہ مولویوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو تقریر کرنی آتی ہو۔ فرمایا کہ ایک اچھا واعظ اور مقرر بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہر واعظ قرآن حکیم کی اس آیت کو ملحوظ رکھے۔ ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن“ (ص ۹۱۲)

۲۵) طلبہ سے فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد کھیل وغیرہ ہلکی ورزش کا اہتمام کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو چہل قدمی ہی کی جائے۔ اس سے انشاء اللہ صحت اچھی رہے گی اور پڑھائی وغیرہ میں دل لگے گا۔ اور انسان دلجمعی کے ساتھ رات کے وقت مطالعہ کر سکے گا۔ فرمایا کہ چہل قدمی کے لئے بازار یا مارکیٹ یا پارکوں کا اہتمام نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس میں بہت خرابی ہے، اول یہ کہ بازار وغیرہ جا کر انسان خواہ مخواہ کے گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے اور بازاروں اور پارکوں وغیرہ سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اہل علم کو ایسے مقامات پر خواہ مخواہ جانا مناسب نہیں۔ ہاں بقدر ضرورت اگر کسی کام سے جائے تو چاہئے کہ فوراً لوٹ آئے۔

۲۶) فرمایا ”عزیزو! ایک عرصہ سے مدارس عربیہ کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے مدارس میں روحانیت کی کمی واقع ہونی شروع ہوئی۔ مگر تعلیمی استعداد پھر بھی اچھی تھی۔ مگر اب یہ افتاد آ گئی ہے کہ عادات و اعمال کے ساتھ ساتھ تعلیمی استعداد بھی گرتی جا رہی ہے اور اب مدارس بالکل بانجھ ہو گئے ہیں کہ اب بہت ہی کم اللہ والے علماء فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔“ (ص ۹۱۳)

۲۷) فرمایا کہ ”اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا علم ہمیشہ باقی اور تازہ رہے اور اس میں دن رات اضافہ ہو تو تم کو چاہئے کہ اپنے اندر عمل پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ فرمایا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی پیر کامل اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کی جائے اور اس سے اپنی اصلاح باطن کروائیں۔“ (ص ۹۱۳)



۲۸ فرمایا کہ ”جہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے اور پھر امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا مقولہ سنایا کہ وہ فرمایا کرتے ”علموا اصحابکم قول لا ادری“ اپنے ساتھیوں کو لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنا بھی سکھاؤ۔“ (ص ۱۱۰۵)

۲۹ فرمایا کہ ”دینی خدمت کے میرے سامنے اور بھی طریقے اور راستے تھے لیکن میں نے فتویٰ کی خدمت کو اپنا مقصد زندگی سوچ سمجھ کر بنایا اس لئے کہ اس کا نفع نقد ہے اور دوسرے طریقوں میں ایسا نہیں۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص صرف تصنیف و تالیف کو اپنا مقصد زندگی بنالے اور کتابیں لکھا کرے تو اس کا نفع مصنف کو اسی وقت حاصل ہوگا جب کوئی اس کی کتاب کو پڑھے گا اور اس پر عمل کرے گا اور معلوم نہیں کہ ایسا ہوگا بھی یا نہیں۔“ (ص ۱۱۱)

۳۰ فرمایا کہ ”مفتی کو ہمیشہ اس امر کا خصوصی طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ اس کے فتویٰ سے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ نہایت سوچ سمجھ کر لکھنا چاہئے۔ کتب کی طرف مراجعت کے ساتھ ساتھ موقع اور محل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ فقہاء نے فرمایا ہے من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل“ (ص ۱۱۶۸)

۳۱ فرمایا کہ ”مفتی کو چاہئے کہ جن مسائل کا تعلق اپنی ذات سے ہو ان مسائل میں دوسرے علماء سے استفسار کرے اپنے نفس پر اعتماد نہ کرے کیونکہ نفس کے کید خفی کا اندیشہ ہے۔“ (ص ۱۱۶۹)

۳۲ فرمایا کہ ”میری زیادہ تر یہ خواہش رہتی ہے کہ مدرسہ میں چند اللہ والے جمع ہو جائیں اگرچہ زیادہ محقق نہ ہوں۔ جس مدرس کا مقصود تنخواہ لینا ہو اس کو حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اپنی اصطلاح میں پیشہ ور مولوی فرمایا کرتے تھے۔ (ص ۱۱۷۰)

۳۳ ایک دفعہ فرمایا کہ، بعض مدرسین مدرسہ سے تنخواہ تو پوری وصول کر لیتے ہیں مگر مدرسہ کی طرف سے جو کام ان کے ذمہ ہوتا ہے اس کو پورا نہیں کرتے۔ کبھی سبق میں دیر سے پہنچتے ہیں، کبھی بلا وجہ سبق کا ناغہ کر دیتے ہیں کبھی سبق میں بے ضرورت



اور بے فائدہ باتیں کرتے ہیں۔ جس سے سبق کی کمیت اور کیفیت کا نقصان ہو جاتا ہے۔ یہ سب باتیں امانت و دیانت کے خلاف ہیں۔ خیانت اور تطفیف میں داخل ہیں۔“ (ص ۱۱۷۱)

۳۴ فرمایا کہ ”مدرسہ کی ضروریات کی اہل خیر کو عمومی اطلاع دے دی جایا کرے یا ان مخصوص حضرات کو اطلاع کر دی جائے جو ایسے مواقع خیر کے منتظر رہتے ہیں۔ مگر چندہ کرنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے اہل علم کی بے وقعتی ہو۔“ (ص ۱۱۷۷)

۳۵ فرمایا کہ ”میرے خیال میں پولوی وہ ہے جس میں اس قدر استعداد ہو کہ ہدایہ کی چاروں جلدوں میں جو جگہ اس کو بتلائی جائے اس کو حل کر کے سمجھا اور پڑھا سکے۔“ (ص ۱۱۸۰)

۳۶ فرمایا کہ ”بقسم کہتا ہوں کہ میں نے ایک عالم بھی ایسا نہیں دیکھا کہ جس نے اللہ کے لئے پڑھا اور پڑھایا ہو اور اللہ نے اس کو عزت و راحت کی زندگی عطا نہ کی ہو۔ اگر عالم ہو کر کوئی رسوا ہوا تو اپنی بد عملی سے ہوا۔“ (ص ۱۱۸۰)

۳۷ فرمایا کہ ”طلباء کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے اور اس دور میں سہل پسندی اور کاہلی سے کام لیکر اپنی عمر کے قیمتی حصے کو برباد کر دیتے ہیں یاد رکھو! ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے اس کو یوں ہی نہ گزارو۔“ (ص ۱۱۸۷)

۳۸ فرمایا کہ ”جو استاد کسی مدرسہ میں پڑھ رہا ہے اسے وہاں پڑھانے کے دوران اپنے مدرسہ میں آنے کی دعوت دینا اصول کے خلاف ہے۔ اول تو اس میں ”سوم علی سوم احیہ“ کا گناہ ہے دوسرے ایک مدرسہ کو اجاڑ کر دوسرا مدرسہ آباد کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی صاحب اس مدرسہ سے الگ ہو گئے ہیں یا الگ ہونے کا ارادہ ہے تو ان سے زیادہ سے زیادہ جو بات فرماتے وہ یہ بھی کہ ”اگر آپ اس مدرسہ کو خود چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو



دارالعلوم حاضر ہے۔“ (ص ۵۱۹)

۳۹) فرمایا کہ ”حضرت نانوتوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی وصیت کے مطابق جب تک دینی مدارس توکل استغناء اور للہیت پر کاربند رہیں گے، ان کا کام انشاء اللہ بابرکت ہوگا اور اہل علم سے دنیا کو فائدہ پہنچے گا، لیکن جب اہل علم بھی توکل استغناء سے محروم ہو جائیں اور اہل ثروت پر ان کی نگاہ جانے لگے تو ان کی تعلیم و تبلیغ بھی انوار و برکات سے خالی ہو جائے گی۔“ (ص ۵۲۱)

۴۰) حضرت والا صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی (حضرت مفتی اعظم) نے تمام منتظمین کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ”ہم نے دارالعلوم کی شکل میں کوئی دکان نہیں کھولی بلکہ خدمت دین کا ایک ادارہ قائم کیا ہے جب تک آپ حضرات اس ادارے کو صحیح اصولوں پر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلا سکیں چلائیں اور اگر خدا نخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ اسے صحیح اصولوں پر چلانا ممکن نہ رہے تو میرے نزدیک اسے بند کر دینا بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اسے غلط اصولوں پر چلایا جائے۔“ (ص ۵۲۱)

۴۱) فلسفہ اور عقلیات کی حقیقت اور اس کے ”پائے چوبیس“ کی ناپائیداری حضرت والا صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی پر روز روشن کی طرح واضح تھی لیکن جب کبھی آپ کے سامنے یہ تجویز پیش ہوتی کہ معقولات کو درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت والا صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اس کی سخت مخالفت فرماتے تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ تفسیر حدیث فقہ اصول فقہ اور عقائد پر لکھی ہوئی متقدمین کی کتابیں معقولات کی اصطلاحوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور اگر قدیم منطق و فلسفہ کو بالکل درس سے نکال دیا جائے تو اسلاف کی ان کتابوں سے خاطر خواہ استفادے کی راہ مسدود ہو جاتی ہے جو ہمارا اگر انقدر علمی سرمایہ ہے۔ اس کے علاوہ منطق و فلسفہ کی تعلیم سے ذہن و فکر کو جلا ملتی ہے اور ذہن مسائل کو مرتب طریقے سے سوچنے کا عادی بن جاتا ہے اور اس طرح یہ علوم تفسیر حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے مسائل کو سمجھنے میں معاون ہوتے



ہیں۔ حضرت والا صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان علوم کی اصل حقیقت کو ذہن نشین کر کے کوئی شخص اس نیت سے ان علوم کو پڑھے پڑھائے کہ ان سے دینی علوم کی تحصیل میں مدد ملے گی تو ان علوم کی تحصیل بھی عبادت بن جائے گی اور درس نظامی کے مرتبین نے اسی وجہ سے ان کو داخل درس کیا تھا۔ اور حضرت شیخ الہند رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے کہ اگر نیت بخیر ہو تو ہمارے نزدیک بخاری پڑھانے والے اور قطبی پڑھانے والے میں کوئی فرق نہیں، دونوں اپنی اپنی جگہ خدمت انجام دے رہے ہیں اور دونوں کی خدمت موجب اجر و ثواب ہے۔“

(ص ۳۹۱)

۴۲ فرمایا کہ ”مدرس لمبی چوڑی تقریر کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے سبق کا حق ادا کر دیا کتاب سمجھادی اور میرا حق ادا ہو گیا اور اسی طرح طالب علم سمجھتے ہیں کہ اب امتحان میں پاس ہو جائیں گے یا مدرس بن جائیں گے یہ کافی نہیں ہے زیادہ ضروری یہ امر ہے کہ مدرس اور طالب علم جو کچھ پڑھتے پڑھاتے جائیں ان پر عمل بھی کرتے جائیں اگر عمل کر لیا تو واقعی کتاب کا حق ادا کر لیا۔ اس لئے عمل کرنے اور کروانے کی نیت سے پڑھنا پڑھانا چاہئے۔“ (ص ۹۶۷)

۴۳ ایک مرتبہ طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”میں اپنی اسی سالہ زندگی کا نچوڑ اور حاصل آپ کو بتلاتا ہوں اس کو توجہ سے سنو! یہ خلاصہ ساری دنیا دیکھ کر اور دنیا داروں کا تجربہ کر کے اور زندگی کے تمام اتار چڑھاؤ دیکھ کر بیان کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ جس کام میں لگے ہیں (یعنی تعلیم و تعلم) اگر یہ خلوص کے ساتھ محض حق تعالیٰ شانہ کی رضا کے لئے ہے تب تو یہ ایسا عظیم الشان کام ہے کہ دنیا کا کوئی کام اس کے برابر نہیں یہ سب سے بہتر اور افضل ہے اور اگر خدا نخواستہ مقصود اس سے رضائے الہی نہیں، دنیا کمانا پیش نظر ہے جیسا کہ آج کل یہ کام صرف ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے تو میرے عزیزو! پھر دنیا میں اس سے بدتر کوئی کام نہیں۔ (العیاذ باللہ)“ (ص ۹۸۲)

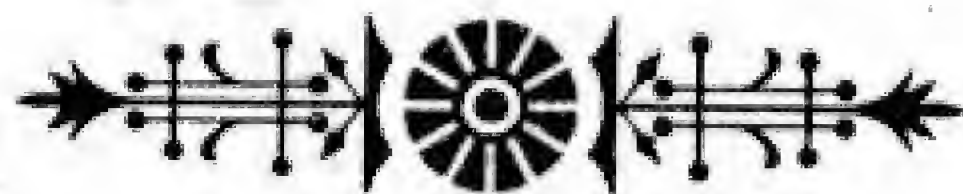


۲۲) فرمایا کہ ”میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھا دے اسی سے کام چلا لیتا ہوں، آدمی مدرس ہو، مفہم ہو، صالح ہو مفسد نہ ہو۔ بس یہ کافی ہے اگر محقق ہو اور مفسد ہو تو مدرسہ اور طلبہ کا علم و عمل سب تباہ ہو جائے گا۔“ (ص ۹۹۲)

۲۵) فرمایا کہ ”دارالعلوم کا وہ زمانہ تھا کہ مہتمم سے لیکر دربان اور چپڑاسی تک ہر شخص صاحب نسبت تھا۔“ (ص ۹۹۳)

۲۶) ختم بخاری شریف پر فرمایا ”آج ہمیں اپنے پورے سال کی محنت کا نتیجہ دیکھنا ہے اور سال بھر جو چکی پیسی اس کے بارے میں غور کرنا ہے کہ حاصل کیا ہوا، اور اس موقع پر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ارشاد ”جمعۃ ولا طحین“ نقل فرمایا کرتے تھے یعنی چکی تو چلا لی اب یہ دیکھو کہ آٹا بھی ہے یا نہیں؟ فرماتے تھے کہ سال بھر کی محنت سے چند آدمی تیار ہوتے ہیں لیکن ان کو جو سند دی جائے گی دنیا میں اس کی دو پیسے کی بھی قیمت نہیں، اس کے علاوہ کالج و یونیورسٹی میں کوئی ملازمت نہیں مل سکتی اور درحقیقت ہمارے مدرسوں سے فارغ ہونے والوں کو چاہئے بھی یہی کہ مدرسوں ہی میں زندگیاں گزار دیں دوسری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ اللہ کے یہاں علوم قرآن و حدیث کی قدر ہے، بس ہمیں وہی چاہئے، اہل دنیا کی ملازمت کی ہمیں ضرورت ہی کیا؟“

(ص ۹۹۶) (ماہنامہ ابلاغ کراچی فروری/مارچ ۱۹۹۶ء)





مولانا محمد عاشق الہی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے بعض اہم ملفوظات

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کان میں شور و غل کی آواز آنا بھی ایک عذاب ہے اور بہت بڑی تکلیف ہے، دیکھو حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ خدیجہ کو اس کے رب کی طرف سے سلام فرمادیتے اور جنت میں ان کے لیے ایک ایسے گھر کی خوشخبری دیتے جو موتی کا ہوگا اور جس میں نہ شور و شغب ہوگا نہ کوئی تھکان ہوگی۔ ۱۔ معلوم ہوا کہ شور و غل کی آواز سے محفوظ رہنا ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

بارہا فرمایا کہ جب معدہ کمزور ہو جاتا ہے (یعنی بڑھاپے میں) تو دانت بھی اکھڑ جاتے ہیں، اس میں اللہ جل شانہ کی بہت بڑی حکمت ہے کہ جو شخص بے تکا کھانے اور چبانے کا شوقین ہو اور اپنے اختیار سے معدہ پر رحم نہ کرے تو دانتوں کی وجہ سے مجبور ہو کر تھوڑا کھائے اور نرم غذا استعمال کرے اور اس طرح معدہ ظلم و زیادتی سے محفوظ رہے۔ ۲۔ اکثر فرماتے تھے کہ میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا جو شخص اچھی طرح سمجھاوے اسی سے کام چلا لیتا ہوں آدمی مدرس ہو، مفہم ہو،

۱۔ اخروجه الشيخان کما فی المشکوۃ ۵۷۳۔

۲۔ اس بات کو اکثر حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ان الفاظ میں فرمایا کرے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو دو چکیاں عطا فرمائی ہیں ایک پیٹ میں یعنی معدہ، اور دوسری منہ میں یعنی دانت اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جب بڑھاپے میں اندر کی چکی خراب ہوتی ہے تو باہر کی چکی کو بھی ناکارہ کر دیا جاتا ہے۔



صالح ہو، مفسد نہ ہو، بس یہ کافی ہے اگر محقق ہو اور مفسد ہو تو مدرسہ اور طلبہ کا علم و عمل سب تباہ ہو جائے گا۔

اکثر حضرات تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ارشاد نقل فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے ہم کو خطاب کر کے فرمایا کہ آدمی تو نہ تم ہو، نہ ہم ہیں البتہ اتنا فرق ہے کہ ہم نے آدمی دیکھے ہیں (یعنی اہل اللہ کو پایا ہے) اور تم نے آدمی دیکھے نہیں، اگر ہم کو کوئی نیل بہکانا چاہے اور کہے کہ میں آدمی ہوں تو اس کے بہکانے میں ہم نہیں آسکتے، تم لوگ دھوکہ کھا سکتے ہو۔

بارہا ارشاد فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کا ایک وہ زمانہ تھا کہ مہتمم سے لے کر دربان اور چپڑاسی تک ہر شخص صاحب نسبت تھا۔

فرمایا: شاہ رفیع الدین صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی مہتمم اول دارالعلوم دیوبند عالم نہیں تھے مگر ان کا علماء سے کام لینے کا طریقہ عجیب تھا، جب دیکھا کہ اساتذہ دیر سے مدرسہ آرہے ہیں مدرسہ کے دروازہ پر چارپائی بچھا کر ہاتھ میں تسبیح لے کر بیٹھ جاتے، ایک دو دن جو اساتذہ کا ادھر سے گذر ہوتا تو شرماتا اور وقت پر آنا شروع کر دیتے تھے، اگر کسی مدرس نے اس طرح بھی وقت پر آنا شروع نہ کیا تو اس سے تنہائی میں فرماتے کہ مولانا آپ مشغول آدمی ہیں، گھر بار کی مشغولیتوں میں اور سودا سلف لانے میں دیر ہو جاتی ہے جس سے طلبہ کا حرج ہوتا ہے اور میں بالکل بیکار ہوں آپ بازار کا کام مجھے بتا دیا کریں یہ خدمت میں کر دیا کروں گا جس سے آپ کا وقت بچ جائے گا۔ اس کے بعد کسی کو دیر سے آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

فرمایا: لیکن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی (دارالعلوم دیوبند کے اولین شیخ الحدیث) کا دیر سے آنا برابر جاری رہا ان کی مشغولیتیں خانگی تو نہ تھیں بلکہ تعویذ لینے والے اور مریدین آجاتے تھے جس سے دیر ہو جاتی تھی، جب کسی طرح قابونہ پایا تو حضرت امام ربانی قدس سرہ کو گنگوہی کو لکھا، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے



مولانا محمد یعقوب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی صاحب کو تنہائی میں خوب ڈانٹا اور فرمایا کہ قیامت میں اس وقت کی پوچھ ہوگی جو آپ نے مدرسہ میں دیا ہے یہ جو لوگ گھیر لیتے ہیں ان کو مدرسہ کے وقت کے علاوہ دوسرا وقت دیں اور بزرگی کے گھمنڈ میں نہ رہیں اور مہتمم صاحب سے فرمایا کہ آپ اس شخص کی دیر سے آنے کی شکایت کرتے ہیں اگر یہ شخص مدرسہ میں ذرا سی دیر کو آ کر یوں ہی ذرا سا گھوم پھر کر چلا جائے اور اس کو ہزار روپے تنخواہ دی جائے تب بھی کم رہے گی۔ (اس زمانہ میں عموماً ۱۵، ۲۰ روپے تنخواہ ہوتی تھی)۔

فرمایا: جب ہم نے ہوش سنبھالا تو حضرت شیخ الہند رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی دارالعلوم دیوبند میں سب سے بڑے تھے، یہ سادگی کا زمانہ تھا بڑے بڑے القاب استعمال نہیں ہوتے تھے، حضرت شیخ الہند رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو عموماً سب ہی لوگ ”مولوی صاحب“ کہتے تھے، شیخ الہند مالٹا سے واپس ہونے کے بعد حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے نام کے ساتھ مشہور ہوا۔

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی شیخ الہند قدس سرہ کی سادگی اور بے نفسی کے کئی قصے سنایا کرتے تھے، جن میں سے ایک واقعہ یہ سنایا کرتے کہ دیوبند اور اس کے آس پاس کے شہروں اور قصبوں کے رواج کے مطابق سردی کے زمانہ میں مسجد میں گھاس بچھائی جاتی تھی، یہ گھاس سردی میں گرم رہتی ہے، دیوبند کے ایک تالاب کے کنارہ پر یہ گھاس بہت ہی کھڑی تھی۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے بعض طلباء سے فرمایا کہ چلیں تالاب پر غسل کریں گے وہاں پہنچ کر حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے غسل کرتے ہوئے بہت سی گھاس کاٹ لی اور جگہ جگہ گڈیاں بنا کر رکھ دیں پھر ایک گڈی اٹھا کر سر پر رکھ کر یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ میں تو اپنا حصہ لے چلا، اس کا مطلب دوسرے حضرات بھی سمجھ گئے اور سب نے ایک ایک گڈی اٹھایا اور مسجد تک پہنچا دیا۔ حضرت شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی الہند کے محلہ کی مسجد کا واقعہ ہے۔

۱۔ یہ واقعہ حضرت نے اپنے ہم سبق مولانا مغیث الدین صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے سنا تھا اور ان کو براہ راست مولانا معین الدین صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے سنایا۔ (مدیر)



ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں نے فارغ ہونے کے بعد مدرسے کے ابتدائی عہد میں ایک رسالہ ”آداب المساجد“ کے نام سے لکھا تھا اور سبق کے ایک ساتھی جو بہت ذی استعداد تھے وہ دارالعلوم سے فارغ ہو کر اور کسی جگہ تدریس میں مشغول ہو گئے انہوں نے موطا کے کچھ حصہ کی بہت محقق شرح لکھی جب مجھ سے ملنے آئے تو میرا رسالہ دیکھ کر بہت بے تکلفی کی وجہ سے کہنے لگے کہ تو نے کیا ذرا سی کتنی لکھی ہے اور وہ بھی اردو میں ہے، دیکھ میں نے یہ موطا کی شرح لکھی ہے“ میں نے کہا کہ میری کتاب انشاء اللہ بہت مفید ہوگی اور اس سے بہت نفع پہنچے گا اور تیری تصنیف یونہی دھری رہ جائے گی (چنانچہ ایسا ہی ہوا مفتی صاحب کا رسالہ ہزار ہا ہزار کی تعداد میں بارہا ہندوپاک میں چھپتا رہا ہے اور ان صاحب کی شرح کا کہیں وجود نہیں، بات یہ ہے کہ جہاں تصنیف سے علمی شان ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اول تو وہ کتاب پوری ہی نہیں ہوتی اور اگر پوری ہو بھی جائے تو مقبولیت کی شان اُسے نہیں ملتی)۔

حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کبھی کبھی پند و نصیحت کے لیے دارالعلوم کی مسجد میں اساتذہ و تلامذہ کو خطاب فرمایا کرتے تھے، بارہا نماز میں مسبوق ہو جانے پر تنبیہ فرماتے تھے اور جو لوگ وضو کر کے باتوں میں یا منہ پونچھنے میں مشغول رہ جاتے اور یہ سمجھتے کہ رکوع سے پہلے پہلے مل جائیں گے اُن سے فرماتے تھے کہ جیسے ہی آؤ، امام کے ساتھ نماز میں مل جاؤ، جتنی نماز نکل جائے گی اُس کا ثواب کم ہو جائے گا اور اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ارشاد موطا امام مالک سے نقل فرماتے تھے کہ وَمَنْ فَاتَهُ قِرَاءَةُ امِ الْقُرْآنِ فَقَدْ فَاتَهُ خَيْرٌ كَثِيرٌ (یعنی جس سے سورۃ فاتحہ کی قراءت چھوٹ گئی تو اُس سے بہت زیادہ خیر فوت ہو گئی)۔

شروع سال میں بخاری شریف کا افتتاح فرماتے تھے اور یہی مدرسہ کے تعلیمی سال کا آغاز ہوتا تھا اس موقع پر اساتذہ اور تلامذہ کو بہت سی نصیحتیں فرماتے تھے، عموماً اس تقریر میں یہ مضمون بھی ہوتا تھا کہ ”میں مدرسین کرام کی دار و گیر نہیں کرتا بلکہ انکی



دیانت پر چھوڑتا ہوں، مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ اہل علم کا محاسبہ کروں اور وقت کی کمی پر تنخواہ وضع کروں، ۱۔ البتہ ان حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ بطور خود پورا وقت دینے کا اہتمام کریں جس طرح خرید و فروخت میں تطفیف قابل مواخذہ ہے، اسی طرح دیگر معاملات اجارہ و استجارہ وغیرہ میں تطفیف جرم ہے، تنخواہ پوری لیں اور وقت کم دیں یا کام پورا نہ کریں یہ بھی اِذَا كَتَبْتُمْ اِلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وُزِنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ میں شامل ہے، اس سلسلہ میں موطا کی یہ عبارت بھی نقل فرمایا کرتے تھے یقال لكل شئنی وفاء و تطفیف۔ ۲

بخاری شریف کے ختم پر بھی کچھ باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے ان میں سے ایک بات یہ فرماتے کہ آج ہمیں اپنے پورے سال کی محنت کا نتیجہ دیکھنا ہے۔ اور سال بھر جو چکی پیسی اس کے بارے میں غور کرنا ہے کہ حاصل کیا ہوا اور اس موقع پر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ارشاد جعجعة ولا طحين نقل فرمایا کرتے تھے یعنی چکی تو چلا لی اب یہ دیکھو کہ آٹا بھی ہے یا نہیں، فرماتے تھے کہ سال بھر کی محنت سے چند آدمی تیار ہوتے ہیں لیکن ان کو جو سند دی جائے گی دنیا میں اس کی دو پیسے کی بھی قیمت نہیں اس کے علاوہ کالج و یونیورسٹی میں کوئی ملازمت نہیں مل سکتی اور درحقیقت ہمارے مدرسوں سے فارغ ہونے والوں کو چاہئے بھی یہی کہ مدرسوں ہی میں زندگیاں گزار دیں دوسری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ اللہ کے یہاں علوم قرآن و علوم حدیث کی قدر ہے بس ہمیں وہی چاہئے۔ اہل دنیا کی ملازمت کی ہمیں ضرورت ہی کیا۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی عمر کا اکثر حصہ علم دین کے طلباء میں گزارا ہے اور اب آخری عمر میں مدرسہ کھولا ہے اور اس کے باوجود کہ علماء اور طلباء ۱۔ آخر میں حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے دارالعلوم میں تنخواہ وضع کرنے کا ضابطہ بھی بنا دیا تھا، لیکن اس طرح کہ ہر مدرس اپنی تاخیر کی مقدار خود ہی تحریر کر کے دیا کرے، اس کے مطابق تنخواہ وضع کرائے، چنانچہ اب اسی پر عمل ہوتا ہے۔ (مدیر)

۲۔ یہ عبارت اوائل موطا مالک میں موجود ہے۔



بہت کچھ بدل گئے ہیں (اس موقعہ پر ان کی بے علمی کا تذکرہ فرماتے تھے) پھر بھی کوئی دوسری جماعت ایسی نہیں پاتا جس کو ان پر ترجیح دوں۔ اور ان کو چھوڑ کر ان کے ساتھ رہوں۔

بارہا ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت تھانوی قدس سرہ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ مولوی وصی اللہ کو جانتے ہو (حضرت تھانوی کے مشہور خلیفہ جن سے ہندوستان میں بہت فیض پہنچا اور سفر حج میں بحری جہاز میں وفات پائی) اس سوال کے جواب میں میری زبان سے یہ شعر نکل گیا۔

ماو مجنون ہم سبق بودیم درسندان عشق

اوصحراء رفت و مادر کوچہ ہا رسوا شدیم

فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے سامنے شعر پڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی مگر اس موقعہ پر یہ شعر بے ساختہ زبان سے نکل گیا۔

اس پر حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ ”میاں یوں ہی ہوتا ہے کسی کو صحرا دیا جاتا ہے اور کسی کو سہرا دیا جاتا ہے۔“

(یعنی کسی عاشق کو صحرا خوردی ملتی ہے اور کسی کو نوشہ بنایا جاتا ہے، محبوب حقیقی کسی کو جذب و کیف اور مستی عطا فرماتا ہے اور کسی کو ہوش و گوش عطا فرماتا ہے اور شریعت و طریقت کی خدمت کا سہرا اس کے سر باندھتا ہے)۔

ایک صاحب تشریف لائے جو اکثر آیا کرتے تھے اس مرتبہ ان کا ایک بیٹا بھتیجا وغیرہ بھی ساتھ تھا اس کا تعارف کراتے ہوئے کہ یہ ڈبل ایم اے ہیں اور فلاں بینک میں اونچے عہدہ پر ہیں یہ سن کر حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو بہت ناگواری ہوئی اور بینک کی ملازمت کو جو انہوں نے بطور کمال اور ترقی کے ذکر فرمایا اس پر بہت ملامت فرمائی ایک تو حرام ملازمت پھر اوپر سے اس پر فخر؟ سراسر جہالت کی بات ہے۔



فرمایا کہ میں نے آٹھ سال ماہانہ ”المفتی“ نکالا، مضامین لکھنے سے لے کر ڈاک میں ڈالنے تک سارا کام خود ہی کرتا تھا اور کوئی مددگار یا ملازم نہ تھا، خود کوزہ اور خود گل کوزہ کا مصداق تھا۔ ساتھ ہی دارالاشاعت کے نام سے ایک تجارتی کتب خانہ بھی جاری کیا تھا، بسلسلہ خریداری کتب اکثر دہلی جانا ہوتا تھا، دہلی میں ایک مرتبہ حافظ عبدالغنی صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی جو حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے کتب خانہ میں شریک تھے اس کا نام کتب خانہ رحیمیہ تھا جو پہلے سنہری مسجد دہلی کے نزدیک تھا پھر اردو بازار دہلی میں چلا گیا، حافظ صاحب موصوف کو جب یہ علم ہوا کہ میں تاجر کتب ہوں تو فرمایا ”میاں تم کس کام میں لگے ہو؟ کتابوں کی تجارت پتھر کا اچار ہے اس کے لئے عمر نوح عَلَيْهِ السَّلَام اور صبر ایوب عَلَيْهِ السَّلَام چاہئے۔ (مطلب یہ تھا کہ کتابوں کی نئی دوکان چلانے کے لیے عرصہ دراز تک صبر کرنا پڑتا ہے خصوصاً جب کہ نئے مصنف کی کتابیں شائع کرنا ہو تو مصنف اور اس کی کتابوں کی شہرت ہونے تک بڑے صبر آزما دن کاٹنے پڑتے ہیں)۔

دارالعلوم کراچی کے زیر انتظام جناب الحاج محمد یوسف صاحب سیٹھی مرحوم کے تعاون سے مکاتب قرآنیہ جاری ہیں، حضرت مفتی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ان کا انتظام احقر کے سپرد کر رکھا تھا۔ مدرسین کی بے عنوانیوں پر کبھی طبعی طور پر بہت زیادہ ناگواری ہو جاتی تھی اور سخت سرزنش کے بعد بعض مدرسین کو معزول کرنا پڑتا تھا، اس سلسلہ میں ایک دن تنہائی میں احقر سے فرمایا کہ علیحدہ کرو اور ساتھ ہی سخت کلامی سے بھی پیش آؤ یہ ٹھیک نہیں۔ اس میں دو سختیاں جمع ہو جاتی ہیں کام کرنے کا اصول یہ ہے کہ جس کے ساتھ معاملہ سخت کرنا ہو (مثلاً عارضی ملازمت کے بعد مستقل کرنا یا تنخواہ بڑھانا ہو) اس کے ساتھ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت زبانی سرزنش اور زجر و تنبیخ روا ہو سکتی ہے۔



ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے اصحاب کہف کے سلا دینے کا ذکر فرماتے ہوئے یہ فرمایا:

فَضَرَبْنَا عَلَىٰ اِذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا،

سو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا۔ اس موقع پر آنکھوں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ کانوں کا ذکر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آنکھیں بند ہو جانے پر سو جانا ضروری نہیں ہے یہ تو بیدار ہوتے ہوتے بھی بند ہو جاتی ہیں اور ان کے اوپر پلکوں کا پردہ موجود ہے جو انسان کے اختیار میں ہے چاہے بند کرے چاہے کھولے، لیکن گہری نیند وہی ہوتی ہے جو کانوں پر بھی پردہ ڈال دیتی ہے، پاس بیٹھنے والے کچھ ہی باتیں کرتے رہیں سونے والا نہیں سن پاتا، اور جب جگانا ہو تو آواز دے کر جگاتے ہیں اور بلند آواز سے خود ہی آنکھ کھل جاتی ہے، پس معلوم ہوا کہ گہری نیند کا تعلق آنکھوں سے تو ہے ہی مگر زیادہ تعلق کانوں سے ہے، جب سنا بند ہو جائے تو سمجھو کہ سونے والا واقعی سو گیا۔ اللہ جل شانہ نے کانوں پر پردہ نہیں رکھا ہے اگر کانوں پر پردہ ہوتا اور انسان سوتے وقت اس کو ڈال لیا کرتا تو اس کا جگانے میں بڑی دشواری ہوتی ہے، سوتے وقت کانوں میں بس نیند کا پردہ ہوتا ہے جو آواز دینے سے ختم ہو جاتا ہے۔ ۱۔

دارالعلوم کے ایک عربی مدرس نے جو حافظ بھی تھے، رمضان المبارک میں ایک جگہ قرآن مجید سنایا اور ختم کے دن تقریر کے لیے حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو لے گئے یہ صاحب جلدی ختم کرنے اور تیزی سے پڑھتے کی وجہ سے مثل دیگر قراء کے سورہ فاتحہ میں نَسْتَعِينُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پڑھتے تھے یعنی ۱۔

اس ملفوظ کی مناسبت سے احقر کو اپنے استاد مولانا الحاج محمد اسعد اللہ صاحب رامپوری مدظلہم، ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا ایک ملفوظ یاد آ گیا آپ نے فرمایا کہ سنا کانوں سے نہیں ہوتا بلکہ آنکھوں سے ہوتا ہے اور اس بارے میں یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ اَلَا سَمِعَا فِي الْعَيْنَيْنِ مَطْلَبُ اس کا یہ ہے کہ تقریر کرنے والے کی طرف آنکھیں متوجہ رہتی ہیں اگر آنکھوں کی توجہ ہٹ جائے تو کان صحیح اور پوری بات نہیں سنتے۔



کے پیش کو ہمزہ وصل حذف کر کے ہاء سے ملا دیتے تھے، حضرت کو اس سے ناگواری ہوئی اور دارالعلوم میں آکر مکروہ لہجہ میں اس پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ وصل ذوق سلیم پر بار ہے، اس سے بہت تکلیف ہوئی (مطلب یہ تھا کہ ہمزہ وصل حذف کر کے وصل کر دینا گو قواعد وصل کے مطابق صحیح ہو گیا لیکن چونکہ اِھْدِنَا سے نئی بات شروع ہے اس لیے وصل کرنا معنوی اعتبار سے مناسب نہیں ہے اسی لیے علمائے کرام نے نَسْتَعِیْنُ پر وقف کی علامت ”ط“ لگائی ہے)

فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی تجویز اور تحریک پر میں نے دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے اسباق شروع کئے تھے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے سیاسی اختلافات کے باوجود یگانگت میں فرق نہیں آیا۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ ذکر فرماتے تھے اور وہ یہ کہ حضرت مدنی قدس سرہ چمڑے کے علاوہ دوسرے موزے پہنتے تھے جو موٹے تھے اور ان پر مسح کرتے تھے۔ میں ان پر مسح جائز نہیں سمجھتا تھا، حضرت مدنی کو میرا اختلاف معلوم ہوا تو فرمایا میں دارالافتاء میں آؤں گا، فقہاء کی تصریحات دیکھ کر فیصلہ ہوگا، دوسرے دن آپ دارالافتاء میں تشریف لائے اور کتب فقہ سے اپنی تائید میں روایات اور عبارات نکالیں لیکن میری تشفی نہ ہوئی حضرت اپنی رائے پر قائم رہے اور میں اپنی رائے پر، ان ہی ایام میں کسی مکان پر اساتذہ کا عصر کے بعد اجتماع ہوا، مغرب کا وقت قریب ہوا تو حضرت مدنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے موزوں پر مسح فرمایا، اور ساتھ ہی احقر سے فرمایا کہ ”مفتی صاحب تو اس مسح کو جائز نہیں کہیں گے“ میں نے بے تکلفی سے عرض کیا ”جی ہاں، اور آپ کے پیچھے اس وقت نماز نہیں پڑھوں گا“ حضرت مدنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے بہت متانت اور بے تکلفی سے فرمایا: ”آپ کے پیچھے ہماری نماز ہو جائے گی لہذا آپ امام بن جائیں ہم سب مقتدی ہو جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا میں نے امامت کی اور حضرت نے دیگر رفقاء کے ساتھ اقتداء فرمائی۔



یہ بھی فرماتے کہ حضرت مدنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے لوگوں نے جلسے کرنا اور اسٹیج پر آنا اور الیکشن کے لیے دورے کرنا تو سیکھ لیا۔ لیکن ان کے اندر جو باطنی کمالات تھے ان کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ کی۔

فرمایا دارالعلوم دیوبند میں جب میں مفتی مقرر ہوا تو ہر سوال کے جواب کے لیے تمام موجودہ کتب دیکھتا تھا اور بڑی محنت سے سات سال کام کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے اس کی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا بہت سخت کام ہے، یہ پریشانی اپنے مرشد و مربی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں عرض کی تو حضرت قدس سرہ نے ہمت بندھائی اور تسلی دے کر فرمایا کہ لگے رہو، اللہ مدد فرمائے گا۔

فرمایا لوگ سمجھتے ہیں کہ فارغ التحصیل مولوی ہونا اور مفتی ہونا ایک ہی بات ہے اور کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کتابوں سے جزئیات نکال لینے سے مفتی ہو جاتا ہے حالانکہ مفتی ہونا ایک مخصوص ذوق اور مزاج کا نام ہے جو برسوں کی محنت کے بعد بطور عطیہ وہی کے عطا ہوتا ہے، مفتی کا کام اتنا سنا نہیں ہے کہ صرف جزئیہ دیکھ کر جواب لکھ دے، اس پر لازم ہے کہ سوال کو دیکھے، سائل کو پرکھے، جن حالات میں سائل دریافت کر رہا ہے ان کا پس و پیش دیکھے عرف و عادت کے تغیر پر نظر کرے انقلابات احوال سے جوابات بدل جایا کرتے ہیں، اس کو ذہن میں رکھے، پھر ہر سوال کا جواب بھی ضروری نہیں ہوتا اور اگر جواب دیا ہی جائے تو تحریری جواب دینا لازم نہیں ہوتا۔

دارالعلوم کراچی اور دیگر اداروں سے فارغ شدہ بعض طلبہ مشق افتاء کے لیے درجہ تخصص میں داخلہ لے لیتے تھے، دو سال کا نصاب ان کے لیے تجویز کیا گیا تھا، دو سال کے بعد وہ سند مانگتے تھے حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی دل سے سند دینے پر راضی نہ تھے ان کا دل چاہتا تھا کہ دس پانچ سال افتاء کا کام کریں، گرم نرم سہتے



رہیں، اکابر کے فتاویٰ پر عبور حاصل کریں، تب سند دی جائے، بلکہ اس قدر کام لیں گے تو خود ہی سند کے طالب نہ ہوں گے۔ کیونکہ جیسے جیسے کام کریں گے اپنے عجز اور قلت علم کا احساس بیدار ہوتا جائے گا۔ پھر بھی طلبہ کے اصرار پر سند دے دیتے تھے جس میں خاص طور سے یہ بات تحریر کراتے تھے کہ فلاں بن فلاں نے مطالعہ کتب کیا اور افتاء کی مشق کی مگر مفتی ہونا بہت کٹھن کام ہے اگر کسی ماہر مفتی کی نگرانی میں اس نے چند سال کام کیا تو امید ہے کہ اس سلسلہ میں کسی قدر کچھ لائق ہو جائے گا۔

فرماتے تھے کہ میرا اصل فن توفیقہ و فتاویٰ ہی رہا ہے جس پر محنت کی اور زندگی کھپائی لیکن اللہ جل شانہ کا فضل و کرم ہوا کہ اس نے زندگی کے آخری سالوں میں دل کی بیماری کے زمانہ میں تفسیر کی بھی خدمت لے لی اور معارف القرآن لکھوا دی۔ فرماتے تھے ہم تفسیر کے اہل نہیں ہیں، اکابر نے جو کچھ لکھا ہے اسی کو اپنے الفاظ میں اور نئے طرز کے قالب میں پیش کر دیا ہے۔

بھٹو حکومت نے دوسرے مکتب فکر کے ایک مفتی صاحب کو گرفتار کر لیا تھا، اسی زمانہ میں کسی سائل نے دارالعلوم کراچی میں ایک استفتاء بھیجا، یہاں سے جو جواب دیا گیا اس کو اس نے شائع کر دیا، اس جواب میں مفتی موصوف کے جواب کے کچھ حصہ کی موافقت تھی۔ دارالعلوم کے اس شائع شدہ جواب کو بنیاد بنا کر ان حضرات نے کوشش کر کے اپنے مفتی صاحب کو چھڑا لیا جس پر بعض لوگ دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء میں کام کرنے والے فتویٰ نویس عالم دین کو ملامت کرنے لگے کہ تمہارے فتوے سے مخالف مکتب فکر کا مفتی چھوٹ گیا، گویا اچھا نہ ہوا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی بحیثیت امت کے سوچا کرتے تھے آپ کو ان لوگوں کی ملامت کا پتہ چلا تو فرمایا کہ اچھا ہوا ہمارے دارالافتاء کے فتویٰ کی وجہ سے فلاں مفتی صاحب رہا ہو گئے کیونکہ حکومت نے ان کو اس لیے گرفتار نہیں کیا تھا کہ اس مکتب فکر کے مفتی ہیں بلکہ اس لیے گرفتار کیا تھا کہ وہ مفتی ہیں اور ان کا فتوے



حکومت کے منشاء کے خلاف پڑ گیا تھا، اگر آج ان کو گرفتار کیا ہے تو کل کو ہماری باری بھی آسکتی ہے۔

ایک مرتبہ ہریز کی تکلیف تھی (پوری ٹانگ میں بہت سخت درد تھا جس کی میعاد بائیس دن تھی یہ دن بہت صبر آزمائے گزرے) فرمایا کہ اللہ جل شانہ کی یہ عادت ہے کہ مرض شدید ہوتا ہے تو مدید نہیں ہوتا اور مدید ہوتا ہے تو شدید نہیں ہوتا، لیکن اس مرض میں اشتداد بھی ہے اور امتداد بھی، اسی مرض کے ایام میں احقر ایک دن عیادت کے لیے حاضر ہوا، دریافت فرمایا کہ میرے لیے تیمم کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ درد میں اس قدر شدت تھی کہ تیمم کی گنجائش دینے کو دل چاہتا تھا لیکن فقہ میں یہ لکھا ہے کہ جس کے خدمت گزار موجود ہوں جو وضو کر سکتے ہوں اور نماز میں اٹھا بٹھا سکتے ہوں اس کو تیمم جائز نہیں اور اس کی نماز بھی بیٹھ کر درست نہیں (بشرطیکہ مرض کے لیے پانی مضر نہ ہو اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے دوران سر وغیرہ کی تکلیف نہ ہو، بس وضو خود کرنا اور خود کھڑے ہونا مشکل ہو) احقر نے خاموشی اختیار کی اور اسی طرح بیٹھے بیٹھے خاموش اٹھ کر چلا آیا، حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے میری خاموشی سے فائدہ اٹھایا یعنی وضو کر کے نماز پڑھی اور سمجھ لیا کہ تیمم کی گنجائش نہیں ہے، میں ایک دو دن کے بعد حاضر خدمت ہوا تو فرمایا بھی میں نے وضو کر لیا تھا (دوسرا کوئی شخص ہوتا تو خاموشی کے دوسرے معنی لیتا)۔

فرمایا کرتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک استاد جو دیوبند ہی کے باشندہ تھے بڑی تنخواہ پر بہار کے ایک مدرسہ میں چلے گئے جب جارہے تھے تو ان کو احباب نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور یہ فرماتے رہے کہ مدرسہ میں بہت تھوڑا سا وقت دینا ہوگا (کیونکہ سرکاری مدرسہ ہے) اور تنخواہ زیادہ ہوگی گزارہ خوب فارغ البالی کے ساتھ ہوگا اور تصنیف و تالیف کا اور خارج مدرسہ مفت تعلیم کا خوب موقعہ ملے گا۔ احباب کہتے تھے کہ یہ نفس کا دھوکہ ہے ایسا نہ ہو سکے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا علمی خدمت تو موصوف کچھ نہ



کر سکے البتہ بہار کے متوطن ہو گئے اور کچھ جائیداد خریدی اور بس، دینی مدرسوں میں کم تنخواہ پر کام کرتے رہنا چاہئے اسی میں عالم کے لیے دین و دنیا کی خیر ہے۔

فرمایا اہل عرب کا یہ طریقہ ہے کہ جب کچھ شمار کراتے ہیں تو آٹھویں نمبر پر ضرور واؤ لے آتے ہیں اس کا نام واؤ ثمانیہ ہے، سورہ کہف میں جَوْرَابُعُهُمْ کَلْبُهُمْ اور سَادِسُهُمْ کَلْبُهُمْ میں واؤ نہیں ہے اور وَثَامِنُهُمْ کَلْبُهُمْ میں واؤ ہے اس میں یہی نکتہ ہے اور اس کی نظیر میں سورہ توبہ کی آیت التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْآیۃ ذکر فرماتے تھے، اس میں آٹھویں جگہ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ پرواؤ ہے اس سے پہلے کسی جگہ واؤ نہیں ہے، اسی طرح سورہ تحریم کی آیت عَسَىٰ رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقَکُنَّ الْآیۃ میں آٹھویں جگہ وَابْکَارًا پرواؤ ہے اس سے پہلے واؤ نہیں ہے۔

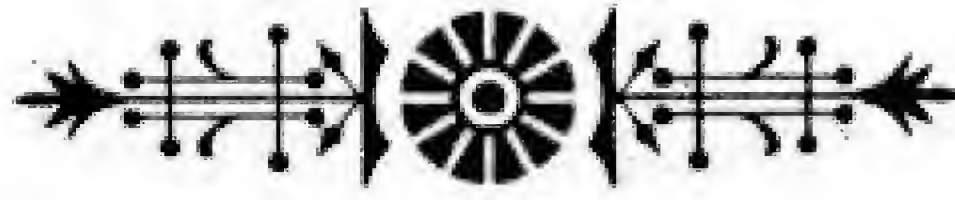
فرمایا کرتے تھے کہ آجکل لوگوں میں فکرِ آخرت نہیں ہے جو کام کرنا طے کر چکے ہیں اس کو ضرور کریں گے، نہ فتویٰ معلوم کر کے باز آتے ہیں نہ خود مسئلہ جان کر گناہ چھوڑتے ہیں اس لیے مسائل مجتہد فیہا میں مفتی حضرات متعدد اقوال میں سے جواز کے پہلو پر فتویٰ دیں تو عوام کے حق میں بہتر ہے کیونکہ جواز معلوم کر کے عمل کریں گے تو گناہ گار نہ ہوں گے اور دین سے اپنا لگاؤ سمجھیں گے اور اگر ان کو ناجائز کا فتویٰ دیدیا تب بھی وہی کریں گے جو طے کر چکے ہیں البتہ اس صورت میں گناہ جانتے ہوئے شریعت کے باغی ہو کر عمل کریں گے جو ان کے دین و ایمان کے لئے نہایت مضر ہوگا۔ (یہ بات اُن ہی مسائل و امور سے متعلق ہے جن کے بارے میں کتاب و سنت میں کوئی نص نہیں ہے جو قرآن و حدیث کے بیان کردہ اصول کے اعتبار سے ممنوع نہیں ہیں اور جو مجمع علیہ ہی نہ ہوں)۔

اکابر دیوبند کے کمالات کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک مصرع کہا ہے جس کا مصرع ثانی اب تک کوئی نہ کر سکا۔

ایک مجلس تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی



حضرت مفتی صاحب رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کے صاحبزادے مولوی محمد زکی مرحوم نے دوسرا مصرع کہا تھا مگر حضرت کے نزدیک خاطر خواہ جوڑ نہ لگا۔ آخر تک اپنے مصرع کو خود ہی فرماتے رہے اور خود بھی غالباً کوئی جوڑ نہ لگایا۔ واللہ اعلم (ماہنامہ البلاغ کراچی)



www.ahlehaq.org



## ارشادات و ملفوظات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## مفتی اعظم پاکستان

راہِ سلوک میں اصل وظائف نہیں بلکہ تہذیب اخلاق سے پہلے آدمیت آجائے تو بہت جلد وصول ہو جاتا ہے۔ جب تک آدمی رگڑے نہ کھائے آدمی نہیں بنتا اور رگڑے لگتے ہیں شیخ کی خدمت میں رہ کر، اس کی خدمت اور اس کے کام دھندے کرنے میں، کیونکہ کام دہندا کرنے اٹھنے بیٹھنے میں اس کی غلطیاں سامنے آتی ہیں پھر ان پر تنبیہ کی جاتی ہے، نہ یہاں برکت ہے نہ علم غیب، یہاں تو حرکت کی ضرورت ہے۔

شیخ سے مناسبت پیدا کرنی چاہئے تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے اور مناسبت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ شیخ کی عادات و اخلاق دیکھ کر ویسی ہی اپنی عادات بنانے کی کوشش کرے اور سارے سلوک کا خلاصہ سنت کی پیروی کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

اعمال کی دو قسمیں ہیں، ایک تو ظاہری اعمال ان کو فقہ کہتے ہیں دوسرے باطنی اعمال ان کو تصوف کہتے ہیں، سو جس طرح ظاہری فرائض اور واجبات پر عمل کرنا ضروری ہے اور محرمات سے اجتناب لازم ہے اسی طرح باطنی اعمال میں بھی جو فضائل ہیں ان پر عمل کرنا ضروری اور رذائل سے اجتناب لازم ہے بلکہ باطنی اعمال تو ظاہری اعمال کے لئے بمنزلہ جڑ اور بنیاد کے ہیں اس لئے باطنی اعمال کی اصلاح زیادہ قابل توجہ ہے، فضائل یہ ہیں: صبر، شکر، توحید، صدق، توکل، محبت، شجاعت، سخاوت، مراقبہ، محاسبہ وغیرہ۔ رذائل یہ ہیں: حسد، ریا، کبر، بغض، کینہ، عجب، شہوت،



نخوت، رعونت، آفاتِ لسان وغیرہ۔

اپنے عیوب پہنچانے کے چار ④ طریقے ہیں:

① رہبرِ کامل مل جائے جو اپنی بصیرتِ خداداد سے، اپنی فراست سے پہچان لے۔

② ایسے احباب مل جائیں جو خلوص کے ساتھ نگاہ رکھیں اور عیوبِ نفس پر آگاہ کریں۔

③ دشمن جو برائیاں چھانٹے اور کہے تو اپنے اندر غور کرتا رہے کہ یہ برائیاں مجھ میں ہیں یا نہیں، کیونکہ دشمن چھانٹ چھانٹ کر، ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیب نکالا کرتا ہے۔  
④ دوسروں کے جو عیب دیکھے تو اپنے اندر خوب غور کرے کہ یہ عیب خود میرے اندر تو نہیں ہے۔

لوگ مصلحتِ بنی میں بہت افراط میں مبتلا ہیں حتیٰ کہ اچھے خاصے دیندار، سمجھدار لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں اور کہتے ہیں کہ بھئی کیا کریں حالات نے ایسا مجبور کیا کہ کرنا ہی پڑا۔ ایسا ہرگز جائز نہیں بلکہ مصلحتِ بنی دفعِ مضرت تک تو جائز ہے جلبِ منفعت کے لئے جائز نہیں۔

ایک بار طلباء سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ امامِ غزالی رَحْمَتُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ انسانوں کی چار قسمیں ہیں:

① جن کے نہ دل میں دنیا ہے اور نہ ہی ہاتھوں میں دنیا ہے، بہت سے انبیاء علیہم السلام کرام اور اولیاء رَحْمَتُ اللّٰهِ تَعَالٰی ایسے ہوئے ہیں۔

② وہ جن کے دل میں نہیں مگر ہاتھوں میں دنیا رہی۔ بعض انبیاء اس طرح کے ہوئے جیسے حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام اور بہت سے اولیاء رَحْمَتُ اللّٰهِ تَعَالٰی بھی اس طرح کے ہوئے ہیں جیسے حضرت امام مالک رَحْمَتُ اللّٰهِ تَعَالٰی کہ ان کے شاہانہ انداز کا یہ حال تھا کہ روزانہ ایک نیا جوڑا بدلتے اور پھر کبھی دوبارہ وہ جوڑا



بدن پر نہیں آتا تھا۔

(۳) وہ جن کے دل میں دنیا ہے اور ہاتھوں میں بھی دنیا جیسے اکثر مالدار ایسے ہی ہوتے ہیں۔

(۴) وہ جن کے دل میں تو دنیا ہے مگر ہاتھ دنیا سے خالی ہیں۔

ان چاروں میں سب سے خسارہ والا چوتھے نمبر والا شخص ہے جس کے ہاتھ دنیا سے خالی اور دل دنیا اور حب دنیا سے لبریز ہے یہ شخص انتہائی قابل رحم، مسکین اور حقیقی مفلس ہے۔ اگر ہماری نیت تحصیل علم دین سے معاذ اللہ حق تعالیٰ کی رضا نہیں بلکہ دنیا کمانا مقصود ہے جیسا کہ عام رواج ہے کہ اس لئے پڑھتے ہیں کہ پڑھ کر کہیں مدرس ہو جائیں گے، امام خطیب بن جائیں گے تو ایسا شخص خسر الدنیا والآخرة کا مصداق ہے کیونکہ دنیا تو اس راستے میں کبھی ہوئی نہیں ہاں آخرت حاصل ہوا کرتی ہے اس لئے دونوں جہاں میں ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہوئی اور دونوں جہاں برباد ہوئے لہذا محض حق تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھو اور اس پر عمل کرو۔

ظاہر ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے محض راستے کا جان لینا کافی نہیں جب تک ہمت کر کے قدم نہ اٹھائے اور راستہ پر نہ چلے اور ہمت کا نسخہ بجز اہل ہمت کی اطاعت کے اور کچھ نہیں ورنہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ

جاننا ہوں ثواب طاعت وزہد

پر طبیعت ادھر نہیں آتی

عمل کی ہمت و توفیق کسی کتاب کے پڑھنے یا سمجھنے سے پیدا نہیں ہوتی اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے اور وہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ والوں کی صحبت اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کرنا، اسی کا نام تزکیہ ہے۔ قرآن کریم نے تزکیہ کو مقاصد رسالت میں ایک مستقل مقصد قرار دے کر اسے تعلیمات اسلام کی نمایاں خصوصیت بتلایا ہے۔



زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہی کافی نہیں کہ روپیہ اپنے پاس سے نکال دیا جائے بلکہ اس کے صحیح مصرف تک پہنچانا بھی انسان کی اپنی ذمہ داری ہے اسی لئے حکم یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ نکالو بلکہ حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ لہذا لوگوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ زکوٰۃ نکال کر جس کو چاہا پکڑادی۔ اس سے ذمہ داری پوری نہیں ہوتی بلکہ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ ایسے مستحقین کی ایک فہرست نگاہ میں رکھے جو کسی سے مانگتے نہیں لیکن ضرورت مند ہیں۔

اردو زبان میں دو شاعر ایسے ہیں جنہوں نے اپنی شاعری سے دین کی خدمت کی ہے اور اس سے دینی فکر کی اشاعت کا کام لیا ہے ایک اکبر الہ آبادی مرحوم ہیں اور دوسرے ڈاکٹر اقبال مرحوم۔ ان دونوں میں سے اکبر الہ آبادی کے یہاں فکری سلامتی اقبال مرحوم کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے، اکبر مرحوم کی فکر ٹھیکہ دینی فکر ہے اور ان کے یہاں حکمت کی بھی فراوانی ہے۔ اقبال مرحوم کی فکر بھی اگرچہ مجموعی اعتبار سے دینی فکر ہے مگر اس میں اس درجہ سلامتی نہیں۔

اس کے باوجود یہ بات واضح طور سے نظر آتی ہے کہ اقبال کی شاعری جتنی موثر ہوئی اور اس سے جتنا فائدہ پہنچا، اکبر مرحوم کی شاعری اس درجہ موثر نہیں ہوئی۔ میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ اکبر مرحوم نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے طنز و تعریض کا طریقہ اختیار کیا اور طنز کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ہم خیال لوگ لطف تو محسوس کرتے ہیں لیکن اس سے کوئی موثر اصلاحی کام نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات مخالفین میں ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی فروری ۲۰۰۳ء)



افادات: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

ضبط و ترتیب: مولانا شمس الحق رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## اصلاحِ نفس کے لئے دو کام کی باتیں

بیان مجلس دارالعلوم نانک واڑہ اتوار ۲۶/ دسمبر ۱۹۶۴ء

دین داری کے لئے بڑی ضرورت ہے اصلاحِ نفس کی، آج لوگ اس کے لئے صرف اتنی کوشش کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے مرید بن جائیں، لیکن یہ سمجھئے کہ مرید ہونا مقصد نہیں بلکہ اصلاحِ نفس مقصد ہے۔ اصل مقصد کو چھوڑ کر ذریعے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، حالانکہ پیر کے ہاتھ پر بیعت ہونا ذریعہ ہے اس مقصد کے حاصل کرنے کا، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کو اسی ذریعے سے اصلاح ملے۔ شیخ امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ: کسی شخص کو یہ معلوم کرنا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہیں یا ناراض ہیں؟ تو وہ یہ دیکھے کہ دین اور دنیا کے کاموں سے جو وقت فراغت کا اس کو ملتا ہے وہ اس وقت کو کن کاموں میں گزارتا ہے؟

دنیا میں جتنے انسان ہیں اتنی ہی تعداد اللہ تک پہنچنے کے راستوں کی ہے، یعنی اللہ تک پہنچنے کے بھی بے شمار راستے ہیں، ہر شخص الگ الگ راستوں سے اللہ تک پہنچ سکتا ہے، اس لئے یہ خیال نہ کرے کہ تصوف تو صرف خالی آدمیوں کا راستہ ہے، ہر شخص اپنی محنت کے بقدر کامیاب ہو سکتا ہے۔ ایک بزرگ کے پاس ایک طالب علم آیا اور کہا کہ: حضرت! میرے دل میں خواہش ہے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں اور تصوف کی لذت حاصل کروں، لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ تصوف کے راستے میں بڑے مجاہدے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور میں اپنے اندر اس کی قوت نہیں



پاتا، اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ مجاہدات کا راستہ اختیار کروں اس لئے کہ علم دین حاصل کرنے میں مشغول ہوں اور اس سے فرصت نہیں پاتا۔ بزرگ ہنسنے لگے اور فرمایا: اچھا! کوئی مشکل کام نہیں بتائیں گے، دو جملے کہتا ہوں، اسی کو اپنالو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ پہلی بات یہ کہ فضول باتوں سے بچو، دوسرے یہ کہ تقویٰ اختیار کرو۔

دیکھا آپ نے ان دو جملوں میں ساری دنیا اور آخرت کی بھلائی پوشیدہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان غور کرے اور فضول باتوں سے بچے تو سارے گناہوں سے بچ جاتا ہے، مثلاً کہنے میں کوئی فضول بات نہ ہو، یعنی ہر بات میں یا تو دین کا کوئی فائدہ ہو یا دنیا کا کوئی فائدہ ہو تو بولے ورنہ فضول کلام نہ کرے۔ سننے میں ایسی مجلسوں میں بیٹھے جو کارآمد ہوں، جن باتوں سے کوئی فائدہ نہ ہو وہ نہ سنے، کھانے میں وہ چیز کھائے جس سے کوئی فائدہ ہو، فضول کھانے بھی چھوڑ دے، ہر کام میں یہ دیکھے کہ اس میں کوئی فائدہ ہے یا نہیں؟ جو کام بے فائدہ ہو اسے چھوڑ دے۔

آج ہمارا بہت سا وقت محض اخبار پڑھنے یا بیکار کی گفتگو کرنے میں گزر جاتا ہے، حالانکہ اخبار پڑھنا گناہ نہیں، صرف خبریں دیکھنا بھی ایک بیماری کی طرح لازمی بن کر رہ گیا ہے، اور بے کار گفتگو تو عام ہے، جہاں دو چار آدمی جمع ہوں گے ادھر ادھر کی بے معنی گفتگو شروع ہو جائے گی، جس میں یا تو کسی کی بُرائی بھلائی ہوگی یا محض وقت کا گزارنا ہوگا، ایسے خالی وقت میں جب کوئی کام نہ ہو اپنے اوپر غور کرنے کی ضرورت ہے اور جس نے اپنے اوپر غور کیا تیاری کی؟ تو نہ صرف بدگوئی اور بُرے اعمال سے بچے گا بلکہ آخرت کا کچھ سامان کر لے گا۔

دوسری بات جس میں تقویٰ اختیار کرنے کو کہا ہے، یہ تمام اعمالِ حسنہ کی جڑ ہے، فرائض و واجبات اختیار کرو، ممنوع اور حرام چیزوں سے بچو، آخرت کی فکر کرو، خدا کا خوف کرو، یہی تقویٰ ہے۔ ہر انسان کی کامیابی کے لئے بس یہی دو جملے کافی



ہیں، یہ ایسے سبق ہیں کہ انسان پہلے دن سے لے کر آخر دم تک انہیں کو پکڑ کر صراطِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ: دو چیزیں نعمت ہیں جن کی موجودگی میں انسان ان کی قدر نہیں کرتا، اور ان نعمتوں کے جانے کے بعد ان کی قدر ہوتی ہے، وہ ہیں صحت اور فراغت۔ صحت کی قدر جب ہوتی ہے جب بیماری آتی ہے، اور فراغت کی قدر جب ہوتی ہے جب انسان عمل کے قابل نہیں رہتا، اور دونوں کی قدر یہ ہے کہ محاسبہ کرے اپنے اعمال کا اور فکر کرے آخرت کی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں غنیمت سمجھو پانچ چیزوں سے پہلے۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے، غنا کو فقر سے پہلے اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے۔ جوانی کو اس لئے غنیمت فرمایا کہ جوانی میں انسان کے پاس قوت ہوتی ہے، ارادہ ہوتا ہے، طاقت ہوتی ہے، ہر کام کر سکتا ہے، چنانچہ اس میں جتنے بھی نیک اعمال اکٹھے ہو سکیں کرے، پھر جب بڑھاپا آ جاتا ہے تو ارادے بھی پست ہو جاتے ہیں اور قوی بھی جواب دے دیتے ہیں، اگر چاہے تب بھی کوئی کام نہیں کر سکتا اور پھر افسوس کرتا ہے جوانی پر۔ اور اس پر بھی اگر کوئی وقت مقرر کر لے یعنی یہ سمجھ لے کہ جوانی تو دس پندرہ سال رہے گی ابھی سے کیا فکر کریں؟ تو صحت کا تو کوئی اعتبار نہیں، ہر شخص کو کسی نہ کسی بیماری سے تو دو چار ہونا ہی پڑتا ہے، اس وقت نیک اعمال کی طاقت کہاں ہوگی؟ اس وقت تو صحت کے لئے ہی دُعائیں مانگنی پڑتی ہیں اور اعمال کی طاقت کہاں؟ اور مشغولیت دراصل ایک عذاب ہے جس میں آج ہم مبتلا ہیں، آج کا فیشن ہی ہمارے لئے مشغولیت کا عذاب بنا ہوا ہے، آج کے نوجوان کو بننے اور سنورنے میں ہی گھنٹوں صرف ہو جاتے ہیں، فضولیات کو ضروریات بنا



چھوڑا ہے، بلکہ اپنے اوپر لاد لیا ہے، اکثر مجالسوں میں بات کام کی دس منٹ کی ہوتی ہے، اس کا اہتمام اور فضولیات گھنٹوں کی ہوتی ہیں۔

اور غنا کو اس وجہ سے غنیمت جانو کہ مال بھی چلتی پھرتی چھاؤں ہے، آج ہے، کل نہیں، جو کرنسی آخرت کی خرید کر جمع کرادو گے، کل آخرت میں وہ جمع کیا ہوا مل جائے گا۔ آج ہم غنی اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس دولت ہو، کارخانے ہوں، موٹر ہوں، بلکہ غنی وہ شخص ہے جو شریعت کی رُو سے صاحبِ نصاب ہو۔ حاصل یہ کہ پیسے پر بھروسہ نہ کرے، نہ معلوم کب ختم ہو جائے۔ اور یہ ساری چیزیں ایک دوسرے کے بعد آنی ضروری ہیں، اب کوئی یہ کہے کہ فلاں شخص تو شروع سے مال دار تھا اور مرتے دم تک مال دار رہا، اس پر فقر کب آیا؟ تو سمجھو اس بات کو کہ آخر میں مرتے وقت تو اس سے سب مال چھن گیا اور فقیر ہو کر ہی دُنیا سے رخصت ہوا، کیا مال وہ لے گیا؟ اپنے ساتھ صرف وہ مال جس کو اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے جمع کرادیا وہی اس کے کام آئے گا۔ آج ہم فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس مال نہ ہو، اللہ کے سچے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: فقیر وہ ہے جو دُنیا سے جاتے وقت بہت اعمال اور نیکیاں ساتھ لے گیا، لیکن حقوق کی پروانہ کی اور قیامت میں جب میزان کا وقت آیا تو اس کے حق داروں نے اللہ پاک سے درخواست کی کہ ہمارے حقوق دلوائے جائیں، اب وہاں روپیہ پیسہ تو موجود نہ ہوگا، چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ: اس کی نمازیں لے لو، پھر وہ لوگ آئیں گے جن کا اس نے حق مارا تھا، جن کی غیبت کی تھی اور ان کے حقوق کے بدلے میں اللہ پاک اس شخص کے روزے، نوافل، عمرے اور حج دلوائیں گے، پھر وہ بالکل نیکیوں سے خالی ہو جائے گا، اور حق دار جب اور آئیں گے تو حکم ہوگا اب نیکیاں اس کے پاس ختم ہو گئیں اب اپنے گناہ اس پر ڈال دو، اور وہ شخص جو نیکیوں کا انبار لے کر گیا تھا اب گناہوں سے لد جائے گا، فرمایا غریب وہ شخص ہے۔



اور زندگی کو غنیمت سمجھنا موت سے پہلے تو ظاہر ہے کہ یہ سارا عمل کا میدان زندگی میں ہی ہوگا، اور آج تو وہ زندگی مشینی ہے، ہر کام بٹن دبا کر مشین سے کیا جاتا ہے، تو عزرائیل علیہ السلام کا کام بھی مشینی ہو گیا ہے، چنانچہ موت بھی آج مشینی طور پر آتی ہے، آدمی ابھی ابھی بات کر رہا ہے، ابھی ابھی کام کر رہا ہے، ابھی ابھی سفر کر رہا ہے، اور آن کی آن میں حرکتِ قلب بند ہو جاتی ہے، جب تک سانس ہے کچھ کر لو، پھر تمنا رہ جائے گی کہ ہم کو بھی وقت ملتا تو اعمال کا ذخیرہ کر لیتے۔ اور کچھ نہیں ہو سکتا تو اپنے خالی اوقت ہی کو ذکرِ الہی میں صرف کر دو، لایعنی باتوں ہی سے بچ جاؤ، آخرت کی فکر کرو، اللہ پاک ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔

(ماہنامہ ”ابلاغ“ کراچی، محرم ۱۳۹۴ھ)





# مجموعۃ الجواهر

ملفوظات مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

احقر نے حضرت اقدس سیدی و مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی (مفتی اعظم پاکستان و بانی دارالعلوم کراچی) کی خدمت اقدس میں حاضری کے دوران چند ملفوظات جمع کئے تھے وہ پیش خدمت ہیں، بقیہ بشرط زندگی انشاء اللہ اسی عنوان کے تحت دیگر ذاتی استفادات پیش کرنے کی سعی کروں گا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔  
(بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ)

دارالعلوم میں ہم خیال احباب کی ضرورت

فرمایا دارالعلوم میں اپنے ہم خیال احباب جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، ورنہ مختلف الخیال احباب کے جمع ہو جانے سے بعد میں اکثر گڑبڑ کا اندیشہ رہتا ہے۔

مقام فنا کی ضرورت

اکثر ارشاد فرمایا کہ جتنا ہو سکے اپنے آپ کو مٹایا جائے۔

اساتذہ و طلباء کو جذبہ عمل کی ضرورت

اکثر اس پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ دینی تعلیم بھی فنی تعلیم کی طرح ہوتی جا رہی ہے، اساتذہ کرام میں اب وہ عمل کا جذبہ نہیں رہا۔ ورنہ ایک وقت تھا کہ دارالعلوم



(دیوبند) کے چیرا سی سے لے کر مہتمم تک سب ہی شب بیدار و صاحب دل ولی اللہ تھے۔ اب ملازمت، امانت مدّری وغیرہ کی نیت سے تعلیم حاصل کرتے ہیں، نفلی روزہ اور نفلی نماز وغیرہ کا اہتمام شاید ہی کسی میں رہا ہو۔

اہل عرب کی شکایت مناسب نہیں

فرمایا کہ بعض مرتبہ لوگ عربوں کی شکایت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو تکلیفیں واقعی ان سے پہنچتی ہیں مگر اس سے ان کو شکوہ و شکایت میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو جس مقام (مکہ و مدینہ) میں رہنے کی سعادت و شرف سے نوازا ہے شاید ان پر کسی وقت نگاہ کرم ہو جائے یا ان کی کوئی عبادت قبول ہو جائے تو ہماری ساری عمر کی عبادت اس کے مقابلہ میں کیا ہے؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی خدمات تصوف

فرمایا تصوف کو لوگوں نے راہب لوگوں کا پیشہ سمجھا ہوا تھا، حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس میں خوب اجتہاد کیا اور راستہ کھولا، یہاں تک کہ دنیا داروں کو دیندار بنادیا۔ اس ضمن میں حضرت شاہ غلام علی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور دیگر بزرگان دین پہلے جو مجاہدات کراتے تھے ان کے واقعات بیان فرمائے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی حضرت مفتی اعظم پاکستان کو نصیحت فرمایا میں ہمیشہ رمضان تھانہ بھون میں گزارتا تھا اور عید الفطر گھر (دیوبند) میں کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ۲۹ رمضان المبارک کو گھر جانے سے پہلے حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی خدمت میں حاضر ہوا اور نصیحت کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا کہ ہم کو تو ایک ہی سبق آتا ہے اور وہی سبق سب کو پڑھاتے ہیں کہ جتنا ہو سکے اپنے آپ کو مثالو۔ پھر ایک موقع پر نصیحت کی درخواست کے جواب میں حدیث



بیان فرمائی جس کا مفہوم یہ تھا کہ جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو اور جب شام ہو تو صبح کا انتظار مت کرو، پھر اپنے آپ کو قبر والوں میں سے شمار کرو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اب تو بیماری نے ایسی حالت خود ہی کر دی، حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے صحت اور تندرستی کے زمانے میں ایسا ہونے کو کہا تھا۔

### عدم نفع اور ضرر میں فرق

حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے ایک ملفوظ کی تشریح کے ضمن میں فرمایا کہ بیرسٹر اور وکلاء کا جو وفد علماء سے ملاقاتیں کر رہا تھا، حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے اصول و ضوابط سے بہت حیران ہوئے۔ حضرت نے عدم نفع اور ضرر میں جو فرق بیان فرمایا وہ پہلے کسی کو معلوم نہ تھا، (حضرت نے فرمایا کہ ایک شخص کسی کو سو روپے دینے والا ہو، کسی کے ایماء پر نہ دے تو لینے والے کا ضرر نہیں ہوا، عدم نفع ہوا، ضرر تو جب ہوتا کہ کوئی چھین لیتا یا جیب سے جاتے وغیرہ) میں نے بھی سوالات کے جوابات قلمبند کر کے دیئے تھے لیکن یہ اس میں موجود نہ تھا۔ جو حضرت نے مجلس میں ارشاد فرمایا وہ سب لا جواب ہو گئے اور کہا عالم ایسے ہوتے ہیں۔ اس پر حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ارشاد فرمایا تم نے عالم کہاں دیکھے ہیں، میں تو علماء کا ادنیٰ خادم اور ایک طالب علم ہوں۔

پھر فرمایا ضرر اور عدم نفع کا فرق ایک کتاب میں نظر سے گزرا مگر حضرت حکیم الامت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا اس وقت انتقال ہو چکا تھا ورنہ حضرت کو دکھلاتا اور حضرت سن کر مسرور ہوتے۔ (نور اللہ مرقدہ)

### حضرات اکابرین دیوبند کا اعتدال

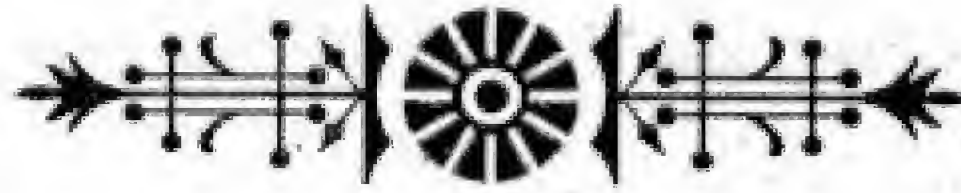
فرمایا فقہ کی سب کتابوں میں لکھا ہے کہ کتب فقہ کا مطالعہ رات کے نوافل (تہجد) سے افضل ہے مگر میں نے اپنے اکابرین رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی دیوبند و تھانہ بھون میں



سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا کہ اس سے فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو کر نماز تہجد چھوڑ دی ہو۔ دونوں کو جمع ضرور کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی پر علم کا غلبہ ہوا تو انہوں نے تہجد کو کم وقت دیا اور کسی پر عبادت کا غلبہ ہوا تو انہوں نے مطالعہ میں کم وقت صرف کیا مگر مطالعہ کیا ضرور، پھر دور حاضر کے مدرسین و طلباء پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ علم تو سب پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر اس طرف شاید ہی کسی کی توجہ اور عمل ہو۔

ذکری مذہب کے متبعین کو ضرورت تبلیغ

فرمایا دوران تعطیلات اگر اساتذہ و طلباء کو کچھ فرصت ملے تو جا کر ذکری مذہب والوں کو تبلیغ ضرور کرنی چاہئے۔ یہ کراچی میں بہت آباد ہو گئے ہیں۔ ان کے عقائد بہت غلط ہیں۔ ان کی اصلاح کرنی چاہئے۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی دسمبر ۲۰۰۳ء)





حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## عام مومنین کے لئے استغفار!

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے لئے اور عام مومنین و مومنات کے لئے استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی استدعا کیا کریں۔ واستغفر لذنوبك وللمؤمنين والمؤمنات! یہی حکم ہم امتیوں کے لئے بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی ترغیب دی اور بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، اس سلسلے کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

حضرت عبادہ بن صامت رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا۔ اس کے لئے ہر مومن مرد و عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی۔“

کسی صاحب ایمان بندے یا بندی کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بہت بڑا احسان اور اس کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس لئے جب کسی بندہ نے عام اہل ایمان (مومنین و مومنات) کے لئے استغفار کیا اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کی تو فی الحقیقت اس نے اولین و آخرین زندہ اور مردہ سب ہی اہل ایمان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیکی کی۔ اس لئے ہر ایک کے حساب میں اس کی یہ نیکی لکھی جائے گی۔ سبحان اللہ

ہمارے لئے لاتعداد نیکیوں کے کمانے کا کیا راستہ کھولا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس



کے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ جمیع مومنین و مومنات کے لئے دعائے مغفرت کے بہترین الفاظ وہ ہیں جو قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں کہ:

”رب اغفر لی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب“ ﴿۱﴾ اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور تمام ہی ایمان والوں کی مغفرت فرما دے قیامت کے دن۔ ﴿۲﴾

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ عام مومنین و مومنات کے لئے ہر روز ۲ دفعہ اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں میں سے ہو جائے گا جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جن کی برکت سے دنیا والوں کو رزق ملتا ہے۔ (معجم کبیر طبرانی)

اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی محبوب ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت و خیر خواہی اور ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ ایک حدیث میں ہے۔ سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اس لئے لوگوں میں اللہ کو زیادہ محبوب وہ بندے ہیں جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائیں۔

پھر جس طرح مخلوق کے لئے کھانے، کپڑے، ہر قسم کی زندگی کے ضروریات فراہم کرنا اور ان کو راحت و آرام پہنچانا وغیرہ۔ اس دنیا میں ان کی خدمت اور نفع رسانی کی صورتیں ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بندوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا بھی اخروی زندگی کے لحاظ سے ان کی بہت بڑی خدمت اور ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے اور اس کی قدر و قیمت آخرت میں اس وقت معلوم ہوگی جب یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ کسی کے استغفار نے کسی کو کیا دلوا یا اور کتنا نفع پہنچایا۔ پس جو مخلص بندے اخلاص اور دل کی گہرائی سے ایمان والے بندوں اور بندیوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں اور دن رات میں بار بار



کرتے ہیں۔ (جس کا کورس اس حدیث میں ۲۷ بتایا گیا ہے۔) وہ تمام مومنین و مومنات کے خاص الخاص محسن اور گویا آخرت کے لحاظ سے ”اصحاب خدمت“ ہیں اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایسے مقرب اور مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی دعائیں سنی جاتی ہیں اور ان کی دعاؤں کی برکت سے دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔

لیکن یہ بات یہاں قابل لحاظ ہے کہ اس دنیا میں تو ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی خدمت اور اس کو ضروری درجہ کا آرام پہنچانے کی کوشش نیکی اور کارِ ثواب ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ ”فی کل ذات کبدر طب صدقة“ لیکن اللہ رب العزت سے مغفرت اور جنت کی دعا صرف اہل ایمان ہی کے لئے کی جاسکتی ہے۔ کفر و شرک والے جب تک اس سے توبہ نہ کریں مغفرت اور جنت کے قابل نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے واسطے مغفرت اور جنت کی دعا بھی نہیں کی جاسکتی، ہاں ان کے واسطے ہدایت اور توبہ کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے۔ جس کے بعد ان کے لئے مغفرت اور جنت کا دروازہ کھل سکے۔ ان کے حق میں یہی دعا کرنا ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی اور خیر خواہی ہے۔

## توبہ واستغفار سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے

توبہ واستغفار سے متعلق احادیث و روایات کے سلسلہ کو مندرجہ ذیل حدیث پر ختم کیا جاتا ہے جو صحیحین میں بھی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور جس میں رسول اللہ ﷺ نے توبہ کرنے والے گناہ گاروں کو وہ بشارت سنائی ہے جو کسی دوسرے بڑے سے بڑے عمل پر نہیں سنائی گئی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کو سمجھنے کے لئے صرف یہی ایک حدیث ہوتی تو کافی تھی۔ حق یہ ہے کہ اس چند سطری حدیث میں معرفت کا ایک دفتر ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم اور یقین نصیب فرمائے:



”عن عبد الله بن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لِلَّهِ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ اَرْضَ دَوِيَّةٍ مَهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَاسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ فَطَلَبَهَا حَتَّى اِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ اَوْ مَا شَاءَ اللهُ قَالَ اَرْجِعْ اِلَى مَكَانِي الَّذِي كُنْتُ فِيهِ فَاَنَامَ حَتَّى اَمُوتَ فَوَضَعَ رَاسَهُ عَلَى سَاعِدِهِ لِيَمُوتَ فَاسْتَيْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ عَلَيْهَا زَادُهُ وَشَرَابُهُ فَاللهُ اشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هَذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ“

﴿حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے خدا تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندہ کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ جو (اثنائے سفر میں) کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اتر گیا ہو جو سامانِ حیات سے خالی اور اسبابِ ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو۔ اس پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو۔ پھر وہ آرام کرنے کے لئے سر رکھ کے لیٹ جائے۔ پھر اسے نیند آجائے۔ پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے پھر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو۔ یہاں تک کہ گرمی اور پیاس وغیرہ کی شدت سے جب اس کی جان پر بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ میرے لئے اب یہی بہتر ہے کہ میں اسی جگہ جا کر پڑ جاؤں جہاں سویا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے موت آجائے۔ پھر وہ اسی ارادہ سے وہاں آ کر اپنے بازو پر سر رکھ کر مرنے کے لئے لیٹ جائے۔ پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے اور اس پر کھانے پینے کا پورا سامان (جوں کا توں محفوظ) ہے۔ تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا۔ خدا کی قسم! مؤمن بندہ کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم) ﴿



ذرا تصور کیجئے اس بدو مسافر کا جو اکیلا اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور راستہ بھر کے لئے کھانے پینے کا سامان اسی پر لا کر دور دراز کے سفر پر کسی ایسے راستہ سے چلا جس میں کہیں دانہ پانی ملنے کی امید نہیں۔ پھر اثنائے سفر میں وہ کسی دن دوپہر میں کہیں سایہ دیکھ کر اتر اور آرام کرنے کے ارادہ سے لیٹ گیا۔ اس تھکے ماندے مسافر کی آنکھ لگ گئی۔ کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ غائب ہے۔ وہ بے چارہ حیران و سراسیمہ ہو کر اس کے تلاش میں دوڑا بھاگا۔ یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت نے اس کو لب دم کر دیا۔ اب اس نے سوچا کہ شاید میری موت اسی طرح اس جنگل بیابان میں لکھی تھی اور اب بھوک پیاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے یہاں مرنا ہی میرے لئے مقدر ہے۔ اس لئے وہ اسی سایہ کی جگہ میں مرنے کے لئے آگے بڑھ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا۔ اسی حالت میں اس کی آنکھ پھر جھپکی۔ اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہے۔

ذرا اندازہ کیجئے کہ بھاگی ہوئی اور گرم شدہ اونٹنی کو اس طرح اپنے پاس کھڑا دیکھ کر اس بدو کو جو مایوس ہو کر مرنے کے لئے پڑ گیا تھا۔ کس قدر خوشی ہوگی۔ صادق مصدوق ؑ نے اس حدیث پاک میں قسم کھا کر فرمایا کہ خدا کی قسم! بندہ جب جرم گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور سچے دل سے توبہ کر کے اس کی طرف آتا ہے تو اس رحیم و کریم رب کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ جتنی کہ اس بدو کو اپنی بھاگی ہوئی اونٹنی کے ملنے سے ہوگی۔

قریب قریب یہی مضمون صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی مروی ہے اور صحیح مسلم میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مضمون مروی ہے، بلکہ حضرت



انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بدو مسافر کی فرط مسرت کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اونٹنی کے اس طرح مل جانے سے وہ اتنا خوش ہوا کہ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی اس بے انتہا عنایت اور بندہ نوازی کے اعتراف کے طور پر وہ کہنا چاہتا تھا کہ:

”اللھم انت ربی وانا عبدک“ ﴿خداوند! بس تو ہی میرا رب ہے اور میں

تیرا بندہ۔﴾

لیکن خوشی کی سرمستی میں اس کی زبان بہک گئی اور اس نے کہا کہ ”اللھم انت عبدی وانا ربک“

﴿میرے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا﴾

آنحضرت ﷺ نے اس کی غلطی کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”أخطأ من شدة الفرح“

﴿فرط مسرت اور بے حد خوشی کی وجہ سے اس بے چارے بدو کی زبان بہک گئی۔﴾  
بلاشبہ اس حدیث میں توبہ کرنے والے گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ کی جس خوشنودی کی بشارت سنائی گئی ہے۔ وہ جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے بھی فائق ہے۔

شیخ ابن القیم نے مدارج السالکین میں توبہ واستغفار ہی کے بیان میں اسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اس خوشنودی کی وضاحت میں ایک عجیب و غریب مضمون لکھا ہے جس کو پڑھ کر ایمانی روح وجد میں آجاتی ہے۔ ذیل میں اس کا صرف حاصل و خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی نے اپنی پیدا کی ہوئی ساری کائنات میں انسان کو خاص شرف بخشا ہے۔ دنیا کی ساری چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور اس کو اپنی معرفت اور اطاعت و عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ ساری مخلوقات کو اس کے لئے مسخر کیا اور اپنے فرشتوں تک کو اس کا خادم اور محافظ بنایا۔ پھر اس کی ہدایت و راہنمائی



کے لئے کتابیں نازل فرمائیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ پھر ان ہی میں سے کسی کو اپنا خلیل بنایا اور کسی کو شرف ہم کلامی بخشا اور بہت بڑی تعداد کو اپنی ولایت اور قرب خصوصی کی دولت سے نوازا اور انسانوں ہی کے لئے دراصل جنت و دوزخ کو بنایا۔

الغرض دنیا و آخرت میں اور عالم خلق و امر میں جو کچھ ہے اور ہوگا۔ اس سب کا اصل مرکز و محور بنی نوع انسان ہی ہے۔ اسی نے امانت کا بوجھ اٹھایا۔ اسی کے لئے شریعت کا نزول ہوا اور ثواب و عذاب دراصل اسی کے لئے ہے۔ پس اس پورے کارخانہ عالم میں انسان ہی اصل مقصود ہے۔ اللہ نے اس کو اپنے خاص دست قدرت سے بنایا۔ اس میں اپنی روح ڈالی۔ اپنے فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا اور ابلیس اس کو سجدہ ہی نہ کرنے کے جرم میں مردود بارگاہ ہوا اور اللہ نے اس کو اپنا دشمن قرار دیا۔

یہ سب اس لئے کہ اس خالق نے انسان ہی میں اس کی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک زمینی اور مادی مخلوق ہونے کے باوجود اپنے خالق و پروردگار کی (جو وراء الوریاء اور غیب الغیب ہے) اعلیٰ درجہ کی معرفت حاصل کرے۔ ممکن حد تک اس کے اسرار اور اس کی حکمتوں سے آشنا ہو۔ اس سے محبت اور اس کی اطاعت کرے۔ اس کے لئے اپنے نفسانی مرغوبات اور اپنی ہر چیز کو قربان کرے اور اس دنیا میں اس کی خلافت کی ذمہ داریوں کو ادا کرے اور پھر اس کی خاص الخاص عنایتوں اور بے حساب بخششوں کا مستحق ہو کر رحمت و رافت اس کے پیار و محبت اور اس کے لئے بے انتہا لطف و کرم کا مورد بنے اور چونکہ وہ رب کریم اپنی ذات سے رحیم ہے اور لطف و کرم اس کی ذاتی صفت ہے۔ (جس طرح بلا تشبیہ مامتاں کی ذاتی صفت ہے) اس لئے اپنے وفادار اور نیک کردار بندوں کو انعامات و احسانات سے نوازنا اور اپنے عطیات سے ان کی جھولیوں کو بھر دینا اس کے لئے بلا تشبیہ اسی طرح بے انتہا خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ جس طرح اپنے بچہ کو دودھ پلانا اور نہلا دھلا کر اچھے



کپڑے پہنانا ممتا والی ماں کے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔  
اب اگر بندے نے بد بختی سے اپنے اس خالق و پروردگار کی وفاداری اور فرمانبرداری کا راستہ چھوڑ کر بغاوت و نافرمانی کا طریقہ اختیار کر لیا اور اس کے دشمن اور باغی شیطان کے لشکر اور اس کے متبعین میں شامل ہو گیا اور رب کریم کی ذاتی صفت رحمت و رافت اور لطف و کرم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے بجائے وہ اس کے قہر و غضب کو بھڑکانے لگا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ میں (بلا تشبیہ بلا تشبیہ) اس غصہ اور ناراضی کی سی کیفیت پیدا ہوگی۔ جو نالائق اور ناخلف بیٹے کی نافرمانی اور بدکرداری دیکھ کر ممتا والی ماں کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

پھر اگر اس بندہ کو کبھی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ محسوس کرے کہ میں نے اپنے مالک اور پروردگار کو ناراض کر کے اپنے کو اور اپنے مستقبل کو برباد کر لیا اور اس کے دامن رحم و کرم کے سوا میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ پھر وہ اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہو اور مغفرت و رحمت کا سائل بن کر اس کی بارگاہ کرم کی طرف رجوع کرے۔ سچے دل سے توبہ کرے۔ روئے اور گڑ گڑائے۔ معافی مانگے اور آئندہ کے لئے وفاداری اور فرمانبرداری کا عہد و ارادہ کرے تو سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کے اس کریم رب کو جس کی ذاتی صفت رحمت و رافت اور جس کا پیار ماں کے پیار سے بھی ہزاروں گنا زیادہ ہے اور جو بندوں پر نعمتوں کی بارش برسا کے اتنا خوش ہوتا ہے۔ جتنا نعمتوں کو پا کر محتاج بندے خوش نہیں ہوتے۔ تو سمجھا جاسکتا ہے کہ ایسے کریم پروردگار کو اپنے اس بندہ کی اس توبہ و انابت سے کتنی خوشی ہوگی۔

شیخ ابن القیم نے اس سے بہت زیادہ وضاحت اور بسط کے ساتھ یہ مضمون لکھنے کے بعد آخر میں کسی عارف کا ایک واقعہ لکھا ہے جو شیطان یا نفس امارہ کے اغواء سے غلط راستے پر پڑ گئے تھے اور سرکشی و نافرمانی کے جراثیم ان کی روح میں پیدا ہونے لگے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ



وہ عارف ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بچہ روتا چلاتا ہوا اس میں سے نکلا۔ اس کی ماں اس کو گھر سے دھکے دے دے کر نکال رہی تھی۔ جب وہ دروازہ سے باہر ہو گیا۔ تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ بچہ اسی طرح روتا چلاتا بلکتا بڑا تا کچھ دور تک گیا۔ پھر ایک جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ اور سوچنے لگا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں جاسکتا ہوں اور کون مجھے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ یہ سوچ کر ٹوٹے دل کے ساتھ وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ پڑا۔ دروازہ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے تو وہ وہیں چوکھٹ پر سر رکھ کر پڑ گیا اور اسی حالت میں سو گیا۔ ماں آئی۔ اس نے دروازہ کھولا اور اپنے بچے کو اس طرح چوکھٹ پر سر رکھ کے پڑا دیکھ کر اس کا دل بھر آیا اور مامتا کا جذبہ ابھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بچہ کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کو پیار کرنے لگی اور کہہ رہی تھی بیٹے تو نے دیکھا تیرے لئے میرے سوا کون ہے۔ تو نے نالافتی نادانی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے اور میرا دل دکھا کر مجھے وہ غصہ دلایا جو تیرے لئے میری فطرت نہیں ہے۔ میری فطرت اور مامتا کا تقاضا تو یہی ہے کہ میں تجھ سے پیار کروں اور تجھے راحت و آرام پہنچانے کی کوشش کروں۔ تیرے لئے ہر خیر اور بھلائی چاہوں۔ میرے پاس جو کچھ ہے تیرے لئے ہے۔ ان عارف نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور اس میں ان کے لئے جو سبق تھا وہ لیا۔

اس قصہ پر غور کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سامنے رکھئے کہ:

”خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے بندوں کے لئے اس سے زیادہ پیارا اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لئے۔“

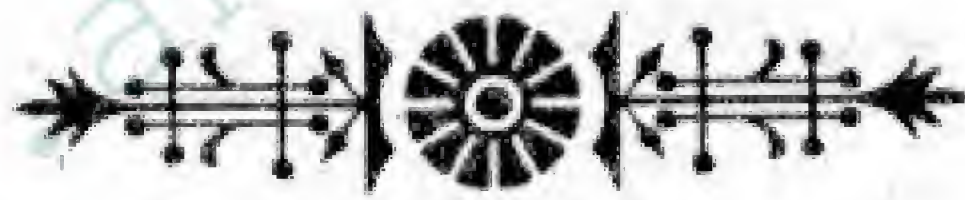
یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ایک عورت تھی جو بڑے والہانہ انداز میں اپنے بچہ کو بار بار اٹھا کے سینے سے لگاتی اور دودھ پلاتی تھی۔ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ مامتا کے جذبہ سے اس کا سینہ بھرا ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ



نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ: ”خدا کی قسم! اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات میں اپنے بندوں کے لئے اس سے زیادہ پیارا اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچہ کے لئے ہے۔“

کیسے بد بخت اور محروم ہیں وہ بندے جنہوں نے نافرمانی کی راہ اپنا کے ایسے رحیم و کریم پروردگار کی رحمت سے اپنے کو محروم کر لیا اور اس کے قہر و غضب کو بھڑکا رہے ہیں۔ حالانکہ توبہ کا دروازہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ اس کی طرف قدم بڑھا کے اللہ رب العزت کا وہ پیارا حاصل کر سکتے ہیں جس کے سامنے ماں کا پیارا کچھ نہیں۔ اللہ انہیں حقائق کا فہم اور یقین نصیب فرمائے۔

(..... ماہنامہ لولاک ملتان، ..... ۲۰۰۶ء)





حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## روزہ میں عبادت کا مقام

### ایک نشری تقریر

روزہ ایک ایسا مفید عمل ہے کہ اس کے مفید و نافع ہونے پر حکماء و اطباء اور ہر مذہب و ملت کے ماننے والے متفق ہیں، نقطہ نظر اپنا اپنا علیحدہ ہے حکیم ڈاکٹر روزہ کو اس لئے مفید بتاتے ہیں کہ وہ بدن انسانی کی صحت کا اور سینکڑوں امراض سے حفاظت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اہل مذاہب اس کو اس لئے مفید کہتے ہیں کہ وہ روحانی تندرستی کا بہترین ضامن اور انسان کا گناہوں سے تنقیہ کرنے میں نسخہ اکسیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا آباد ہے ہر مذہب و ملت میں روزہ کو ایک خاص اہمیت دی گئی ہے گو اس کی صورتیں مختلف مذاہب میں مختلف ہیں، اس کی بڑی وجہ شاید یہ ہے کہ روزہ جس طرح خود ایک عظیم عبادت اور غیر محدود ثواب کا موجب ہے اسی طرح وہ انسان کو دوسری عبادات کے قابل بنانے اور ان کے لئے مہیا کرنے میں ایک خاص اثر رکھتا ہے جس کا جی چاہے یہ کرے کہ ایک گناہ کے چھوڑنے کی کوشش انسان کرتا رہتا ہے کامیابی نہیں ہوتی۔ لیکن روزہ کی حالت میں اس پر قابو پانا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ جو عبادت ہمیشہ بھاری نظر آتی ہے روزہ میں قدرتی طور پر آسان ہو جاتی ہے۔ مشاہدہ ہے کہ وہ لوگ جو گیارہ مہینہ کی عبادت سے کوئی ذوق نہیں رکھتے۔ نماز فرض ادا کرنا بھی انھیں دو بھر نظر آتا ہے۔ رمضان میں



روزہ کی برکت سے وہ نہ صرف فرض نماز کے پابند ہو جاتے ہیں بلکہ تراویح جیسی طویل اور مشکل نماز کو ذوق و شوق سے ادا کرنے لگتے ہیں۔

اگر عبادت کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو روزہ کے ساتھ اس کا جوڑ خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔ دیکھئے عبادت کے معنی ہیں بندگی۔ اور بندگی اسی کا نام ہے کہ اپنے آپ کو اپنے آقا کے سپرد کر دے کہ اس کے حکم کا منتظر رہے جب بھی جس طرح کا حکم ملے اس کو بجالائے۔

عاشقی چست بگو بندہ جانان بودن

دل بدست دگرے دادن حیران بودن

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ یہ سب عبادات کی مختلف صورتیں ہیں لیکن حقیقت عبادت جو سب میں مشترک ہے وہ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کیلئے تیار کر دے اور اس کے سپرد کر دے۔ جیسا حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب نے فرمایا کہ فرمانبردار ہو جاؤ تو انھوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کا تابع فرمان ہوں۔

عبادت کی یہ حقیقت تمام شرائع و مذاہب میں ہمیشہ یکساں رہتی ہے، اس کی صورتیں بدلی بھی جاسکتی ہے، کم و بیش بھی کی جاسکتی ہیں۔ قرآن کریم نے خود اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

لیس البران تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله الآیۃ۔

یعنی اصل عبادت یہ نہیں کہ تم مشرق کی طرف رخ کرو یا مغرب کی طرف بلکہ اصلی عبادت اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت ہے۔



حقیقت عبادت واضح ہو جانے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عبادت میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ یا نئی صورت گھڑنا جس کو اصطلاح میں بدعت کہا جاتا ہے اگرچہ صورت عبادت کی ہے، مگر حقیقت میں وہ عبادت نہیں کیونکہ وہ اپنی تجویز ہے، فرمان الہی کی پیروی نہیں۔ حدیث میں اس کو گمراہی اور موجب عذاب قرار دیا ہے۔ کوئی شخص ظہر کی رکعتیں چار کے بجائے پانچ یا مغرب کی چار ادا کرے یا اذان و اقامت میں اپنی طرف سے اور کچھ کلمات بڑھادے تو اگرچہ بظاہر اس نے عبادت اور نیکی میں زیادتی کی ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے کہ اس نے اپنی پہلی نیکی کو بھی برباد کر دیا۔ وجہ وہی ہے کہ اس نے اپنے نفس کو تابع فرمان نہیں رکھا۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ عبادت کی حقیقت بندگی اور اپنے نفس کو مرضی مولا کے سپرد کرنا ہے تو اب یہ معلوم کرنا بھی کچھ مشکل نہیں رہا کہ روزہ اس میں سب سے بڑا معین و مددگار ہے۔ کیونکہ بندگی اور تابعداری سے انسان کو روکنے والی چیز اس کی نفسانی خواہشات کا غلبہ ہے۔ اور روزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ ایک معین وقت کے لئے خواہشات نفسانی کو ترک کیا جائے۔ اور جب کوئی شخص معین اوقات میں خواہشات نفسانی پر قابو پاسکتا ہے تو اس کو دوسرے اوقات میں بھی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے روزہ دار کے لئے عبادت آسان ہو جاتی ہے، آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کا رمضان سلامتی سے گزر جائے اس کا سارا سال سلامتی سے گزرے گا یعنی جو شخص رمضان میں گناہوں سے بچ گیا تو باقی گیارہ مہینوں میں بھی اس کیلئے معاصی سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

قرآن کریم نے جہاں روزہ فرض ہونے کا ذکر کیا ہے اس کی حکمت یہی بتلائی ہے کہ روزہ رکھنے سے تقویٰ و پرہیزگاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ



تَرْجَمًا: اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ۔

اور خاص کر ماہ رمضان اور اس کے صیام و قیام کو انسان کی باطنی اور روحانی پاکی میں بڑا دخل ہے۔ اللہ جل شانہ نے اپنا کلام قرآن مجید نازل کرنے کے لئے اسی ماہ مبارک کو منتخب فرمایا بلکہ پچھلی تمام آسمانی کتابیں بھی اسی ماہ مبارک میں نازل ہوتی رہی ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ایک خطبہ دیا جس میں رمضان المبارک کے متعلق خصوصی احکام و فضائل کا بیان فرمایا، ہم اس طویل حدیث کا خلاصہ اردو زبان میں عوام کے فائدہ کے لئے بیان کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم پر ایک عظیم الشان مبارک مہینہ آرہا ہے جس میں ایک رات ایسی آئے گی جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہوگی یعنی اس رات کو عبادت میں مشغول رہنا ایسا ہوگا جیسے کوئی شخص ایک ہزار مہینے یا اس سے بھی زائد عبادت میں مشغول رہا ہو۔

پھر فرمایا کہ جو شخص اس ماہ مبارک میں کوئی نفعی عبادت ادا کرتا ہے وہ فرض کے برابر ثواب اور درجہ رکھتا ہے اور جو فرض عبادت ادا کرتا ہے وہ ستر فرضوں کے برابر ثواب پاتا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، کبھی اگر روزہ سے کچھ تکلیف پیش آئے تو اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے شور و شغب نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ ماہ رمضان ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے یعنی مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس ماہ مبارک میں اپنے عزیزوں، دوستوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کا سلوک کرے، ان کی حاجت پورا کرنے کی کوشش کرے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بھوکے کو روٹی کھلائے یا ننگے کو کپڑا



پہنائے یا مسافر کو شبِ باشی کی جگہ دے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے اہوال (خوفوں) سے پناہ دیں گے۔

پھر فرمایا کہ اس ماہِ مبارک میں مسلمان کا رزق بڑھتا ہے، جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے اس کو بھی اس کے روزہ کا ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔

پھر فرمایا کہ جو شخص رمضان المبارک میں اپنے غلام یا نوکر پر کام ہلکا کر دے تاکہ اس کو روزہ رکھنا آسان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے اور جہنم سے اس کو نجات دیں گے۔ اسی لئے سلف صالحین اور اللہ کے نیک بندوں کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ ماہِ رمضان میں نوکروں سے زیادہ محنت کا کام نہیں لیتے پھر ارشاد فرمایا کہ رمضان میں چار چیزوں کی پابندی لازمی سمجھو۔ ایک کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی کثرت، دوسرے استغفار، تیسرے حصولِ جنت کے لئے دعاء، چوتھے جہنم سے پناہ مانگنا۔

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی، ایک روزہ دار، دوسرے بادشاہِ عادل، تیسرے مظلوم کی دعاء۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ رمضان المبارک کی ہر رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی پکارتا ہے کہ اے نیکی کے طلبگار متوجہ ہو اور آگے بڑھ، اور اے برائی کے طلبگار بس کر اور آنکھیں کھول، اس کے بعد وہ منادی فرشتہ کہتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا تاکہ اس کی مغفرت کی جائے، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔ ہے کوئی دعاء کرنے والا کہ اس کی دعاء قبول کی جائے۔ ہے کوئی حاجت مانگنے والا جس کی حاجت پوری کی جائے۔

مسلمانو! یہ رمضان کے چند لمحات ہیں ان کی قدر کیجئے، پچھلے گناہوں سے توبہ و استغفار اور آئندہ کے لئے احتیاط و پابندی کا عزم پختہ کر لیجئے اور

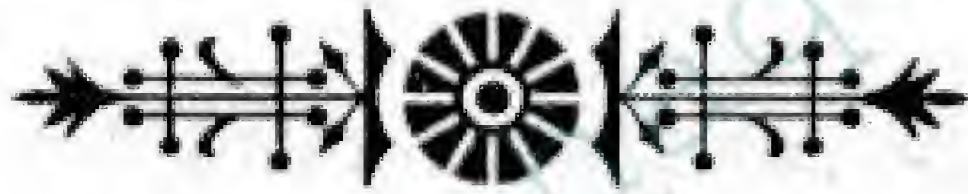


ایک مرتبہ ہمت کر کے عمل شروع کر دیجئے پھر دیکھئے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کیسی مدد پہنچتی ہے۔

حدیث: بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لئے حرام کھانے یا حرام کام کرنے یا غیبت وغیرہ کرنے کی وجہ سے (پاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں جن کے لئے (ریا کاری کی وجہ سے) جاگنے کے سوا کچھ نہیں۔

(داری عن ابی ہریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ)

(ماہنامہ البلاغ کراچی)





افادات: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## مقامِ زہد

### چست دنیا؟ از خدا غافل شدن!

”زہد“ کے لغوی معنی ہیں: اپنی کسی مرغوب چیز کو کسی دوسری بہتر چیز کے لئے چھوڑ دینا، اسلامی اصطلاح میں زہد کا مطلب ہے آخرت کے لئے دنیا کو ترک کر دینا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ محض ”ترکِ نیا“ کا نام ”زہد“ نہیں ہے، لہذا اگر کوئی شخص بے حسی کی بنا پر دنیا کو چھوڑ دے تو یہ ”زہد“ نہیں کہلا سکتا۔

پھر آخرت کے لئے بھی جس ”ترکِ دنیا“ کی ترغیب دی گئی ہے اس کا مطلب سمجھنے میں بھی بڑی غلط فہمیان پائی جاتی ہیں، بعض لوگ ”زہد“ کو ”رہبانیت“ کا مرادف سمجھنے لگتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ کھانا، پینا، تجارت یا کسبِ معاش کے ذرائع اختیار کرنا ”زہد“ کے خلاف ہے حالانکہ اس قسم کی ”ترکِ دنیا“ قرآن و سنت کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

ہمیشہ یاد رکھئے کہ ایک تو ہیں دنیا کے مقاصد ضروریہ جن کے بغیر انسانی زندگی کا بقاء ممکن نہیں اور جنہیں حاصل کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، مثلاً بقدر ضرورت کھانا پینا اور حصولِ معاش کی کوشش ایسی چیزوں کو ”حقوقِ نفس“ کہا جاتا ہے، اور شریعت نے انسان کے ذمے ضروری قرار دیا ہے کہ ”نفس“ کے ان ”حقوق“ کو ادا کیا جائے، اور انہی حقوق کو ترک کرنے کا نام ”رہبانیت“ ہے جس کی قرآن کریم نے ممانعت فرمائی ہے۔



اور حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

طلب المعاش فريضة بعد الفريضة

”طلب معاش فرائض اسلام کے بعد دوسرا فريضہ ہے“

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اسی وجہ سے اپنے متوسلین کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی ”صحت“ کا خالص خیال رکھا کریں، کیونکہ وہ حقوق نفس میں سے ہے اور اگر صحت خراب ہو جائے تو آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔

دوسری چیز ہے ”حفظ نفس“ یعنی وہ نفسانی لذتیں جن پر نہ انسان کی بقاء موقوف ہے اور نہ ان کی تحصیل انسان کی فطرت میں داخل ہے، انسان انھیں محض اپنی زائد از ضرورت نفسانی خواہشات کی تسکین کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اس قسم کی خواہشات کو ترک کرنے کا نام ”زہد“ ہے اور یہ اسلام میں مطلوب و محبوب ہے، قرآن و حدیث یا فقہاء و صوفیاء کے کلام میں ”ترک دنیا“ سے مراد ہمیشہ یہ ”زہد“ ہی ہوتا ہے۔ ”رہبانیت“ نہیں۔

صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ ”زہد“ کے تین درجات ہیں۔

① سب سے اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ مال و متاع سے دل میں ایسا اعراض اور نفرت ہو کہ کوئی بے مانگے بھی دے جائے تو اچھا نہ لگے۔ مگر اس نفرت کے باوجود اسے بقدر ضرورت استعمال کرے، اور ضروریاتِ اصلیہ سے زائد حصے کو چھوڑ دے، یہ اعلیٰ مقام سرکارِ دو عالم ﷺ کا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا۔

”مالی وللدنیا انما انا کمثل راکب استظل تحت شجرة ثم

ارتحل (او کما قال ﷺ)

مجھے دنیا سے کیا کام؟ میری مثال تو اس شہسوار کی سی ہے جو زرادیر کے لئے کسی درخت کی چھاؤں لیتا ہے پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کا معمول کھانے پینے میں یہ تھا کہ بہت تھوڑی مقدار پر اکتفا



فرماتے تھے۔ شامل ترمذی کی متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی ”سیر“ ہو کر کھانا تناول نہیں فرمایا، حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ بعض اوقات ہم مہینوں تک صرف پانی اور کھجور پر اکتفاء کرتے تھے۔

۲؎ زہد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی نہ دنیوی مال و متاع سے بالکل نفرت کرتا ہو اور نہ اس کی کوئی خاص رغبت ہو، کوئی زائد از ضرورت چیز بھی مل گئی تو اللہ کا شکر کر کے استعمال کی اور اگر کچھ نہ ملا تو بھی چنداں رنج و افسوس نہ ہوا،

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رَحْمَتِ اللّٰهِ تَعَالٰی کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ان کا سارا مال چوری ہو گیا۔ چوروں نے ان کے گھر میں بالکل جھاڑو ہی دیدی، ایک چیز نہ چھوڑی، حضرت رَحْمَتِ اللّٰهِ تَعَالٰی کو پتہ چلا تو چنداں ملال کا اظہار نہ فرمایا بلکہ ایک خاص کیفیت میں یہ مصرعہ پڑھا۔ ع

ما بچ نہ داریم غم بچ نہ داریم

اتفاق سے متوسلین کی کوشش سے وہ مال مسروقہ دوبارہ مل گیا، تو اس پر بھی مسرت کا اظہار فرمایا اور اسے استعمال کیا۔

حضرت قطب الدین بختیار کا کی رَحْمَتِ اللّٰهِ تَعَالٰی سے بھی اسی قسم کا واقعہ منقول ہے۔

۳؎ زہد کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی کو دنیا کی طرف رغبت تو ہو، مگر اس کی فکر میں زیادہ نہ پڑے، اسی وجہ سے دنیا کی محبت اسے اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی یہ درجہ ”قناعت“ بھی کہلاتا ہے، اسی کو حضرت مولانا رومی رَحْمَتِ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

چست دنیا، از خدا غافل شدن  
نے قماش و نقرہ و فرزند وزن

یعنی سونا چاندی اور بیوی بچے دنیا نہیں، دنیا یہ ہے کہ آدمی کی توجہات اور فکری عملی توانائیوں کا سارا مرکز یہ چیزیں بن جائیں، اور وہ خدا سے غافل ہو جائے، لہذا



اگر کوئی شخص مالدار ہے مگر اس کی دولت اسے اللہ سے غافل نہیں کرتی تو یہ ”دنیا“ نہیں اور اگر کسی کے پاس چار ہی پیسے ہیں۔ مگر انہیں میں اس کا دل الجھا ہوا ہے تو یہ ”دنیا“ ہے اور مذموم ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بہت بڑے تاجر تھے، ایک شخص ان کی بزرگی کا شہرہ سکران کے پاس بڑی عقیدت کے ساتھ بیعت ہونے کے لئے پہنچا۔ مگر دیکھا کہ ان کے اوقات کا بڑا حصہ تجارت اور کاروبار میں صرف ہوتا ہے۔ اس کے دل میں شبہ پیدا ہوا اور اس نے اُن بزرگ سے کہا کہ: ”حضرت! کیا یہ اتنا بڑا کاروبار زہد کے منافی نہیں؟“ بزرگ نے اس وقت کوئی جواب نہ دیا، پھر ایک دن تفریح کے لئے وہ اپنے مرید کو لیکر آبادی سے دور نکل گئے۔ وہیں انھوں نے اچانک مرید سے کہا کہ: ”بھائی! حج کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔“ مرید نے کہا: ”حضرت! دل تو میرا بھی چاہتا ہے۔“ بزرگ نے کہا: ”پھر چلو!“ اور یہ کہہ کر مکہ مکرمہ کی سمت چل پڑے، مرید نے کہا: ”حضرت! میری ایک چادر شہر میں رہ گئی ہے، ذرا وہ لے آؤں۔“ اس پر بزرگ نے فرمایا: ”تمہیں اپنی چادر کی تو بڑی فکر ہوئی، مگر یہ نہ دیکھا کہ ہمارا کاروبار کس قدر پھیلا پڑا ہے۔ مرید کو اس موقع پر تنبیہ ہوا اور اس نے کہا کہ بات سمجھ میں آگئی۔“

حضرت مولانا رومی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ایک نہایت دلنشین مثال سے اس کو سمجھایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ انسان کی مثال کشتی کی سی ہے، اور ”دنیا“ کی مثال پانی کی سی ہے کشتی کے لئے پانی اس قدر ناگزیر ہے کہ کشتی اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتی، اور جب تک پانی کشتی کے ارد گرد رہے اس کے لئے رحمت ہے، لیکن اگر یہی پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو وہی کشتی کی تباہی کا سامان بن جاتا ہے، بالکل یہی حال دنیا کا ہے کہ جب تک وہ انسان کے ارد گرد ہے تو اس کے لئے رحمت ہے، لیکن اگر انسان کے دل میں داخل



ہو جائے تو یہی دنیا انسان کو تباہ کر ڈالتی ہے۔

آبِ اندرِ زیرِ کشتی      پستی      است  
آبِ درِ کشتی      ہلاکِ کشتی      است

حقیقت یہ ہے کہ اس حکیمانہ مثال سے مولانا رومی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ”دنیا“ کی حقیقت اس طرح واضح فرمادی ہے کہ اس پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ بس! ”زہد“ کی روح یہ ہے کہ آدمی کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے خالی ہو، خواہ وہ بیوی بچوں کے عین درمیان رہے۔ کسبِ معاش کی کوششیں بھی کرے۔ کھائے اور پئے بھی، آرام اور تفریح بھی کرے، لیکن ان میں سے کسی چیز کی محبت کو اپنے دل پر غالب نہ ہونے دے، اور اسے یادِ خدا کے لئے مخصوص رکھے، اکبر نے کیا خوب کہا۔

یہ کہاں کا فسانہ سودوزیاں جو گیا سو گیا، جو ملا سو ملا

کہو دل سے کہ فرصتِ عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

ہمارے حضرت مجذوب صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں

بازار سے گزرا ہوں، خریدا نہیں ہوں

اس زمانے میں ”زہد“ کے پہلے دو درجات کو حاصل کرنا مشکل ہے اور اگر فقر و فاقہ

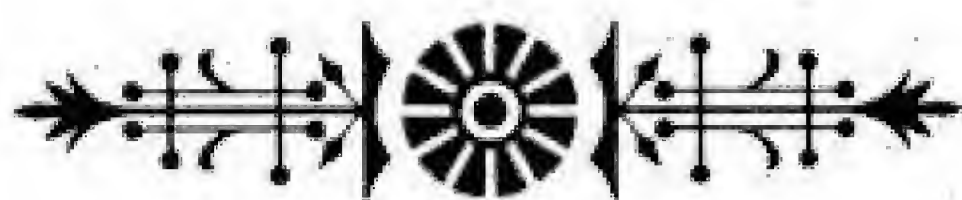
حد سے گزر جائے تو موجودہ حالات میں گناہوں کا سبب بھی بن سکتا ہے، اس لئے محقق

صوفیاء کا کہنا ہے کہ اس دور میں تیسرے درجے کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، حضرت

حاجی امجد اللہ صاحب مہاجر مکی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اپنے متوسلین سے فرمایا کرتے تھے کہ تم سب

کے بدلے فقر و فاقہ میں نے کر لیا ہے، تمہارا زہد یہ ہے کہ حلال راستوں سے معاش

حاصل کرو، اور خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی دسمبر ۱۹۶۸ء)





افادات: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## مقام توکل

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بعض ناواقف لوگوں نے ”توکل“ کو بہت غلط استعمال کیا، انھوں نے اسباب کو بالکل ترک کر دینے کا نام توکل رکھا ہے، بعض صوفیاء نے جو اپنے کچھ اقوال یا اشعار میں ترک اسباب کو قابل تعریف قرار دیا ہے۔ یہ لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ ان کا منشاء یہ تھا کہ ظاہری اسباب کی حقیقت ہر آن پیش رکھو کہ حقیقت میں نہ وہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، نفع و ضرر تمام تر اللہ ہی کے قبضے میں ہے، ان کا منشاء یہ ہرگز نہیں تھا کہ ظاہری اسباب کو بالکل چھوڑ دو۔

### بر توکل پایہ اشتر بہ بند

یہاں ”ترک سبب“ کے مسئلے کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر دینا مناسب ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں جتنے کام کرتا ہے اس سے یا جلب منفعت (نفع حاصل کرنا) مقصود ہوتا ہے یا حفظ منفعت (حاصل شدہ نفع کی حفاظت) مقصود ہوتا ہے یا دفع مضرت (کسی نقصان کو ختم کرنا) انہیں چار کاموں کے لئے ساری دنیا دین رات سرگرداں ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کام کے لئے کچھ اسباب بنائے ہیں، ان اسباب کی تین قسمیں ہیں۔



## یقینی اسباب

یعنی ایسے اسباب جن کے ذریعہ مسبب کا حصول یقینی ہوتا ہے۔ مثلاً بھوک لگ رہی ہے، روٹی سامنے رکھی ہے، یقین ہے کہ اس کے کھا لینے سے بھوک رفع ہو جائیگی ایسے اسباب کو چھوڑ دینا توکل نہیں، جنون ہے، اور شرعاً حرام ہے۔

## ظنی اسباب

یعنی ایسے اسباب جن کو اختیار کرنے سے مسبب کا حصول پوری طرح یقینی تو نہیں ہے، لیکن عادتاً ہو جایا کرتا ہے۔ مثلاً تجارت، زراعت وغیرہ کے ذریعہ معاش کا حصول، ایسے اسباب کو ترک کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ نہ سبب کو اختیار کرے نہ اسباب کے ماحول میں رہے، مثلاً کوئی شخص جا کر جنگل میں جا کر بیٹھ جائے۔ یہ تو شرعاً ناجائز ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اسباب کے ماحول میں رہ کر اسباب کو چھوڑ دے، مثلاً شہروں میں لوگوں کے ساتھ رہے لیکن کسب معاش کی فکر نہ کرے۔ عام حالات میں تو یہ بھی جائز نہیں، لیکن چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(الف) صاحب عیال نہ ہو یعنی کسی کا نان و نفقہ شرعاً اس کے ذمہ نہ ہو۔

(ب) صاحب عزم اور پختہ کار ہو۔

(ج) ہر حال میں راضی برضا رہے۔

(د) کسی سے صراحت یا اشارۃً سوال نہ کرے۔

ان شرائط کے ساتھ کوئی شخص عللاً اسباب معاش کو ترک کرے تو شرعاً جائز ہوگا۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہوگئی تو ناجائز ہو جائیگا۔ جن صوفیاء کرام سے منقول ہے کہ وہ اسباب معاش کو ترک کر کے بیٹھ گئے تھے ان کا حال یہی تھا کہ وہ واقعۃً راضی برضا تھے، اولوا العزم اور پختہ کار تھے، کسی دیکھنے والے کو گمان ہی



نہ ہوتا تھا کہ یہ فاقہ سے ہیں، یا انھیں روپے پیسے کی کوئی ضرورت ہے، قرآن کریم نے اصحابِ صفہ کی یہی شان بیان فرمائی ہے کہ:

يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ اغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (بقرہ)

ناواقف آدمی ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے انھیں مالدار سمجھتا ہے۔

پھر یہاں یہ بھی یاد رکھئے کہ جن حضرات صحابہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُمْ یا صوفیاء کرام سے اسبابِ معاش کو ترک کرنا منقول ہے، وہ کسی دینی یا اجتماعی ضرورت یا علاجِ نفس کے لئے تھا، ورنہ عام حالات میں افضل بہر صورت یہی ہے کہ انسان کسبِ معاش کرے اور یہ توکل کے کسی طرح منافی نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور اونچے درجے کے عارفین کا توکل یہی ہے کہ وہ کسبِ معاش کر کے نظر اللہ کے سوا کسی اور پر نہیں رکھتے۔

انوارِ سہیلی فارسی کی مشہور کتاب ہے، اس میں ایک بڑی حکیمانہ حکایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے ایک کوئے کو دیکھا کہ اُس کے پر کٹے ہوئے ہیں، وہ دل میں سوچنے لگا کہ یہ بیچارہ کیسے زندہ رہے گا؟ اس کے لئے خوراک کیسے مہیا ہوگی؟ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک عقاب نظر آیا جو اپنی چونچ میں ایک شکار پکڑ کر لایا تھا، یہ عقاب کوئے کے قریب پہنچا اور کوئے کے منہ میں شکار ڈال گیا۔ اس شخص نے جب یہ دیکھا تو خیال آیا کہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اپنی مخلوقات کو اس طرح بھی رزق دیتا ہے۔ پھر میں تلاشِ معاش کی فکر کیوں کروں؟ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی خود میرے لئے رزق بھیجے گا، چنانچہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا، کئی روز گزر گئے، مگر اسے کچھ نہ ملا۔ پھر کسی حکیم نے اسے سمجھایا کہ بندہ خدا تجھے دو پرندے دکھلائے گئے تھے، ایک پر کٹا کوئے، دوسرے عقاب، تو نے کوئے کو اپنے کو ترجیح کیوں دی؟ عقاب بننے کا خیال کیوں نہ آیا؟ جو خود بھی کھاتا ہے اور دوسرے معذوروں کو بھی کھلاتا ہے۔

یہ حکایت توکل کی حقیقت کی بالکل ٹھیک ٹھیک نشان دہی کرتی ہے، جس شخص



کے پاس اسباب و وسائل موجود ہوں اس کا اسباب کا چھوڑ دینا غلط ہے۔ اس کی مثال عقاب کی سی ہے، اسے خود بھی کھانا چاہئے، دوسروں کو بھی کھلانا چاہئے۔ ہاں! اگر کوئی شخص معذوری یا مجبوری سے اسباب سے محروم ہو جائے تو پھر یہ غیر معمولی فکر بھی غلط ہے کہ روزی کہاں سے آئے گی؟ اس کو ہر آن یہ سوچنا چاہئے کہ اسباب و وسائل تو چند آلات تھے، اصل رزاق تو اللہ ہے، اگر اسے زندہ رکھنا منظور ہے تو وہ کوئی نہ کوئی انتظام کرے گا۔

چنانچہ صوفیاء کرام نے اس مسئلے پر گفتگو کی ہے کہ جن صورتوں میں انسان کے لئے ترک سبب جائز ہوتا ہے ان صورتوں میں بھی اسبابِ عادیہ کو ترک کر کے توکل کرنا بہتر ہے یا اسبابِ عادیہ کو اختیار کر کے؟ شیخ عبداللہ تستری رَحْمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ جو شخص اسباب کو اختیار کرنے پر زبانِ طعن دراز کرے وہ اللہ کی حکمت پر اعتراض کرتا ہے، اور جو شخص (جائز مواقع پر) اسبابِ عادیہ کو ترک کرنے پر اعتراض کرتا ہے وہ توحید کی حقیقت کا انکار کرتا ہے، لہذا ایسے موقع پر جائز تو دونوں ہیں، لیکن افضل و اعلیٰ طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے دی ہے اور جو ان حضرات کی سنت ہے، اور وہ یہ کہ اسباب کو اختیار بھی کیا جائے، لیکن بھروسہ تمام تر اللہ پر ہو، اسباب کو کارساز نہ سمجھا جائے۔ آلِ حضرت ﷺ نے ”اعقل ساقھا و توکل“ کے سادہ مختصر اور بلیغ جملے میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

عصر حاضر میں خاص طور سے ”توکل“ کا صحیح طریقہ یہی ہے، کیونکہ جن مواقع پر ترک اسباب جائز ہوتا ہے وہاں بھی اسباب کو چھوڑنے سے آجکل سینکڑوں فاسد اور غوائل کا خطرہ ہے، اور یہ چیز کم از کم کبر تو پیدا کر ہی دیتی ہے۔

### ۳ اسبابِ خفیہ

ہاں اسباب کی ایک قسم اور ہے جسے اسبابِ خفیہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا



ہے، اور وہ ہے دوران کار اور باریک تدبیروں کے پیچھے پڑنا۔ یہ چیز بلاشبہ ”توکل“ کے منافی ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جس مقصد کو بھی حاصل کرنا ہو، اس کے لئے سامنے کے ان ظاہری اسباب کو تو ضرور اختیار کیا جائے جو انسان کے بس میں ہوں قلب و دماغ کو لمبی چوڑی تدبیروں کی فکر سے آزاد رکھا جائے، حدیث میں آں حضرت ﷺ نے اسی بات کو اس طرح تعبیر فرمایا ہے کہ۔

اجملوا فی الطلب و تو کلو اعلیہ

کسی چیز کو طلب کرنے میں اختصار سے کام لو، اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان افراد کا ذکر فرمایا ہے جو بے حساب جنت میں داخل ہونگے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو: لایکتون۔

داغ دینے کا علاج نہیں کرتے۔

اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ باریک تدبیروں کے پیچھے لگنا اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ اہل عرب میں لوہے کے ذریعہ داغ دینے کا علاج آخری سمجھا جاتا تھا، مقولہ مشہور ہے کہ ”آخر الدواء الکی“۔ (آخری دوا داغ دینا ہے) خود آنحضرت ﷺ کا معاملہ بھی یہ تھا کہ سامنے کے اسباب اور تدبیروں کو اختیار فرماتے اور اس کے بعد یہ دعا فرماتے کہ:

اللہم هذا الجہد و علیک التکلان

اے اللہ یہ اپنی سی کوشش تھی اور بھروسہ آپ ہی پر ہے۔

۱۸۵۷ء کے جہاد میں دہلی کے چند بزرگ ایک مکان میں محصور ہو گئے، باہر قتل عام ہو رہا تھا، اس لئے نکلنا ممکن نہ تھا پانی کا جتنا ذخیرہ مکان کے اندر موجود تھا وہ دو تین روز میں ختم ہو گیا۔ جب پیاس سے عاجز ہو گئے تو ایک بزرگ نے پیالہ لے کر پر نالے کے نیچے رکھ دیا اور دعا کی کہ یا اللہ! میرے بس کا تو اتنا ہی کام تھا، آگے بارش

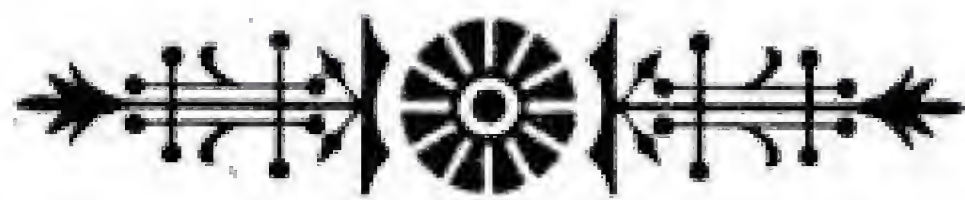


برسانا آپ کا کام ہے، چنانچہ اللہ کے فضل و کرم سے بارش ہوئی اور سب لوگ سیراب ہوئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک اسباب کو بالکل چھوڑ بیٹھنا غلط ہے، لیکن توکل کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو اسباب کی حقیقت ہر آن ذہن میں متحضر رہے اور کسی بھی مرحلے پر ظاہری اسباب پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ اس کے بجائے اختصار اور اعتدال کے ساتھ اسباب کو اختیار کر کے معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

البتہ افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کے اس راستہ کو اختیار کرنا بہت مشکل کام ہے، اور عادتاً کسی شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر اس مقام کو حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ”مقام توکل“ کو حاصل کرنے کا صحیح طریقہ بھی یہی ہے کہ کسی شیخ کامل سے رجوع کر کے اپنے حالات و واقعات سے اسے باخبر رکھا جائے، اور اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی مارچ ۱۹۶۹ء)

مزدکی ہو کہ فرنگی، ہوس خام میں ہے  
امن عالم تو فقط دامن اسلام میں ہے





مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عدالت کا مفہوم

لفظ عدول، عدل کی جمع ہے، یہ اصل میں مصدر ہے، حصّے برابر کرنے کے معنی میں، اور محاورات میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو حق و انصاف پر قائم ہو۔ یہ لفظ قرآن کریم میں بھی بار بار آیا ہے۔ حدیث میں بھی، کتب تفسیر میں بھی اس پر بحث ہے اور اصول حدیث اصول فقہ اور عام فقہ میں اس کے اصطلاحی اور شرعی معنی کی تعیین کی گئی ہے، ابن صلاح رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا:

تفصیله أن يكون مسلماً، بالغاً عاقلاً، سألماً من اسباب  
الفسق وخوارم المروءة (علوم الحدیث لابن صلاح)  
اس کی تفصیل یہ کہ انسان مسلمان، بالغ، عاقل ہو، اور اسباب فسق سے نیز  
خلاف مروت افعال سے محفوظ ہو۔

اور شیخ الاسلام نووی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ”تقریب“ میں فرمایا:-

عد لا ضابطاً بأن يكون مسلماً، بالغاً عاقلاً سليماً من اسباب

الفسق وخوارم المروءة،

علامہ سیوطی نے اس کی شرح ”تدریب“ میں فرمایا:

وفسر العدل بأن يكون مسلماً بالغاً عاقلاً الى قوله سليماً من

اسباب الفسق وخوارم المروءة“ (تدریب الراوی ص ۱۹۷)



حافظ ابن حجر عسقلانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا:

والمراد بالعدل من له ملكة تحمله، على ملازمة التقوى

والمرؤۃ والمراد بالتقوى اجتناب الاعمال السيئة من

شرکۃ او فسق او بدعة،

”عدل“ سے مراد وہ شخص ہے جسے ایسا ملکہ حاصل ہو جو اسے تقویٰ اور مروت کی پابندی پر برانگیختہ کرے، اور تقویٰ سے مراد شرک، فسق اور بدعت جیسے اعمالِ بد سے اجتناب ہے۔

درمختار، کتاب الشہادت میں عدالت کی تفسیر یہ کی ہے:

ومن ارتكب صغيرة بلا اصرار ان اجتنب الكبائر كلها

وغلب صوابه على صفائره دررو غيرها قال وهو معنى

العدالة قال ومتى ارتكب كبيرة سقطت عدالته

اور وہ شخص (بھی عادل ہے) جس سے صغیرہ گناہ بغیر اصرار (مداومت) کے

صادر ہو جاتا ہے، بشرطیکہ وہ تمام گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو، اور اس کے درست افعال

اس کے صغیرہ گناہوں سے زیادہ ہوں (دررو وغیرہ) یہی عدالت کے معنی ہیں اور کوئی

شخص جب کبھی کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔

اس کی شرح میں ابن عابدین نے فرمایا:

في الفتاوى الصغرى حيث قال العدل من يجتنب الكبائر

كلها حتى لو ارتكب كبيرة تسقط عدالته وفي الصغائر

لعبرة بغلبه او الاصرار على الصغيرة فتصير كبيرة ولذا قال

غلب صوابه آه، قوله (سقطت عدالته) وتعود اذا تاب.

(ردالمحتار ابن عابدین شامی ص ۵۲۳)

فتاویٰ صغریٰ میں لکھا ہے کہ ”عدل“ وہ جو تمام کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو، یہاں تک



کہ اگر ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب بھی کر لے گا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور صغیرہ گناہوں میں اعتبار اکثریت کا ہے، یا پھر کسی صغیرہ گناہ پر اصرار (مداومت) کا۔ کیونکہ اس صورت میں صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے اس لئے مصنف (درمختار) نے یہ کہا ہے کہ اس کے درست افعال زیادہ ہوں، اور مصنف نے جو یہ کہا ہے کہ کبیرہ کے ارتکاب سے عدالت ساقط ہو جائے گی (اس میں اتنا اضافہ کرنا چاہئے) کہ اگر وہ توبہ کر لے تو عدالت لوٹ آئے گی۔

فقہاء و محدثین کی مذکورہ بالا تصریحات میں عدل اور عدالت کی ایک ہی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان عاقل بالغ ہو اور کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو، کسی صغیرہ گناہ پر مصر نہ ہو اور بہت صغیرہ گناہوں کا عادی نہ ہو، یہی مفہوم شرعی ہے تقویٰ کا۔ جیسا کہ ابن عابدین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی عبارت مذکورہ میں ہے، جس کا بالمقابل ”فسق“ ہے جس شخص کی عدالت کو ساقط قرار دیا جائے گا تو اصطلاح شرع میں اس کو ”فاسق“ کہا جائے گا۔ اوپر جن حضرات سے تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے عدول ہونے پر اجماع امت نقل کیا گیا ہے ان کی اپنی اپنی عبارتوں سے بھی عدل اور عدالت کی یہی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔

## ایک اشکال و جواب

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف امت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ معصوم نہیں، ان سے کبیرہ صغیرہ ہر طرح کے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے۔ دوسری طرف یہ عقیدہ اوپر لکھا گیا ہے کہ سب کے سب عدول ہیں اور عدل کے معنی اصطلاحی بھی سب کے نزدیک یہ ہیں جو کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب اور صغیرہ پر مصر نہ ہو، اور جس سے گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا۔ یا صغیرہ پر اصرار ثابت ہو گیا وہ ساقط العدالت کہلائے گا، جس کا اصطلاحی نام فاسق ہے۔ یہ کھلا ہوا تضاد ان دونوں عقیدوں میں ہے۔



اس کا جواب جمہور علماء کے نزدیک یہ ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے اگرچہ کوئی بڑا کبیرہ گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے مگر ان میں اور عام افراد امت میں ایک فرق ہے کہ گناہ کبیرہ وغیرہ سے جو کوئی شخص ساقط العدالت یا فاسق ہو جاتا ہے، اب اس کی مکافات توبہ سے ہو سکتی ہے، جس نے توبہ کر لی یا کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی حسنات کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس کا یہ گناہ معاف کر دیا وہ پھر عدل اور متقی کہلائے گا۔ اور جس نے توبہ نہ کی وہ ساقط العدالت فاسق قرار دیا جائے گا

اب توبہ کے معاملے میں عام افراد امت اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ عام افراد کے بارے میں اس کی ضمانت نہیں ہے کہ انہوں نے توبہ کی یا نہیں کی، اور نہ یہ معلوم ہے کہ ان کی حسنات نے سب سئیات کا کفارہ کر دیا۔ ان کے بارے میں جب تک توبہ کا ثبوت نہ ہو جائے یا کسی ذریعہ سے عند اللہ معافی کا علم نہ ہو جائے ان کو ساقط العدالت فاسق ہی قرار دیا جائے گا۔ نہ ان کی شہادت مقبول ہوگی نہ دوسرے معاملات میں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔ مگر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا معاملہ ایسا نہیں، اول تو ان کے حالات کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ گناہ سے کتنے ڈرتے اور بچتے تھے، اور کبھی کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس کی توبہ صرف زبانی کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کوئی اپنے آپ کو بڑی سے بڑی سزا کے لئے پیش کر دیتا ہے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا ہے، جب تک قبول توبہ کا اطمینان نہیں ہو جاتا۔ اس کو صبر نہیں آتا، صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے اس خوف و خشیت کا تقاضا یہ ہے کہ جن حضرات سے توبہ کرنے کا اظہار بھی نہیں ہوا، ہم ان کے بارے میں بھی یہی ظن رکھیں کہ انہوں نے ضرور توبہ کر لی ہوگی، دوسرے ان کے حسنات اور سوالق اتنے عظیم اور بھاری ہیں کہ ان کے مقابلہ میں عمر کا ایک آدھ گناہ حق تعالیٰ کے وعدے کے مطابق معاف ہی ہو جانا چاہئے۔ وعدہ یہ ہے: ان الحسنات یذهبن السئیات۔



یہاں تک تو ہر مسلمان کو خود بھی بغیر کسی واضح دلیل کے یہ اعتقاد و اعتماد رکھنا عقل و انصاف کا تقاضا ہے۔ مگر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے معاملے میں ہمارا صرف یہ گمان ہی نہیں، قرآن کریم نے اس گمان کی تصدیق بار بار کر دی، کبھی صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی خاص خاص جماعتوں کے لئے اس کا اعلان کر دیا، کبھی صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ و سابقین و آخرین کے لئے اعلان عام کر دیا کہ اللہ تَبَّارَکَ وَ تَعَالٰی ان سے راضی ہے۔

بیعت حدیبیہ جس کو قرآنی بشارت کی وجہ سے بیعت رضوان اور بیعت شجرہ بھی کہا جاتا ہے اس میں جو تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ شریک تھے، ان کے بارے میں کھلے الفاظ سے یہ اعلان فرمایا:

لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة،  
اللہ تَبَّارَکَ وَ تَعَالٰی مومنوں سے راضی ہو گیا جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس بیعت تحت الشجرۃ میں جو لوگ شریک تھے ان میں سے کسی کو جہنم کی آگ نہ چھو سکے گی، اس مضمون پر متعدد احادیث مختلف الفاظ اسناد صحیحہ کے ساتھ کتب حدیث و تفسیر میں موجود ہیں۔ اور عام صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اولین و آخرین کے حق میں یہ اعلان سورہ توبہ میں اس طرح آیا:

السابقون الأولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم  
باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجري  
تحتها الانهر خلدين فيها ابدًا وذلك الفوز العظيم.

مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔



اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے۔

سورۃ ”الحدید“ میں صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے بارے میں اعلان فرمایا:

وَكَلَّوْا عَدَدَ اللّٰهِ الْحَسَنٰی

اللہ نے ان میں سے ہر ایک سے حسنی کا وعدہ کر لیا ہے۔ پھر سورۃ انبیاء میں حسنی کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَ الْحَسَنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ

یعنی جس کے لئے ہماری طرف سے حسنی مقدر کر دی گئی ہے وہ اس جہنم سے دور کئے جائیں گے۔

اس کا حاصل ظاہر ہے کہ سب ہی صحابہ کرام کے حق میں یہ فیصلہ فرمادیا کہ وہ جہنم سے دور رکھے جاویں گے۔  
نیز سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلٰی النَّبِیِّ وَالْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ

فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبَ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ

تَابَ عَلَیْهِمْ، اِنَّہٗ بِہُمْ رَوْفٌ رَّحِیْمٌ

تَرْجَمَہ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار کی توبہ قبول فرمائی، جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی پیروی کی، بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل کج ہو جائیں، پھر اللہ نے ان کو معاف کر دیا، بلاشبہ وہ ان پر بہت مہربان رحمت کرنے والا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کی ضمانت دیدی کہ حضرات صحابہ سابقین و آخرین میں سے کسی سے بھی اگر عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو وہ اس پر قائم نہ رہے گا، توبہ کر لے گا، یا پھر نبی کریم ﷺ کی صحبت و نصرت اور دین کی



خدماتِ عظیمہ اور ان کی بے شمار حسنات کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، اور ان کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہو کر وہ صاف بیباق ہو جائیں اس لئے ان میں سے کسی بھی صحابی کو ساقط العدالت یا فاسق نہیں کہا جاسکتا، صدورِ گناہ کے وقت اس پر تمام وہی احکام نافذ ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں پر ہوئے۔ حد شرعی یا تعزیری سزائیں جو عام مسلمانوں کے لئے ہیں وہ ان پر جاری کی جائیں گی۔ اور صدورِ گناہ کے وقت اس عمل کو فسق بھی کہا جائے گا جیسا کہ آیت ان جاء کم فاسق بنباء سے معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ ان کی توبہ یا معافی بنص قرآن معلوم ہو چکی ہے اس لئے ان کو کسی وقت بھی ساقط العدالت فاسق نہ کہا جائے گا۔ کذا حقہ الا لوسی فی روح المعانی تحت آیت: ان جاء کم فاسق،

قاضی ابویعلیٰ نے آیت رضوان کے تحت فرمایا:

والرضی من اللہ صفت قدیمۃ فلا یرضی الامن عبد یعلم انه  
یوفیه علی موجبات الرضی ومن رضی اللہ عنه لم یسخط  
علیه ابداً. (الصارم المسلول لابن تیمیہ)

اور اللہ کی خوشنودی، باری تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ صرف اس بندے سے راضی ہوتا ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ رضا مندی کے موجبات کا جامع ہے اور جس سے اللہ راضی ہو جائے اس پر کبھی ناراض نہیں ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے غیر معصوم ہونے اور سب کے عدول میں جو ایک ظاہری تعارض ہے اس کا جواب جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک یہی ہے اور وہ بالکل واضح اور صاف ہے۔

اور بعض علماء نے جو عدم عصمت اور عموم عدالت کے تضاد سے بچنے کے لئے عدالت کے مفہوم میں یہ ترمیم فرمائی کہ یہاں عدالت سے مراد تمام اوصاف و اعمال کی عدالت نہیں بلکہ صرف روایت میں کذب نہ ہونے کی عدالت مراد ہے، یہ لغت



اور شرع پر ایک زیادتی ہے جس کی کوئی ضرورت اور کوئی وجہ نہیں۔ اور ان حضرات کے پیش نظر بھی اس ترمیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی رو سے کسی صحابی کو اپنے عمل و کردار کی حیثیت سے ساقط العدالت یا فاسق قرار دینا چاہتے ہیں، ان کے کلمات دوسرے مواقع میں خود اس کی نفی کرتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک مضمون حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالہ سے منسوب کیا گیا ہے یہ مضمون..... ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی، اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں۔ کہ کسی نے کوئی تدلیس اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دیا ہو اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔ (واللہ اعلم)

علم عقائد و کلام کی تقریباً سبھی کتابوں میں اسی طرح اصول حدیث کی سب کتابوں میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے، جس میں سے چند کے حوالے اس جگہ نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

۲ حدیث اور اصول حدیث کے امام ابن صلاح رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ”علوم حدیث“ میں تحریر فرماتے ہیں:

للصحابة باسرههم خصیصة وهی انه لا یسئال عن عدالة

احد منهم بل ذلك امر زوج عنه لكونهم علی الاطلاق



عدلين بنصوص الكتاب والسنة و اجماع من يعتد به  
 في الا جماع من الامة قال تعالى: كنتم خیرامة  
 اخرجت للناس قيل اتفق المفسرون على انه و ارد في  
 اصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم (ثم سرد  
 بعض النصوص القرآنية و الاحديث كما ذكرنا سابقاً)  
 (علوم الحديث ص ۲۶۴)

تمام صحابہ کرام کی ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی  
 عدالت (ثقة و متقی) ہونے کا سوال بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ایک طے شدہ  
 مسئلہ ہے قرآن و سنت کے نصوص قطعیہ اور اجماع امت جن لوگوں کا معتبر ہے ان  
 کے اجماع سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: کہ تم بہترین امت ہو کہ جو لوگوں  
 کے لئے پیدا کی گئی، ہے بعض علماء نے فرمایا کہ مفسرین حضرات کا اس پر اتفاق  
 ہے کہ آیت اصحاب رسول اللہ ﷺ کی شان میں آئی۔

۳ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ استیعاب میں فرمایا:

فهم خير القرون و خیرامة اخرجت للناس ثبتت عدالة  
 جميعهم بثناء الله عز و جل عليهم و ثناء رسول الله صلى  
 الله عليه و سلم و الا اعدل ممن ارتضاه الله بصحبة نبیه  
 صلى الله عليه و سلم و نصرته و لا تزكية افضل من ذلك  
 و لا تعديل اكمل منها قال تعالى: محمد رسول الله و الذين

معه الآية. (الاستیعاب تحت الاصابه ص ۱۲ ج ۱)

یہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر زمانے کے افراد سے افضل ہیں اور وہ بہترین  
 امت ہیں جسے اللہ نے لوگوں (کی ہدایت) کے لئے پیدا فرمایا: ان سب کی  
 عدالت اس طرح ثابت ہے کہ اللہ نے بھی ان کی تعریف و توصیف فرمائی اور رسول



کریم ﷺ نے بھی، اور ان لوگوں سے بڑھ کر کون عادل ہو سکتا ہے جنہیں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور نصرت کے لئے چن لیا ہو کسی شخص کے حق میں عدالت و ثقاہت کی کوئی اس شہادت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔

۴ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک رسالہ اصطخری کی روایت سے منقول ہے اس میں فرمایا:

لَا يَجُوزُ لَا حَدَّانِ يَذْكُرُ شَيْئًا مِنْ مَسَاوِيهِمْ وَلَا أَنْ يَطْعَنَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ بِعَيْبٍ وَلَا نَقْصٍ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ وَجَبَ تَأْذِيْبُهُ وَقَالَ الْمِمْوْنِيُّ سَمِعْتُ أَحْمَدَ يَقُولُ مَا لَهُمْ وَلِمَعَاوِيَةَ نَسَّأَلُ اللَّهَ الْعَافِيَةَ وَقَالَ لِي يَا أَبَا حَسَنٍ إِذَا رَأَيْتَ أَحَدًا يَذْكُرُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسُوءٍ فَاتَّهَمَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ (ذَكَرَهُ ابْنُ تَيْمِيَّةٍ فِي الْمَصَارِمِ الْمَسْلُوكِ)

کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کی کوئی برائی ذکر کرے، اور ان پر کسی عیب یا نقص کا الزام لگائے جو شخص ایسا کرے اس کی تادیب واجب ہے اور میمون رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برائی کرتے ہیں ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں اور پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

۵ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تقریب میں فرمایا:

الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُولٌ مِنْ لَابَسِ الْفِتَنِ وَغَيْرِهِمْ بِاجْتِمَاعٍ مِنْ يَعْتَدِبُهُ. صحابہ سب کے سب عدل ہیں جو اختلاف کے فتنہ میں مبتلا ہوئے وہ بھی اور دوسرے بھی۔

۶ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی تقریب کی شرح تدریب الراوی میں پہلے اس



کے ثبوت میں وہ آیات قرآنی اور روایات حدیث لکھی ہیں جن کا ایک حصہ اوپر لکھا جا چکا ہے پھر فرمایا:

”ان سب حضرات کا تعدیل و تنقید سے بالاتر ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ حضرات حاملانِ شریعت ہیں اگر ان کی عدالت مشکوک ہو جائے تو شریعت محمدیہ علیہ السلام صرف آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک ہی تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔ قیامت تک آنے والی نسلوں اور دور دراز کے ملکوں اور خطوں میں عام نہیں ہو سکتی (اس کے بعد جن لوگوں نے اس مسئلہ میں کچھ اختلافی پہلو لکھا ہے ان پر رد کر کے آخر میں فرمایا)۔

والقول بالتعمیم هو الذی صرح به الجمهور وهو المعتمد.

(تدریب الراوی ص ۴۰۰)

عدالت کا تمام صحابہ کرام میں عام ہونا ہی جمہور کا قول ہے اور وہی معتبر ہے۔

④ علامہ کمال ابن ہمام رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے عقائد اسلامیہ پر اپنی جامع کتاب مساریہ میں لکھا ہے:

واعتقاد اهل السنة والجماعة تركية جميع الصحابة  
وجوباً باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم  
والثناء عليهم كما اثنى الله سبحانه وتعالى عليهم ثم سرد  
الايات والروايات التي مروت (مساریہ ص ۱۳۲ طبع دیوبند)

عقیدہ اہل سنت والجماعت کا تمام صحابہ کرام کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کرنا ہے اس طرح کہ ان سب کے عدول ہونے کو ثابت کیا جائے اور ان پر کسی قسم کا طعن کرنے سے پرہیز کیا جائے اور ان کی مدح و ثنا کی جائے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے (پھر ابن ہمام نے وہ آیات و روایات نقل کی ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں)

⑤ حافظ ابن تیمیہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے شرح عقیدہ واسطیہ میں فرمایا:



ومن اصول اهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم  
والسنتهم لا صحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم  
كما وصفهم الله تعالى في قوله تعالى والذين جاءوا من  
بعدهم الآية (شرح عقيدة واسطية ص ۳۰۳ طبع مصر)

اہل سنت کے اصول عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں  
اور زبانوں کو صحابہ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے  
اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ والذین جاؤا من بعدہم الخ۔

⑨ علامہ سفارینی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنی کتاب الدرۃ المضمیۃ اور اس کی شرح جو  
سلف صالحین کے عقائد پر تصنیف فرمائی ہے اور لوا مع الانوار البہیہ شرح الدرۃ  
المضمیۃ کے نام سے شائع ہوئی اس میں فرماتے ہیں۔

والذی اجمع علیہ اهل السنة والجماعة انه يجب علی کل  
احد تزکیة جمیع الصحابة باثبات العدالة لہم والكف عن  
الطعن فیہم والثناء علیہم فقد اثنی اللہ سبحانہ علیہم فی  
عدة آیات من کتابہ العزیز علی انہ لو لم یرد عن اللہ ولا عن  
رسولہ فیہم شیئ لا وجبت الحال التي كانوا علیہا من  
الهجرة والجهاد ونصرته الذین وهذل المهج والا موال  
وقتل الالباء والا ولا دو المنا صحة فی الدین وقوة الايمان  
والیقین القطع بتعدیلہم والا اعتقاد لنزاهتہم وانہم افضل  
جمیع الامۃ بعد نبیہم ہذا من مذهب كافة الامۃ ومن  
علیہ المعول من الائمة.

(عقیدۃ سفارینی ص ۳۳۸ ج ۲)

اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ تمام  
صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو پاک صاف سمجھے، ان کے لئے عدالت ثابت کرے ان پر



اعتراضات کرنے سے بچے، اور ان کی مدح و توصیف کرے، اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کی متعدد آیات میں ان کی مدح و ثنا کی ہے۔ اس کے علاوہ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے صحابہ کی فضیلت میں کوئی بات منقول نہ ہوتی تب بھی ان کی عدالت پر یقین اور پاکیزگی کا اعتقاد رکھنا، اور اس پر ایمان رکھنا ضروری ہوتا کہ وہ نبی ﷺ کے بعد ساری امت کے افضل ترین افراد ہیں اس لئے کہ ان کے تمام حالات اسی کے مقتضی تھے۔ انہوں نے ہجرت کی، جہاد کیا دین کی نصرت میں اپنی جان و مال کو قربان کیا۔ اپنے باپ بیٹوں کی قربانی پیش کی، اور دین کے معاملے میں باہمی خیر خواہی اور ایمان و یقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔

❶ اسی کتاب میں ابام ابو زرہ عراقی جو امام مسلم کے بڑے اساتذہ میں سے ہیں ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

اِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِضُ احْدَا مِنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْلَمْ اَنَّهُ زَنْدِيقٌ وَذَلِكَ اِنْ الْقُرْآنَ حَقٌّ وَالرَّسُولُ حَقٌّ وَمَا جَاءَ بِهِ حَقٌّ وَمَا اَدَّى ذَلِكَ اِلَيْنَا كُلِّ اِلَّا الصَّحَابَةُ فَمَنْ جَرَحَهُمْ اِنَّمَا ارَادَ اِبْطَالُ الْكِتَابِ وَالسَّنَّةُ فَيَكُونُ الْجَرْحُ بِهِ الْيَقِيقُ وَالْحُكْمُ عَلَيْهِ بِالزَّنْدَقَةِ وَالضَّلَالِ اقْوَمٌ وَاحَقُّ (ص ۳۸۹-۳۹۰)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔ اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسول ﷺ حق ہیں، جو تعلیمات آپ لے کر آئے وہ حق ہیں اور یہ سب چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ کے سوا کوئی نہیں، تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے وہ کتاب و سنت کو باطل کرنا چاہتا ہے لہذا خود اس کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے اور اس پر گمراہی اور زندقہ کا حکم لگانا زیادہ قرین حق و انصاف ہے۔



۱۱) اسی کتاب میں حافظ حدیث ابن حزم اندکی نے اس مسئلہ میں یہ قول نقل کیا ہے:-

قال ابن حزم الصحابة كلهم من اهل الجنة قطعا قال تعالى (لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا وكلا وعد الله الحسنى) وقال تعالى ان الذين سبقوا سبقوا لهم من الحسنى اولئك عنها مبعدون. (ص ۳۸۹)

علامہ ابن حزم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ قطعی طور پر اہل جنت میں سے ہیں (دلیل یہ ہے کہ) باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (بعد کے لوگوں کے) برابر نہیں ہو سکتے، وہ لوگ درجہ کے اعتبار سے ان لوگوں کے مقابلہ میں عظیم تر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد انفاق اور قتال کیا۔ اور اللہ نے اچھائی (جنت) کا وعدہ بھی سے کیا ہے، اور اللہ تَبَّارُکُ وَّ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ ”بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے ہمارا اچھائی (جنت) کا وعدہ پہلے سے آچکا ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔“

۱۲) عقائد کی مشہور درسی کتاب عقائد نسفیہ میں ہے۔

ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر.

یعنی اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا ذکر بخیر خیر اور بھلائی کے نہ کرے۔

۱۳) اسی طرح عقائد اسلامیہ کی معروف کتاب شرح مواقف میں سید شریف جرجانی نے مقصد سابع میں لکھا ہے:

المقصد السابع انه يجب تعظیم الصحابة كلهم

والکف عن القدح فیهم لان الله عظیم واثنی علیهم



فی غیر موضع من کتابہ (ثم ذکر الایات المنزلة فی الباب ثم قال). والرسول صلی اللہ علیہ وسلم قد احبہم واثنی علیہم فی الاحادیث الكثيرة.

تمام صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی تعظیم اور ان پر اعتراض سے بچنا واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حکیم ہے اور اس نے ان حضرات پر اپنی ..... بہت سے مقامات میں مدح و ثنا فرمائی ہے (اس طرح کی آیات نقل کر کے لکھتے ہیں) اور رسول اللہ ﷺ ان حضرات سے محبت فرماتے تھے اور آپ نے بہت سی احادیث میں ان پر ثنا فرمائی ہے۔

ان ہی شارح مواقف نے ایک مقام پر بعض اہل سنت کی طرف نسبت کر کے یہ قول ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے جنگ کرنے والوں کی خطا تفسیق کی حد تک پہنچتی ہے لیکن شارح مواقف کے اس قول کی کوئی بنیاد ہمیں معلوم نہیں ہو سکی، اہل سنت کے کسی ایک عالم کے کلام میں بھی ہمیں یہ بات نظر نہیں آئی کہ انہوں نے اس بناء پر حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا یا حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو فاسق قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت مجد دالف ثانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے مکتوبات میں شارح مواقف کے اس قول کی سخت تردید کی ہے۔

حضرت مجد دالف ثانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی تحریر فرماتے ہیں:-

و آنچه شارح مواقف گفته کہ بسیاری از اصحاب مابر آں اند کہ منازعت از روائے اجتہاد نبودہ مراد از اصحاب کدام گروہ را داشته باشد اہل سنت برخلاف آں حاکم اند چنانچہ گذشت و کتب القوم، شحونة بالخطاء الا جتہادی کما صرح بہ الا مام الغزالی والقاضی ابوبکر



وغیرہما۔ پس تفسیق و تضلیل در حق محاربان حضرت  
 امیر جائز نباشد قال القاضی فی الشفا قال مالک من شتم  
 احداً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر او  
 عمر او عثمان او معاویہ او عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہم فان قال کا نوا علی ضلال او کفر قتل وان شتم بغیر  
 هذا من شاعة الناس نکل نکالاً شدیداً، فلا یكون محاربوا علی  
 کفرة كما زعمت الغلاوة من الرفضة ولا فسقة كما زعم  
 البعض ونسبه شارح المواقف الى كثير من اصحابه..  
 وانچه در عبارات بعضی از فقہاء لفظ جور در حق  
 معاویہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ واقع شدہ است و گفہ کہ معاویہ  
 اِمَامًا جائراً مراد از جور عدم حقیقت خلافت او در زمان  
 خلافت حضرت امیر خواہد بود نہ جورے کہ مالش  
 فسق و ضلالت است تابه اقوال اہل سنت موافق باشد، مع  
 ذلك ارباب استقامت از اتیان الفاظ موهمة خلاف مقصودا  
 جتناب می نمایند و زیادہ بر خطا تجویز نمی کنند۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول) حصہ چہارم مکتوب ص ۲۵۱ ص ۶۷ تا ۶۹ جلد دوم (مطبوعہ نور کمپنی لاہور)

اور یہ جو شارح مواقف نے کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس مسلک پر  
 ہیں کہ حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ جنگ اجتہاد پر مبنی نہیں تھی اس میں نہ جانے  
 اصحاب سے کونسا گروہ مراد لیا ہے، اہل سنت کا عقیدہ تو اس کے خلاف ہے۔ جیسا  
 کہ گزر چکا اور علمائے اہل سنت کی کتابیں خطا اجتہادی کی تصریح سے بھری ہوئی  
 ہیں جیسے کہ امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور قاضی ابوبکر بن عربی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی وغیرہ نے  
 بہ صراحت لکھا ہے لہذا حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ سے جن حضرات نے جنگ کی

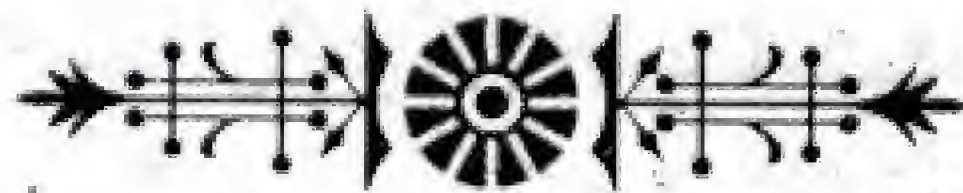


انہیں فاسق یا گمراہ کہنا جائز نہیں ہے۔ قاضی عیاض رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے شفاء میں امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں سے کسی کو بھی، خواہ وہ ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یا عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہوں یا معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ برا کہے تو اگر یہ کہے کہ وہ گمراہی یا کفر پر تھے، تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر اس کے علاوہ عام گالیوں میں سے کوئی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے گی لہذا امام مالک رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے اس قول کی دو سے بھی حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مقابلہ کرنے والے نہ تو کافر ہیں جیسے کہ بعض غالی روافض کا خیال ہے اور نہ فاسق ہیں جیسے کہ بعض کا گمان ہے اور شارح مواقف نے اس کی نسبت اپنے بہت سے اصحاب کی طرف کی ہے اور یہ جو بعض فقہاء کی عبارتوں میں حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حق میں ”جور“ کا لفظ آگیا ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ امام جائز تھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے عہد خلافت میں ان کی خلافت برحق نہ تھی، اس سے وہ ظلم و جور مراد نہیں ہے جس کا نتیجہ فسق و گمراہی ہے یہ تشریح اس لئے ضروری ہے تاکہ اہل سنت کے اقوال کے ساتھ موافقت ہو جائے۔ اس کے ساتھ دین پر استقامت رکھنے والے ان حضرات کے حق میں ایسے الفاظ سے بھی پرہیز کرتے ہیں جن سے خلاف مقصود کا وہم پیدا ہوتا ہو۔ اور ان حضرات کے لئے خطاء کے لفظ سے زیادہ کوئی لفظ کہنا جائز نہیں سمجھتے۔

وما علینا الا البدر

ما بنامہ صدر اللہ (سلّم) بنادر

اکتوبر ۱۹۸۵ء





# حضرت امام مالک قدس سرہ

کے

زرّیں ملفوظات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

امام دارالہجرت حضرت مالک بن انس قدس سرہ امت کے وہ امام ہیں کہ دنیا کے کسی عالم و جاہل کی گردن ان کے احسان سے آزاد نہیں، ان کا نام نامی محتاج تعارف نہیں۔ مسلمان کے لیے بڑی ناشکری اور ناقدر شناسی ہے کہ ان کے حالات سے ناواقف رہے۔ اس مختصر مضمون میں مقصود صرف آپ کے وہ ملفوظات طیبہ جمع کرنا ہے جو عام مسلمانوں کی حیات دنیا و آخرت کے لیے مشعلِ راہ اور علماء کے لیے عالمِ متبحر، صوفیاء کے لیے مرشدِ کامل، زعماء امت کے لیے فوز و فلاح کا دستورِ اساسی ہیں۔

شیخ السنہ امام جلال الدین سیوطی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنے رسالے (ترتیب الممالک بمناقب الامام مالک) میں نقل کیا ہے کہ میں نے امام ابن وہب کی ایک مستقل ضخیم کتاب مجالس امام مالک کے متعلق دیکھی ہے جس میں امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے ملفوظات طیبہ جمع کیے گئے ہیں۔ (انتہی ص ۴۰)

لیکن افسوس کہ یہ عظیم الشان ذخیرہ علوم و آداب نذر حوادث ہو کر رہ گیا۔ اور علامہ سیوطی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے بھی بوجہ اختصار اپنے رسالہ میں اس کتاب کا کوئی حصہ نقل نہیں فرمایا۔ اب جو کچھ اس تحریر میں لکھا جاتا ہے وہ خلاصہ سیوطی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے رسالہ کے متفرق اوراق اور دوسری کتب کے مختلف مقامات کا التقاط ہے۔



ابتدائی حصہ اس رسالہ مذکورہ سے ماخوذ ہے۔ بعد میں جس کتاب سے لیا ہے اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

**ارشاد:-** حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی از روئے تقویٰ و احتیاط خود اپنے نفس پر بہت سے معاملات میں تنگی کرتے تھے۔ مگر عام مسلمانوں پر اس کو لازم نہ قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ عالم اس وقت تک عالم نہیں ہوتا جب تک کہ خود ایسے احتیاطی اعمال اختیار نہ کرے جن کا فتویٰ لوگوں کے لیے نہیں دیتا۔ اور اگر وہ اُن اعمال کا پابند نہ ہوتا تب بھی اس پر کوئی گناہ نہ تھا۔ (ص ۱۲)

**ارشاد:-** اہل اہواء (وہ لوگ جو عقائد اسلام میں شبہات و اوہام نکالنے اور جمہور امت کا خلاف کرتے ہیں) ان میں سے اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں آتا اور کسی مسئلہ میں معاندانہ بحث کرنا چاہتا تو آپ فرما دیتے تھے کہ سن لو میں تو اپنے دین و عقائد پر قوی حجتوں اور قطعی دلائل کے ساتھ پختہ ہوں مجھے تو بحث کی حاجت نہیں۔ اور تمہیں اپنے دین میں شکوک ہیں تو جاؤ ایسے ہی آدمی سے بات کرو جسے تمہاری طرح دین میں شبہات ہوں۔ (ص ۱۲)

**ارشاد:-** ایک قریشی جوان سے فرمایا کہ علم حاصل کرنے سے پہلے (انسانی اور اسلامی) آداب حاصل کرو۔

**ارشاد:-** فرمایا کوئی شخص اس علم دین میں اپنے مقصد پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب کہ اس کو فقر و فاقہ پیش نہ آوے اور وہ پھر بھی علم کو دنیا پر ترجیح دے۔

**ایک خاص معمول:-** حضرت امام قدس سرہ کا معمول تھا کہ ہر مہینہ کی پہلی رات کو تمام رات جاگنے اور ذکر و نماز میں مشغول رہتے تھے۔ تاکہ مہینہ کی ابتداء عمل صالح سے ہو۔

**ادب:-** حضرت ممدوح کو اگر کسی شخص کے سوال سے یہ محسوس ہوتا کہ اس کی غرض فی الواقع مسئلہ کا حل نہیں بلکہ اور کچھ ہے (مثلاً اپنا علم جتلانا وغیرہ) تو آپ اس کے



سوال کا جواب دینے کے بجائے اس کو ڈانٹ دیتے اور یہ آیت پڑھتے تھے وَلَلْبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ۔

**ارشاد:-** کسی نے آپ سے سوال کیا کہ کمینہ کون آدمی ہے؟ فرمایا جو طالب علم نہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اس کو علم سے محروم کر دیتا ہے۔ (ص ۱۵)

**ارشاد:-** فرمایا کہ میں نے اس وقت تک فتویٰ دینا شروع نہیں کیا جب تک کہ مستند مشائخ و علماء نے میرے لیے اس کی شہادت نہیں دی کہ میں اس کا اہل ہوں۔ (ص ۸)

**وَصِيَّت:-** حضرت خالد بن خدّاش فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کی خدمت سے رخصت ہوا تو عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ دو چیزوں کا التزام کرلو۔ ایک تقویٰ دوسرے علم حدیث کا حاصل کرنا اس کے اہل سے۔

**ف:-** حضرت امام نے علم حدیث حاصل کرنے کے ساتھ یہ قید لگا کر ایک مستقل علم کا دروازہ کھول دیا کہ علم حدیث کو صرف اس کے اہل سے حاصل کیا جاوے کیونکہ نا اہل سے حاصل کرنے میں بسا اوقات بجائے فائدہ کے مضرت پہنچ جاتی ہے۔

**ارشاد:-** امام موصوف فرماتے تھے کہ میرا تجربہ ہے کہ جو شخص سچ بولنے کا عادی ہو جائے اور کبھی جھوٹ نہ بولے اس پر آخر عمر تک بڑھاپے کے وہ آثار نہیں آتے جن سے اس کے قویٰ جسمانی یا دماغی بیکار ہو جائیں۔

**خصوصیت:-** افاضہ علوم حدیث کے بارہ میں ایک خاص فضیلت حضرت امام کو ایسی حاصل ہے جو امت میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوئی کہ آپ کے تلامذہ ہر طبقہ میں چوٹی کے ممتاز لوگ ہوئے ہیں۔ مثلاً ائمہ مجتہدین میں سے امام اعظم

۔ اس میں محدثین کا اختلاف ہے کہ امام ابو حنیفہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے امام مالک رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی سے حدیث کی روایت کی ہے یا نہیں مگر دارقطنی کتاب الذبائح میں اور ابن خسر و یحییٰ نے مسند امام ابی حنیفہ میں اور خطیب بغدادی نے کتاب الرواۃ عن مالک میں امام اعظم کی روایت امام مالک رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی سے نقل کی ہے (ترتیب الممالک للسیوطی ص ۵۹ واللہ اعلم) (۱۲) بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔



ابو حنیفہ، امام اوزاعی سفیان ثوری رحمہم اللہ اور طبقہ سلاطین و خلفاء میں سے امیر المؤمنین منصور اور مہدی اور ہادی، ہارون رشید اور ان کے دونوں صاحبزادے امین اور مامون وغیرہ اور امام کے ہمعصروں میں سے ایک بڑی جماعت اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ امام موصوف کے بہت سے اساتذہ بھی امام کی حلقہ شاگردی میں داخل ہوئے مثلاً زہری، یزید بن عبد اللہ بن الہادی، ربیعہ، یحییٰ بن سعید۔ (ص ۳۹)

## آخریں لمحہ حیات

بکر بن سلیم کہتے ہیں کہ جس شام کو امام موصوف دنیا سے رخصت ہونے والے تھے ہم آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ کیا حال ہے؟ فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم سے کیا بیان کروں مگر صرف اتنا کہتا ہوں کہ کل تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ایسے عفو و کرم کا معائنہ کرو گے جو کبھی تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

## ہارون رشید کا مشورہ اور امام کا مدبرانہ جواب

حضرت امام فرماتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید نے مجھ سے تین کاموں کے متعلق مشورہ لیا۔ اول یہ کہ امام کی تصنیف مؤطا کو بیت اللہ کے اندر معلق کر دیں اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس کے موافق فتویٰ دینے اور عمل کرنے پر قانوناً مجبور کر دیں۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے موجودہ منبر کو توڑ کر سونے چاندی اور جواہرات سے بنادیں۔

تیسرے یہ کہ نافع بن ابی نعیم کی جو کہ قرأت کے مشہور و معروف امام ہیں۔ مسجد نبوی کا امام مقرر فرمادیں۔



امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ میں نے تینوں معاملات میں ہارون رشید کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ پہلی چیز تمام مسلمانوں کے لیے موطا کو قانون بنا کر مجبور کرنا تو اس لیے مناسب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا فروعی مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔ اور وہ اطرافِ عالم میں پہنچے اور ان میں سے جو بزرگ جس خطہ میں پہنچے وہاں کے مسلمانوں نے اختلافیات میں انہیں کا اتباع کیا اور ان میں سے ہر شخص اپنی رائے اور اجتہاد میں صحیح راستے پر تھا۔

امام کے بعض الفاظ اس بارہ میں یہ ہیں:۔ اختلاف العلماء رحمة من اللہ تبارک و تعالیٰ علیٰ هذه الامة کل يتبع ما صح عنده و کل یوید اللہ تترجمہ: علماء کا اختلاف اس امت کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت ہے۔ ہر شخص اُسی چیز کا اتباع کرتا ہے جو اس کے نزدیک صحیح اور حق ہے اور ان میں سے ہر شخص کی غرض فقط حق تبارک و تعالیٰ ہی کی رضا ہے اور بس۔ (اس لیے ان کے متبعین کو ان کے خلاف پر مجبور کرنا اسلام میں ایک قسم کی تنگی پیدا کرنا ہے)۔

## فقہاء اور ائمہ کے باہمی اختلاف کے بارہ میں عظیم الشان فائدہ

آج حقیقت ناشناس روشن خیالی کے مدعی صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور ائمہ مجتہدین کے فروعی سائل کو تفرقہ سمجھ کر بُری نظر سے دیکھتے ہیں اور ائمہ مجتہدین اور ان مقلدین کے باہمی فروعی اختلاف پر سخت نکتہ چینی کے درپے ہیں۔ لیکن امام دارالبحر ت مالک بن انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو اس امت کے حقیقی طبیب اور رموز شریعت سے پورے واقف اور صحیح معنی میں امام تھے ان کی تجویز دیکھیں تو حقیقت کھل جائے کہ موطا میں حضرت امام نے اپنی عمر بھر کی تحقیقات اور ان مسائل کا خلاصہ لکھا ہے جن کو وہ مختلف فیہ مسائل میں حق سمجھتے ہیں۔ اور ان کے خلاف کو خطاء



جس کا مقتضاء یہ تھا کہ وہ خود کوشش کرتے کہ دنیاۓ اسلام سے تمام دوسرے مسائل جو ان کی رائے میں خطا ہیں، مٹا دیے جائیں۔ اور کل عالم اسلام میں یہی مسائل و احکام رائج ہوں جو آپ نے غایت تحقیق و احتیاط سے جمع کیے ہیں۔

مگر حضرت امام خود تو اس کے لیے کیا کوشش کرتے۔ سلطان وقت خود اس کی درخواست کرتا ہے اس وقت بھی اس پر راضی نہیں ہوتے اور اس فروعی اختلاف کے باقی رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

ہاں حضرت امام کے اس ارشاد سے جس طرح یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فقہاء کا باہمی فروعی اختلاف ایک رحمت اور مقتضائے حکمت ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ روشن طریق پر ایک اور نہایت اہم اور ضروری چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ مختلف فیہ مسائل محل اجتہاد ہیں اُن میں اختلاف کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ اور اجتہادی اختلاف کی کیا حد ہے کیونکہ اسی واقعہ نے یہ واضح کر دیا کہ اجتہادی اختلاف کے موقع پر اپنی رائے پر ایسا جمود و یقین نہ ہونا چاہیے کہ خلاف کرنے والوں کو باطل پر سمجھے اور ان کے خلاف جنگ و جدل اور فرقہ بندی کی بنیاد ڈال دے بلکہ ایسے مواقع میں ضروری ہے کہ نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ دوسروں کی رائے کو بھی وقعت کی نظر سے دیکھے۔

سلف صالحین کے باہمی اختلافات اور قرون متاخرہ کے نزاعات میں یہی فرق ہے کہ سلف صالحین ایسے مسائل میں خود اپنی تحقیق پر عمل کرتے تھے اور جو ان سے مسئلہ پوچھتا وہی بتلاتے تھے لیکن جو لوگ ان کے خلاف کسی دوسرے امام یا عالم کی تحقیق کا اتباع کرتے تھے ان پر کوئی نکیر و اعتراض نہ کرتے تھے۔

امام حدیث حافظ ابن عبدالبر اپنی کتاب جامع العلم میں لکھتے ہیں:-

ما برح المفتون یفتون فیحل هذا ویحرم هذا فلا یری المحرم  
ان المحل هلك تحلیله ولا یری المحل ان المحرم هلك لتحريمه

(ص ۱۴۴)



ہمیشہ سے اہل فتویٰ میں اختلاف رہا ہے ایک ہی معاملہ کو کوئی حلال کہتا ہے، کوئی حرام حرام کہنے والا حلال کہنے والے کو اور حلال کہنے والا حرام کہنے والے کو یہ نہ سمجھتا تھا کہ وہ ہلاکت و ضلال میں ہے۔

مگر آج انہیں اساطینِ اُمت اور سلاطینِ شریعت کے قبیعین نے ان مسائل فرعیہ کو ایک جنگ و جدل کا میدان بنالیا۔ اور یہیں سے فرقہ بندی شروع ہو گئی جو امت کی تباہی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

الغرض امام کے اس مشورہ سے دو فائدے عظیم الشان حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ فروعی اختلافات مقتضائے رحمت و حکمت اور یسر و سہولت ہیں ان کو مٹا کر سب عالم اسلام کو کسی ایک امام کی رائے پر جمع کر دینا شرعی مصلحت نہیں۔ دوسرے یہ کہ ایسے اختلافی مسائل میں اختلاف اسی حد پر رہنا چاہیے جس پر قرونِ اولیٰ میں تھا۔ اس سے آگے بڑھانا شریعت کے مقصد کو فوت کرنا ہے۔

دوسرے امر کے بارے میں امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے یہ مشورہ دیا کہ یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ جس ممبر پر رسول کریم ﷺ تشریف فرما ہوئے ہیں آپ کے جسم مبارک کے ساتھ اس کا اتصال ہوا ہے اس کو ضائع کر کے جوہرات کا منبر بنایا جاوے۔ (کیونکہ وہ انوار و برکات جو آنحضرت ﷺ کے اتصال کی وجہ سے اس منبر میں ہیں ان کے مقابلہ میں دنیا بھر کے جوہرات ایک کوڑی کی قیمت نہیں رکھتے)۔

تیسرے معاملہ میں آپ نے فرمایا کہ حضرت نافع کو مسجد نبوی کا امام بنانا بھی مصلحت نہیں کیونکہ وہ قرأت کے مسلم امام ہیں۔ اگر اتفاقاً کبھی کوئی کلمہ غلط ان کی زبان سے نکلے گا تو سننے والے اسی کو صحیح سمجھیں گے اور وہ دنیا میں ایک مستقل قرأت کی حیثیت اختیار کر لے گا۔ امیر المؤمنین ہارون رشید نے تینوں مشوروں کو قبول کیا اور یہ ارادہ چھوڑ دیا۔



**ارشاد:** تعنی جو امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے مشہور تلمیذ اور موطا کے صاحب نسخہ ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت امام فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک لوگوں کی نصرت و امداد کرنے سے علم کی نصرت و امداد زیادہ محبوب اور بہتر ہے۔

(ترتیب الممالک للسيوطی ص ۶۱)

**تنبیہ:-** یہاں تک کل ملفوظات علامہ سیوطی کے رسالہ مذکورہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کے بعد مناقب الامام مالک مصنفہ علامہ عیسیٰ بن مسعود زاداوی سے لیے جاتے ہیں۔ واللہ الموفق

### عزتِ علم اور خودداری

امیر المؤمنین ہارون الرشید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو بلایا۔ امام موصوف تشریف نہ لائے۔ پھر دوبارہ آدمی بھیجا تو تشریف لائے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ اے ابو عامر کے بیٹے کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں بلانے کے لئے آدمی بھیجوں اور آپ نہ آئیں؟ حضرت امام نے سند کے ساتھ حدیث پڑھی جس میں قرآن مجید کے ایک لفظ غیر اولی الضرر کے مستقل نزول کا ذکر تھا پھر فرمایا کہ امیر المؤمنین حق تعالیٰ نے اس علم کی یہ عزت کی ہے کہ اس کے ایک حرف کے لیے جبریل عَلَیْہِ السَّلَام اور دوسرے فرشتوں کو پانچ ہزار سال کی مسافت سے بھیجا ہے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو اس مرتبہ پر علم ہی کی وجہ سے پہنچایا ہے تو آپ کو چاہیے کہ علم عزت میں کمی نہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی تمہاری عزت کم کر دیں۔

ہارون الرشید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے امام کے کلمات نصیحت سے متاثر ہو کر عرض کیا کہ اچھا کسی وقت یہاں تشریف لایا کریں تاکہ ہم آپ سے علم حاصل کریں۔ فرمایا کہ حق تعالیٰ آپ کی اصلاح فرمائے۔ بات یہ ہے کہ علم ایسی چیز ہے کہ لوگ اس کی تحصیل کے لیے اُس کے پاس آتے ہیں علم خود کسی کے پاس نہیں جایا کرتا۔



پھر ہارون الرشید نے درخواست کی کہ اچھا ہم خود حاضر ہوا کریں گے۔ مگر آپ یہ انتظام کر دیں کہ جس وقت ہم حاضر ہوں تو عوام الناس اُس وقت آپ کی خدمت میں نہ آیا کریں۔ امام رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ علم کی یہ خاصیت ہے کہ اگر عام لوگوں کو اس سے روک دیا جائے تو خواص کو بھی اس سے نفع نہیں پہنچتا۔

ہارون الرشید کو بادشاہی جاہ و شتم کے ساتھ حق تعالیٰ نے طلب علم کا ایک جذبہ صادقہ عطا فرمادیا تھا کہ اگرچہ ان کی کوئی شرط امام نے تسلیم نہ کی مگر وہ سب سے دست بردار ہو کر خود امام کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اور عام طلباء کی صف میں بیٹھ کر آپ سے موطا پڑھا۔ (مناقب الامام مالک للزاد اوی ص ۲۸)

## آلِ نبی کون لوگ ہیں؟

داؤد بن حسن فرماتے ہیں کہ عبد الملک بن صالح مدینہ طیبہ کے امیر تھے تو ایک روز میں ان کے پاس تھا اور بنی طالب بنی عباس کی ایک جماعت مجلس میں موجود تھی۔ ہم سب کو خطاب کر کے پوچھا کہ آلِ محمد ﷺ آپ کے نزدیک کون لوگ ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ ہی حضرات ہیں۔ عبد الملک نے کہا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ آپ لوگ اس بارہ میں اطمینان بخش جواب نہ دے سکے۔ امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو میرے پاس بلاؤ میں ان سے دریافت کروں گا۔

جب حضرت امام مجلس میں پہنچے تو عبد الملک نے ان کو اپنے برابر بٹھلایا اور نہایت ادب سے سوال کیا کہ آلِ محمد ﷺ کون ہیں؟ حضرت امام رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ تمام امت محمدیہ۔ اور پھر بطور استشہاد یہ آیت پڑھی اَوْ خُلُوْا اِلٰی فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ غرض یہ تھی کہ اس آیت میں آلِ فرعون سے فقط فرعون کی ذریت و اولاد مراد نہیں بلکہ اس کے تمام متبعین مراد ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ صرف اولاد کے لیے مخصوص نہیں۔ امیر یہ سن کر امام کے قدموں پر گر پڑا۔ (ص ۳۰)



## فتویٰ میں احتیاط اور انتہائی غور و فکر

عبدالرحمن بن عبدالعزیز عمری بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ بسا اوقات میرے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا ہے تو میری بھوک اور نیند اڑ جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا کلام لوگوں میں پتھر کی لکیر ہے۔ اور سب بلا پس و پیش آپ کا اتباع کرتے ہیں۔ پھر آپ کو اتنی فکر کیوں ہے۔ فرمایا کہ جو شخص ایسا ہو اس کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ انتہائی غور و فکر سے کام لے۔

آنکہ شاہ آں کند کہ او گوید حیف باشد کہ جز نکو گوید۔

## ائمہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کی محبت و عظمت

حضرت امام سے کسی نے دریافت کیا کہ ایوب سختیانی کس درجہ کے بزرگ ہیں؟ حدیث میں قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟ فرمایا کہ جتنے آدمیوں سے میں حدیث کی روایت کرتا ہوں ایوب ان سب سے افضل ہیں۔ اور اس کے باوجود میں نے ان سے روایت حدیث حاصل کرنے میں جلدی نہیں کی وہ دو مرتبہ حج کے لیے تشریف لائے مگر میں نے ان کی حدیث نہیں سنی۔ یہاں تک کہ میں نے ان کا یہ حال دیکھا کہ جب ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر آتا تو وہ اتنا روتے تھے کہ مجھے رحم آنے لگتا تھا۔ جب میں نے یہ دیکھ لیا کہ نبی کریم ﷺ کی محبت و عظمت کا اس قدر گہرا رنگ ان پر چڑھا ہوا ہے اس وقت ان سے حدیث حاصل کی۔

اور مصعب بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی بھی یہی حالت تھی کہ جب آنحضرت ﷺ کا نام مبارک آپ کے سامنے آتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور چہرہ زرد پڑ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اہل مجلس پر اس کا اثر ہوتا تھا۔ سچ ہے عشق اور اس کی عظمت و جلالت کا یہی رنگ ہوتا ہے۔



ولقد اجا دالمتنبی حیث قال ۛ

واذ کر ایام الحمی ثم اتثنیٰ علی کبدی من خشية ان تصدعا  
تَرْجَمَکَ: میں جب ایام حمی (وصال حبیب کے زمانہ) کو یاد کرتا ہوں تو اپنے جگر کو  
تھام لیتا ہوں کہ ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاوے  
اُردو کا یہ شعر بھی اسی کا ترجمہ ہے ۛ

ہمارے آگے کسی نے جوان کا نام لیا دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا  
بالآخر حاضرین مجلس میں سے کسی نے امام سے عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے؟  
فرمایا کہ اگر آپ وہ چیز دیکھتے جو میں نے دیکھی ہے تو میری اس حالت پر تعجب نہ  
کرتے۔ کیونکہ میں نے سید العلماء محمد بن المنکدر کو دیکھا ہے کہ جب کبھی کوئی  
حدیث ان سے دریافت کی جاتی تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہمیں  
رحم آنے لگتا تھا۔

اور میں نے جعفر بن محمد رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو دیکھا ہے کہ ان کی عادت بہت زیادہ  
مزاح اور ہنسی کی تھی۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ کا نام مبارک ان کے سامنے لیا  
جاتا تھا تو زرد پڑ جاتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث بھی بدون طہارت  
ووضو کے بیان نہ کرتے تھے۔ میں ان کی خدمت میں مدت تک حاضر ہوتا رہا۔ کبھی  
ان کو تین حالتوں کے سوا نہیں دیکھا۔ یا نماز پڑھتے ہوئے یا قرآن پڑھتے ہوئے یا  
خاموش بیٹھے ہوئے۔ اور کبھی بے فائدہ کلام کرتے ہوئے نہیں پائے گئے۔ یہ  
بزرگ ان حضرات علماء میں سے تھے جن پر حق تعالیٰ کی خشیت کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔

### چند نصائح

عبدالرحمن بن مہدی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی  
کا ارشاد ہے کہ باطل کے قریب جانا بھی ہلاکت ہے اور باطل کے معاملہ میں



گفتگو کرنا حق سے روک دینا ہے۔ اور انسان اپنے دین یا عزت و آبرو کو فاسد کر کے دنیا (کتنی ہی حاصل کر لے) اس میں کوئی خیر نہیں۔ اور جس چیز کو اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی نے لوگوں کے لیے حلال کر دی ہے اس میں کسی کو ملامت نہ کرو (اگر تم اس کو طبعاً پسند نہ کرتے ہو)۔

## شرک و بدعت کا انجام بد اور دوسرے معاصی کا

### اُن کے مقابلہ میں خفیف ہونا

حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ جو شخص شرک اور عقیدہ کی بدعات اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بُرا کہنے سے محفوظ رہا۔ اگرچہ دوسرے گناہوں میں کچھ مبتلا بھی ہو گیا ہو۔ مجھے اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی کے فضل و رحمت سے امید ہے کہ اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی اس کے وہ گناہ معاف فرما دے گا اور وہ جنت الفردوس میں نبیین و صدیقین و شہداء کے ساتھ ہوگا۔

## علم دین حاصل کرنے میں احتیاط

ارشاد فرمایا کہ یہ علم دین ہے۔ تو خوب غور کرو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو (یعنی جب تک کسی کے علم صحیح اور تقویٰ کا اطمینان نہ ہو اس کی تعلیم پر اعتماد مت کرو) اور مسجد نبوی کے ستونوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے ستر علماء ان کے پاس درس حدیث میں مشغول پائے مگر میں نے اُن سے کسی سے علم حاصل نہ کیا (کیونکہ ان کے علم صحیح اور تفقہ پر مجھے اعتماد نہ تھا) اگرچہ دیانت میں ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ اگر ایک بیت المال ان کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً وہ اعلیٰ درجہ کے امین ثابت ہوتے۔

اور فرمایا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل نہ کرنا چاہیے ان کے ماسوا جس سے



چاہیں حاصل کریں اور وہ چار یہ ہیں۔

ایک مبتدع جو اپنی بدعت کی تبلیغ اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہو۔

دوسرے بے وقوف، کم فہم، جس کی کہم فہمی مشہور ہو۔

تیسرے وہ شخص جو باہمی معاملات میں جھوٹ بولتا ہے۔ اگرچہ حدیث رسول ﷺ میں جھوٹ نہ بولتا ہو۔

چوتھے وہ شخص فن حدیث سے باضابطہ و با اصول واقف نہ ہو (اگرچہ کچھ حدیثیں اس نے یاد کر لی ہوں)

## قِلَّتِ کَلَام

فرمایا کہ جو شخص کلام کو اپنے عمل میں داخل نہیں سمجھتا وہ بہت کلام کرتا ہے اور سلف میں یہ مشہور تھا کہ جو شخص اپنے کلام کو اپنے عمل کا جزو سمجھتا ہے وہ زیادہ کلام ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور سلف کی یہ عادت نہ تھی کہ کلام کا ایک سلسلہ فضول لگائے رکھیں۔ اور اب بعض وہ لوگ ہیں جو ایک مہینہ کا کلام ایک گھڑی میں کر ڈالتے ہیں۔

فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کے لیے بھلائی پر قادر نہیں دوسروں کو اس سے کسی بھلائی کی توقع رکھنا فضول ہے۔

اور فرمایا کہ نماز ایسی پڑھو کہ گویا اپنی عمر کی آخری نماز پڑھ رہے ہو۔ اس کے بعد تمہیں نماز پڑھنا نصیب نہ ہوگا۔

اور لوگوں کے اموال سے اپنے قلب کو مایوس کر لو کہ حقیقی غنی یہی ہے۔ اور لوگوں سے حاجات طلب کرنے سے بچو کہ حقیقی فقیر یہی ہے اور میں جانتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہ کچھ کلام کی ضرورت پڑے گی (اس لیے مطلقاً کلام سے تو منع نہیں کرتا مگر) اس کلام سے بچو جس کے بعد تمہیں معذرت کرنا پڑے۔



اور فرمایا کہ اون کا موٹا لباس پہننے میں کوئی خیر نہیں۔ ہاں سفر میں بضرورت پہنے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے کیا، کیوں کہ ایسا لباس اختیار کرنا اپنے آپ کو ممتاز و مشہور کرنا ہے اور بہت ہی بُری بات ہے کہ انسان کا دین اس کے کپڑوں سے پہچانا جاوے۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص تمہاری بات نہ مانے اس کے سامنے علم کی بات کہنا علم کی اہانت کرنا ہے۔

## لباس

حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی عادت تھی کہ لباس عمدہ رکھتے تھے۔ عدن و خراسان و مصر کے اعلیٰ کپڑے آپ کے ملبوس میں ہوتے تھے۔ اور عطر و خوشبو کا استعمال بکثرت فرماتے تھے۔ اور ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص کو اللہ تبارک و تعالیٰ نعمت دے۔ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس کے بدن پر اس نعمت کے آثار ظاہر ہوں۔ اور خصوصاً اہل علم کے لیے تو یہی مناسب ہے کہ اپنی ہیئت و لباس کو اچھا بنائیں کہ اس میں علم کی عظمت ہے۔

## مزاح

فرمایا کہ اہل علم کو مزاح (ہنسی ٹھٹھے) سے یکسور ہنا چاہیے۔ خصوصاً مجلس علم میں اور فرمایا کہ عالم کو چاہیے کہ اپنی ضروریات کو بازار سے خود نہ خریدے اگرچہ دوسروں کی معرفت خریدنے میں کچھ مالی نقصان بھی اٹھانا پڑے۔ کیوں کہ عوام اس کی قدر کو نہیں جانتے۔

ف۔ فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ حضرات سلف کا یہی مذاق تھا۔ اور اس زمانہ میں پسندیدہ یہی تھا۔ لیکن آج کل مناسب یہ ہے کہ علماء خود بازاروں میں جاویں تاکہ



لوگ ان کے معاملات سے سبق حاصل کریں۔ اور وہ لوگوں کے معاملات پر مطلع ہوں کہ فتویٰ مناسب حال دے سکیں۔

احقر کہتا ہے کہ دونوں بزرگوں کی رائیں درحقیقت متضاد نہیں بلکہ حالات کے تابع مشورے ہیں۔ عالم کو چاہیے کہ موجودہ حالات اور وقتی ضرورتوں پر نظر کرے۔ ان بزرگوں کے ارشادات کو کیدِ نفس یا ابتذالِ نفس کا ذریعہ نہ بناوے

### اہل بدعت کی تردید میں حکمت آموز نصیحت

ابن فروخ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی خدمت میں خط لکھا کہ ہمارے بلاد میں بدعات کی کثرت ہے۔ میں نے رد بدعت میں ایک کتاب لکھی ہے۔ حضرت امام رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ نے اکابر علماء وقت کے امر یا مشورہ کے بغیر خود ہی اپنے آپ کو اس مقام پر کھڑا کیا ہے۔ کہ اہل بدعت کی تردید میں کتابیں لکھیں تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ خود کسی مغالطہ میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اہل بدعت کی تردید صرف اس شخص کو کرنا چاہیے جو کتاب و سنت کے غوامض اور اہل بدعت کے شبہات و وساوس سے پورا واقف ہو تاکہ وہ لوگ اس پر غالب نہ آسکیں ورنہ جو شخص اس درجہ کا نہ ہو اس سے بسا اوقات ایسے کلمات نکل جاتے ہیں کہ اہل بدعت ان پر گرفت کر کے اور زیادہ عروج پالیتے ہیں۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی ص ۲۵ ج ۱)

**فائدہ:** حضرت امام رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی یہ نصیحت آب زر سے لکھنے اور ہمیشہ تقلید کرنے کے قابل ہے کہ ایک تجربہ کار حکیم کا ارشاد ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ علماء حق اپنے اہل عصر علماء کے مشورہ یا امر کی رو سے اس کے اہل ہیں وہ بھی اس کام میں ہمت سے کام نہ لیں۔ کیونکہ جس طرح یہ ایک خطرہ کا مقام ہے اسی طرح اس کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔



حضرت اسد بن موسیٰ قدس سرہ فرماتے ہیں:-

ان لِلّٰہ عند کل بدعة بها الاسلام ولیا لِلّٰہ یذب عنہما وینطسق بعلامتہا (اعتصام ص ۱۷۶ ج ۱)

جب کسی بدعت وضلالت کے ذریعہ اسلام کے اصول صحیحہ سے کید و مکر کیا جاتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا کوئی ولی اس کی مدافعت کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے جو اس کی قلنی کھول دیتا ہے۔

اور امام اوزاعی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حضرت حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کی ہے کہ:  
لن یزال اللّٰہ نصحاء فی الارض من عبادہ یعرضون اعمال العباد علی کتاب اللّٰہ فاذا وافقوه حمدوا اللّٰہ واذا خالفوه عرفوا بکتاب اللّٰہ ضلالة من ضل وهدی من اھتدی فاولئک خلفاء اللّٰہ.

(اعتصام ص ۱۷۷ ج ۱)

ہمیشہ بعض اللہ کے بندے ایسے رہیں گے اللہ کے (دین) کی خیر خواہی کرنے والے ہیں۔ بندوں کے اعمال کو کتاب اللہ کے سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں اگر موافق ہیں تو شکر کرتے ہیں اور مخالف ہیں تو کتاب اللہ کے ذریعے گمراہ کی گمراہی اور ہدایت پانے والے کی ہدایت واضح کر دیتی ہے۔

کسی بدعت کا ایجاد کرنا معاذ اللہ

رَسُولُ اللّٰہ ﷺ کو خائن قرار دینا ہے

ابن ماجہ شون رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے یہ فرماتے ہوئے سنا:

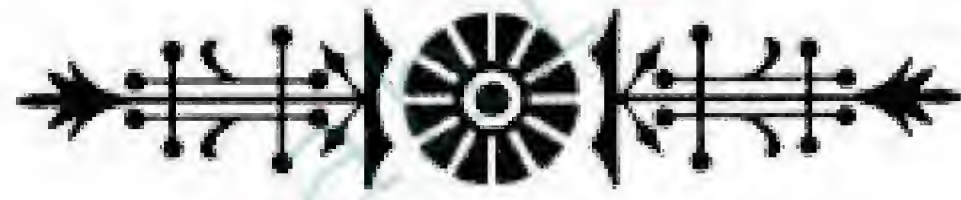
من احدث فی هذه الامة شیئاً لم یکن علیہ سلفہا فقد زعم ان رسول



اللّٰهُ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَمَ خَانَ الرِّسَالَةَ لِانَ اللّٰهُ تَعَالٰی یَقُولُ الْیَوْمَ  
اَكْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ  
دِیْنًا. فَمَا لَمْ یَکُنْ یَوْمُئِذٍ دِیْنًا لَا یَکُونُ الْیَوْمَ دِیْنًا

(کتاب الاعتصام للشاطبی ص ۱۴۹ ج ۲)

جو شخص اس امت میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جس پر اُن کے سلف صالح نہیں  
تھے تو گویا وہ یوں کہتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ نے رسالت میں خیانت  
کی (کہ بعض مفید اور ضروری باتیں بیان نہیں کی جن کو یہ مبتدعین ظاہر کر رہے  
ہیں) کیونکہ اللہ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی کا ارشاد ہے کہ میں نے آج تمہارے لیے دین کامل  
کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ پس جو کام  
اُس روز (زمانہ سلف میں) دین نہ تھا وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا۔





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اسلامی نظام کے تحت معاشی اصلاحات

حمد و ستائش اس ذات کے لئے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا!  
اور  
درو و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے اس جہان میں حق کا بول بالا کیا

آج کل یہ سوال عام ہے کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کے مقابلے میں اسلام کا معاشی نظام جس کو پوری انسانیت کے لئے امن و اطمینان کا ضامن بتلایا جاتا ہے، وہ نظام کیا ہے؟ اور اس کے ذریعہ ملکی معیشت کے مسئلے کس طرح حل ہو سکتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں اصل بات تو یہ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام کوئی خالص نظری فلسفہ نہیں ہے جسے کبھی دنیا نے عملی زندگی میں دیکھا اور برتنا نہ ہو۔ بلکہ یہ نظام سینکڑوں سال تک دنیا میں عملی طور پر نافذ رہا۔ اور اس کی یہ برکتیں ہر دور اور ہر ملک میں ہر شخص نے مشاہدہ کی ہیں کہ جب کسی جگہ یہ نظام رائج ہوا وہاں ان معاشی نا انصافیوں کا نام و نشان نہ رہا جن سے آج کی دنیا بے چین ہے۔ وہاں غریب و امیر کی جنگ کا کوئی نام و نشان نہیں تھا، وہاں مزدور اور سرمایہ دار کی کوئی تفریق نہیں تھی،



سب ایک ہی برادری کے افراد تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردانہ تعاون کرتے تھے۔ وہاں مزدور اور کسان حقیر و ذلیل نہیں تھا، اس کی ایسی ہی عزت کی جاتی تھی جیسی برادری کے دوسرے افراد کی، وہاں صنعت اور تجارت پر اجارہ داریاں نہیں تھیں جن کی وجہ سے ملک کی دولت صرف بڑے سرمایہ داروں کے لئے مخصوص ہو کر رہ جائے، وہاں ان تمام دروازوں کو بند کر دیا گیا تھا جن کی وجہ سے بڑے لوگ اشیاء صرف کی قیمتوں پر حاکم بن کر بیٹھ جائیں، گرانی غریبوں کی کمر توڑتی رہے، اور غریب عوام مصنوعی قحط کا شکار ہو کر رہ جائیں۔

پھر یہ نظام ایسا بھی نہیں ہے کہ سینہ بہ سینہ ہی چلا آیا ہو۔ اس کی تفصیلات پر ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ علم فقہ کی کتابوں کا ایک بڑا حصہ اسلام کے معاشی قوانین ہی پر مشتمل ہے اور بہت سے لوگوں نے ان احکام کو قانونی دفعات کی شکل میں بھی مدون کر دیا ہے، مگر اس کا علاج کس کے پاس ہے کہ ہم مسلمان خود اپنے دین کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے اپنے وقت اور توانائی کا ہزارواں حصہ بھی خرچ نہ کریں، کبھی قرآن، حدیث اور فقہ کو سنجیدگی کے ساتھ نہ پڑھیں، اور جب کوئی شخص ”اسلام کے معاشی نظام“ کا نام لے تو اس کے بارے میں یہ سمجھنا شروع کر دیں کہ یہ کوئی ایسی نئی اصطلاح ہے جس کا نہ کوئی مفہوم ہے اور نہ ماضی میں اس کا کوئی عملی وجود قائم ہوا ہے۔ یہی صورت حال ہے جس نے اس وقت یہ سوال کھڑا کیا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم دونوں کے مقابلے میں جس اسلامی نظام کو علماء دین سب سے بہتر کہتے ہیں وہ آخر ہے کیا؟

اس کا مکمل جواب تو یہی ہے کہ اسلامی فقہ کی کتابیں پڑھیں، ہر جز کی تفصیلات سامنے آجائیں گی، لیکن یہ معلوم ہے کہ فی الوقت یہ سوال کوئی خالص علمی حیثیت کا سوال نہیں جس کو فرصت کے اوقات میں حل کیا جاسکے، بلکہ یہ ملک کے ہنگامی حالات کا پیدا کیا ہوا سوال ہے جس کا مختصر جواب جلد سے جلد سامنے آ جانا چاہیے



چنانچہ ہم ذیل میں نمونے کے طور پر اسلام کے معاشی نظام کی چند بنیادی خصوصیات پیش کر رہے ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ اگر ہمارے ملک میں صحیح اسلامی نظام رائج ہو تو اپنی معیشت کے موجودہ ڈھانچے میں ہمیں کون سی بنیادی تبدیلیاں کرنی ہوں گی، تقسیم دولت کے موجودہ نظام پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اور ان کے ذریعہ عام خوشحالی کی فضا کیوں کر پیدا ہو سکے گی؟

اس وقت ہمارا سب سے بڑا معاشی مسئلہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے عوام کی سب سے اہم اور معقول شکایت یہ ہے کہ ملک کی معاشی ترقی سے چند گنے چنے خاندان نہال ہو رہے ہیں، اور عام آبادی فقر و افلاس کا شکار ہے، سرمایہ دارانہ نظام کی ستائی ہوئی دنیا کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے آج کل ”سوشلزم“ کا نسخہ پیش کیا جا رہا ہے، لیکن ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس صورت حال کا علاج سوشلزم کے پاس نہیں ہے۔ صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔

غور کیا جائے تو ہمارے معاشرے میں عام آدمی کی معاشی پریشانی کے بنیادی طور پر دو سبب ہیں۔ آمدنی کی کمی اور گرانی کی وجہ سے اخراجات کی زیادتی اور ان دونوں اسباب کی ذمہ داری ہماری معیشت کے اس سرمایہ دارانہ نظام پر عائد ہوتی ہے جس نے پوری قوم کی دولت کو چند ہاتھوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ اسلام کا نظام معیشت نافذ ہو تو مندرجہ ذیل اقدامات کے ذریعہ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ختم ہوتی چلی جائیں گی۔

① صنعتی اجارہ داریاں جو کارٹیل وغیرہ کی شکل میں رائج ہیں، ان سب کو ممنوع قرار دے کر آزاد مسابقت کی فضا پیدا کی جائے تاکہ ناجائز منافع خوری کا انسداد ہو سکے۔ اس وقت ان صنعتی اجارہ داریوں کی وجہ سے پورا بازار چند بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے اور وہی قیمتوں کے نظام کو اپنی طبعی رفتار سے ہٹا کر گرانی پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر یہ اجارہ داریاں ٹوٹ جائیں تو منافع کی جو



زائد مقدار سرمایہ داروں کے پاس جارہی ہے اس سے عوام مستفید ہو سکیں گے

۲) کلیدی صنعتیں مثلاً ریلوے، جہاز رانی جہاز سازی، فولاد سازی، تیل وغیرہ کی صنعتیں حکومت خود اپنی نگرانی میں قائم کرے اور ان میں صرف ان لوگوں کے حصص قبول کئے جائیں جن کی آمدنی ایک ہزار روپے ماہانہ سے کم ہو، یا جن کا بینک بیلنس پانچ ہزار روپے سے کم ہو اور اب تک اس قسم کی صنعتوں میں اس سے زائد آمدنی یا بینک بیلنس والے جن افراد کے حصص ہیں ان کے ساتھ سال کے ختم پر شرکت کا معاہدہ منسوخ کر دیا جائے۔

یہ طریقہ صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے سے کہیں زیادہ مفید ہوگا۔ اس لئے کہ صنعتوں کے قومی ملکیت میں چلے جانے سے صنعتیں غریبوں کی ملکیت میں نہیں آتیں بلکہ ان پر سرکاری افسروں کا تسلط قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے بجائے اس صورت میں غریب عوام براہ راست صنعتوں کے مالک ہوں گے اور ان پر نہ سرمایہ داروں کا تسلط ہوگا نہ حکومت کا۔

۳) ”سود“ ارتکاز دولت کا سب سے بڑا سبب ہے، قوم کے لاکھوں افراد کے مجتمع سرمایہ سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ اس سودی نظام کی وجہ سے سارا کا سارا ان چند سرمایہ داروں کی جیب میں چلا جاتا ہے جو بینک سے لاکھوں روپیہ قرض لے کر بڑی تجارتیں کرتے ہیں اور عوام کو نہایت معمولی سی رقم سود کی شکل میں ملتی ہے اور چونکہ سرمایہ دار نفع کی اتنی بھاری مقدار حاصل کر کے بازار کے حکمران بن جاتے ہیں، اور جب چاہتے ہیں مصنوعی قحط اور گرانی پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لئے یہ معمولی سی رقم بھی بالآخر مزید کچھ سود لے کر ان ہی سرمایہ داروں کے پاس پہنچ جاتی ہے مثلاً کراچی میں روئی کی لاکھوں گانٹھیں آتی ہیں، اور یہ ساری گانٹھیں صرف چند تاجر خریدتے ہیں جن کو بینک کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ اپنے روپے سے گانٹھوں کا کاروبار کرنے والا ایک بھی نہیں ہے۔



اسلامی نظام قائم ہو تو یہ ظالمانہ نظام ختم ہو کر بینکاری کا نظام سود کے بجائے شرکت اور مضاربیت کے اصولوں پر چلایا جائے گا۔ جس کے نتیجے میں بینک میں روپیہ جمع کرنے والے عوام بینک کے جمع شدہ سرمایہ کے نفع میں شریک ہوں گے اور اس سے دوطرفہ فائدے ہوں گے۔ ایک طرف بازار پر سے چند افراد کا تسلط ختم ہوگا اور اس سے ارزانی پیدا ہوگی، دوسری طرف منافع کے حصہ دار بہت زیادہ ہوں گے اور بڑی بڑی تجارتوں کا متناسب منافع بینکوں کے واسطے سے عوام تک پہنچے گا۔ اور دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائروں میں گردش کرے گی۔

بینکاری کے نظام کو سود کے بجائے شرکت اور مضاربیت کے اصولوں پر چلانے کی عملی شکل کیا ہوگی؟ اس کی تفصیلات متعدد علمی حلقوں کی طرف سے بار بار شائع ہو چکی ہیں اور بینکاری کے ماہرین نے انہیں قطعی طور پر قابل عمل اور زیادہ مفید قرار دیا ہے (اس نظام کا ایک خاکہ انشاء اللہ عنقریب الگ شائع کر دیا جائے گا)

۴۲ اشیاء کی گرائی اور سرمایہ کے ارتکاز کا دوسرا بڑا سبب ہمارے معاشرے میں سٹہ کی اندھی تجارت ہے، سٹہ کی مفصل خرابیاں بیان کرنے کے لئے تو ایک مستقل مقالہ چاہیے۔ ایک مختصر مثال یہ ہے کہ اس کاروبار کی وجہ سے مال کے ذخیرے ابھی بازار کے قریب بھی نہیں آنے پاتے کہ اس پر سینکڑوں سودے ہو جاتے ہیں، ایک تاجر مال کا آرڈر دے کر مال کی روانگی سے پہلے ہی اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ دوسرا تیسرے کے ہاتھ اور تیسرا چوتھے کے ہاتھ۔ یہاں تک کہ جس وقت مال بازار میں پہنچتا ہے تو وہ بعض اوقات خرید و فروخت کے سینکڑوں معاملات سے گزر چکا ہوتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بازار تک پہنچتے پہنچتے اس کے دام کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں، بیس روپے کی چیز پچاس ساٹھ روپیہ میں بکتی ہے۔ یہ سارا نفع سٹہ بازار لے اڑتے ہیں اور عوام کی جیب خالی ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسلامی نظام میں اس اندھے کاروبار کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام میں مال



کے قبضے سے پہلے اسے بیچنا ناجائز ہے لہذا اسلامی نظام قائم ہوا تو سٹہ کا یہ سارا کاروبار ممنوع ہو جائے گا جس سے اشیاء صرف لازمی طور پر سستی ہوں گی اور منافع کی وہ زائد مقدار جو اس اندھے کاروبار کی وجہ سے چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں کھیلتی ہے اس سے غریب عوام مستفید ہو سکیں گے۔

۵ ہمارے موجودہ نظام معیشت میں ارتکازِ دولت کا تیسرا سبب ”قمار“ ہے انشورنس کا پورا نظام اسی قمار پر قائم ہے، اس کے علاوہ گھوڑوں کی ریس، معمرہ بازیاں، انواع و اقسام کی لائٹریاں، کھیل تماشوں کے سیزن ٹکٹ، یہ سب قمار کی وہ ہلاکت آفریں اقسام ہیں جن کی زد سب سے زیادہ غریب عوام پر پڑتی ہے۔ اور ان کے ذریعہ غریب عوام کی کمائی کا ایک ایک روپیہ جمع ہو کر کسی ایک فرد پر ہن برسادیتا ہے اور باقی سب لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اسلامی حکومت میں قمار کی یہ تمام صورتیں ممنوع ہوں گی۔ اور عوام کو بے وقوف بنانے کے یہ دروازے بند ہو جائیں گے۔

انشورنس کے موجودہ نظام میں انشورنس کمپنیوں کے جمع شدہ سرمایہ سے سب سے زیادہ فائدہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو پہنچتا ہے جو آئے دن مختلف حادثات کے بہانے رقمیں وصول کرتے رہتے ہیں، غریبوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی نوبت بہت کم آتی ہے گویا اس طریقے سے بڑے بڑے سرمایہ دار اپنے جانی و مالی نقصانات کی ذمہ داری بھی ان غریب عوام پر ڈال دیتے ہیں جن کا نہ کبھی کوئی جہاز ڈوبتا ہے نہ ان کے کسی تجارتی مرکز کو آگ لگتی ہے اس طریقے کو بدل کر اسلامی حکومت ”امداد باہمی“ کی ایسی انجمنیں قائم کرے گی جو سود اور قمار سے خالی ہوں اور جن سے غریب عوام زیادہ بہتر طریقے سے مستفید ہو سکیں گے (اس کی عملی اسکیمیں بھی علماء کی طرف سے شائع کی جا چکی ہیں اور انشاء اللہ عنقریب انہیں الگ منظر عام پر لایا جائے گا)



۶ ناجائز ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری پر بدنی تعزیرات مقرر کی جائیں گی اور ذخیرہ اندوزوں کو اپنے ذخائر بازار میں لانے پر مجبور کیا جائے گا۔

۷ لائسنس اور پرمٹ کا مروجہ طریقہ بھی تجارتی اجارہ داریوں کے قیام میں بہت بڑا معاون ہوتا ہے، آج کل ہو یہ رہا ہے کہ صرف بڑے سرمایہ داروں کو سیاسی رشوت کے اور خویش پروری کے طور پر بڑے بڑے لائسنس دے دیئے جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں صنعت و تجارت پر ان کی خود غرضانہ اجارہ داری قائم ہو جاتی ہے اس سے ایک طرف تو گرانی بڑھتی ہے، دوسری طرف تھوڑے سرمایہ داروں کے لئے بازار میں آنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اگر تجارت کو اس ظالمانہ طریق کار سے آزاد کر دیا جائے تو اشیائے صرف خود بخود دستی ہو جائیں گی اور ایک عام آدمی بھی معمولی سرمایہ کے ذریعہ تجارت و صنعت میں داخل ہو سکے گا۔ اور آج کا مزدور کل کارخانہ دار بن سکے گا۔

۸ موجودہ نظام میں تنخواہوں کا معیار نہایت غیر منصفانہ اور مختلف درجات کا باہمی تفاوت بہت زیادہ ہے۔ اس تفاوت کو کم کر کے اونچے درجات کی تنخواہیں کم اور نچلے درجات میں زیادہ ہوں گی۔ پنشن کی شرح بھی اونچے درجات میں کم اور نچلے درجات میں زیادہ ہوگی۔

۹ ہمارے یہاں مزدوروں کی اجرت کی سطح بہت پست ہے، ایک اندازے کے مطابق مغربی پاکستان میں پانچ افراد پر مشتمل ایک اوسط درجے کے خاندان کا کم از کم خرچ دو سو بیس روپیہ ہے اور مشرقی پاکستان میں دو سو ساٹھ روپیہ لیکن اجرتوں کا معیار اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ پست ہے، پاکستان کے مختلف علاقوں اور مختلف صنعتوں میں کم از کم تنخواہ بہتر روپے سے لے کر ایک سو سترہ روپے تک رہی ہے اور نئی لیبر پالیسی میں زائد سے زائد مقدار ایک سو چالیس روپے مقرر کی گئی ہے، لیکن بڑھتی ہوئی گرانی کے اس دور میں یہ تنخواہ بھی ناقابل اطمینان ہے، اور اس میں



حقیقت پسندانہ اضافے کی ضرورت ہے، اسلامی حکومت کو اختیار ہے کہ وہ اجرتوں کی ایسی کم از کم شرح متعین کر دے جو مزدور کی محنت کا مناسب صلہ بھی ہو اور صنعتی نظام کے لئے قابل عمل بھی، اس کے تعین کے لئے مزدوروں، آجروں اور حکومت کے مساوی نمائندگان پر مشتمل اجرت بورڈ ہونا چاہیے جو بدلتے ہوئے حالات میں اجرتیں تبدیل کرنے کا مجاز ہو کم از کم شرح متعین کرنے کے بعد اجرتوں کی مزید مقدار مزدوروں کی قوت معاملہ (BARGAINING POWER) پر چھوڑ دی جائے۔

۱۰ آجروں کے ساتھ مزدوروں کے معاملے میں یہ شرط بھی حکومت کی طرف سے عائد کی جاسکتی ہے کہ وہ نقد اجرت کے علاوہ مزدوروں کو کسی خاص کارکردگی پر یا خاص مدت میں، یا اوور ٹائم کی مخصوص مقدار کے معاوضے کے طور پر ان کو نقد بونس دینے کے بجائے کسی مخصوص کارخانے کے شیئرز مالکانہ حیثیت میں دے دے۔ اس طرح مزدور کارخانوں میں حصہ دار بھی بن سکیں گے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ مزدوروں کی اجرت میں یہ اضافہ اسی صورت میں نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے جب کہ صنعتی اجارہ داریوں کو توڑنے کے ساتھ ساتھ وہ اقدامات بھی کئے جائیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ ورنہ اجرتوں کی زیادتی سے قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ اور سرمایہ دار جو رقم ایک جانب سے مزدور کو دے گا وہ دوسری طرف سے وصول کر لے گا اور مزدور کی مشکلات حل نہ ہو سکیں گی۔

۱۱ مزدوروں کی اجرت کی طرح اسلامی حکومت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کسانوں کے لئے بٹائی کی ایسی کم از کم شرح متعین کر دے جو کسانوں کی محنت کا مناسب صلہ بھی ہو اور ان کی ضروریات زندگی کی معقول کفالت بھی کر سکے۔ اس غرض کے لئے بھی ایک بورڈ قائم کرنا چاہیے جس میں کسانوں، زمینداروں اور حکومت کو مساوی نمائندگی حاصل ہو۔

۱۲ مزارعت (بٹائی) کے معاملات میں جو ظلم و ستم زمینداروں کی طرف



سے کسانوں پر ہوتے ہیں، ان کی اصل وجہ مزارعت (بٹائی) کا جواز نہیں، بلکہ وہ فاسد شرطیں ہیں جو زمیندار کسانوں کی بیچارگی سے فائدہ اٹھا کر ان پر قوی یا عملی طور سے عائد کر دیتے ہیں، اور جو اسلام کی رو سے قطعاً ناجائز اور حرام ہیں اور ان میں سے بہت سی بیگار کے حکم میں آتی ہیں۔ ایسی تمام شرائط کو، خواہ وہ زبانی طے کی جاتی ہوں یا رسم و رواج کے ذریعہ ان پر عمل چلا آتا ہو، قانوناً ممنوع قرار دے دیا جائے تو مزارعت کا معاملہ کسانوں کے حق میں بالکل بے ضرر ہو جائے گا۔

۱۳ مزارعت کے معاملے میں جس ظالمانہ رسم و رواج نے جڑ پکڑ لی اور جس کی وجہ سے کسانوں پر ناجائز شرطیں عائد کی جاتی ہیں اگر اس پر فوری طور سے قابو پانا ممکن نہ ہو تو اسلامی حکومت کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ ایک عبوری دور کے لئے یہ اعلان کر دے کہ اب زمینیں بٹائی کے بجائے ٹھیکہ پردی جائیں، یا یہ طریقہ تجویز کر دے کہ کاشتکار بٹائی کے بجائے مقررہ اجرت پر زمیندار کے لئے بحیثیت مزدور کام کریں گے۔ اس اجرت کا تعین بھی حکومت کر سکتی ہے اور بڑے بڑے جاگیرداروں پر یہ شرط بھی عائد کر سکتی ہے کہ وہ ایک عبوری دور تک زمین کا کچھ حصہ سالانہ اجرت کے طور پر مزدور کاشتکاروں کو دیں گے۔

۱۴ احیاء موات کے شرعی قوانین نافذ کئے جائیں، یعنی جو کاشتکار غیر مملوکہ غیر آباد بنجر زمینوں کو خود آباد کریں۔ ان کو ان زمینوں پر مالکانہ حقوق دیئے جائیں۔

۱۵ زمینوں کے رہن کے جتنے سودی طریقے رائج ہیں، ان سب کو یکسر ممنوع قرار دیا جائے گا۔ اور جو زمینیں اس وقت ناجائز طریقوں سے زیر بار ہیں، ان سب کو چھڑا کر ان کے غریب اور مستحق مالکوں کی طرف لوٹایا جائے اس عرصے میں قرض خواہوں نے رہن زمین سے جو نفع اٹھایا ہے اس کا کرایہ ان کے ذمہ واجب ہے، اس کرائے کو قرض میں محسوب کیا جائے، اور اگر کرائے کی رقم قرض سے زیادہ ہو تو وہ



وصول کر کے قرض دار کو دلوائی جائے۔

۱۶ ہمارے یہاں بڑی بڑی جاگیروں کے ارتکاز کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سی زمینوں میں سالہا سال سے وراثت جاری نہیں ہوئی، اسلامی حکومت ایسی زمینوں کی تحقیق کے لئے بھی ایک بورڈ قائم کرے جو ایسی زمینوں کو ان کے شرعی مستحقین میں تقسیم کرے۔ اگر اسلام کا قانون وراثت صحیح طریقے سے جاری ہو تو ایک ہاتھ میں بڑی بڑی جاگیریں جمع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۷ انتقال جائیداد کے طریقوں کو سہل بنایا جائے۔ اور زمینوں کی آزادانہ خرید و فروخت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۱۸ کاشتکاروں کے لئے حکومت کی طرف سے غیر سودی قرضوں کا انتظام کیا جائے۔

۱۹ کاشتکاروں کے لئے آسان قسطوں پر زرعی آلات مہیا کئے جائیں اور زراعت کی بہتر تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے۔

۲۰ زرعی امداد باہمی کی تحریک میں ایسی باہمی کاشت کے طریقے کو فروغ دیا جائے جس میں کھاد، بیج اور آلات کی فراہمی انجمن کے ماتحت ہو۔

۲۱ ہمارے معاشرے میں زرعی پیداوار کی فروخت اتنے واسطوں سے ہو کر گذرتی ہے کہ ہر درمیانی مرحلے پر قیمت کا حصہ تقسیم ہوتا چلا جاتا ہے، آڑھتیوں، دلالوں اور اس طرح کے دوسرے درمیانی اشخاص (MIDDLE MEN) کی بہتات سے دو طرفہ نقصان ہوتے ہیں، ایک طرف کاشتکاروں کو پیداوار کا مناسب معاوضہ نہیں مل پاتا اور دوسری طرف بازار میں گرانی پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے احادیث کی رو سے اسلام میں دیہی کاشتکار اور شہری خوردہ فروش کے درمیانی واسطوں کو پسند نہیں کیا گیا۔ اسلامی نظام میں موجودہ طریقے کو بدل کر یا تو ایسے منظم بازار (ORGANISED

MARKETS) کافی تعداد میں قائم کئے جائیں جن میں دیہی کاشتکار خود بلا واسطہ



پیداوار کو فروخت کر سکیں۔ یا پھر فروخت پیداوار کا کام لینے کے لئے آڑھتیوں اور دلالوں سے کام لینے کے بجائے امداد باہمی کی ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جو خود کاشتکاروں پر مشتمل ہوں اور یہ انجمنیں پیداوار کو فروخت کریں، تاکہ قیمت کا جو بڑا حصہ درمیانی اشخاص کے پاس چلا جاتا ہے اس سے کاشت کار اور عام صارفین فائدہ اٹھا سکیں۔

۲۲ ”نفقات“ کے بارے میں اسلامی قانون کو تمام وکمال نافذ کیا جائے اور بیوی بچوں کے علاوہ جن خاص خاص رشتہ داروں کی معاشی کفالت اسلام نے خاندن کے کشادہ دست افراد پر ڈالی ہے اس کو قانونی شکل دے کر یتیموں، بیواؤں، بیماروں اور اپاہجوں کے معاش کا بندوبست کیا جائے۔

۲۳ زکوٰۃ کی نگرانی کے لئے مستقل محکمہ قائم کیا جائے جو مندرجہ ذیل کام کرے۔

(الف) قیام پاکستان سے لے کر اب تک جن سرمایہ داروں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے، ان سے زکوٰۃ وصول کر کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا انتظام کرے۔

(ب) ہر سال موبیشیوں کی زکوٰۃ وصول کر کے اسے غریبوں میں تقسیم کرے۔

(ج) سونے چاندی کی سالانہ زکوٰۃ مالکان خود ادا کریں گے۔ لیکن یہ محکمہ اس بات کی نگرانی کرے کہ انہوں نے زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں؟

۲۴ ملک کے پر باشندے کے لئے روزگار فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے اور کوشش کے باوجود جو افراد بے روزگار رہ جائیں ان کے لئے روزگار کی فراہمی تک ”بیروزگاری الاؤنس“ جاری کئے جائیں۔

۲۵ حکومت کی طرف سے ایک ”فلاحی فنڈ“ قائم کیا جائے، اور اس فنڈ کے لئے سالانہ بجٹ میں مستقل رقم رکھی جائے اور عام چندوں کے ذریعہ بھی اس رقم میں اضافہ کیا جائے۔ اس فنڈ کے ذریعہ بھاری صنعتیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں تاکہ اس رقم



کے ذریعہ ملکی صنعت کو فروغ بھی ہو اور ان کے منافع سے ”فنڈ“ میں اضافہ بھی ہوتا رہے۔ اس فنڈ کے ذریعہ عام غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی رہائش کا معیار بلند کرنے کے لئے آسان قسطوں پر متوسط درجے کے مکانات تعمیر کئے جائیں، کثیر تعداد میں مفت شفا خانے قائم کئے جائیں، بتدریج میٹرک تک کی تعلیم مفت کی جائے اور عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسرے اقدامات کئے جائیں۔

۳۶ کسی قوم کی معاشی حالت محض پیسوں کی کثرت سے نہیں سدھر سکتی جب تک وہ بے ہودہ مخرب اخلاق چیزوں میں پیسہ خرچ کرنے سے اور ضرورت کے کاموں میں اسراف بچا سے پرہیز نہ کرے، ”اسراف“ یوں تو انفرادی ملکیتوں میں بھی حرام اور ناجائز ہے لیکن جو رقم کسی شخص کی انفرادی ملکیت نہ ہو بلکہ قومی ملکیت ہو اس میں فضول خرچی کی حرمت اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ فضول خرچی قومی خزانے میں ہوتی ہے۔ ہر سال خزانے کا بلا مبالغہ کروڑوں روپیہ شاہانہ تقریبات، سرکاری دوروں، عمارتوں کے سامان تعینش اور زینت و آرائش کے بہانے قطعاً بے فائدہ اور فضول خرچ ہوتا ہے، ان اخراجات کو قطعاً طور پر بند کرنا تو ممکن نہیں، لیکن ان مقاصد کے لئے جس بے دردی کے ساتھ قومی روپیہ بہایا جاتا ہے اس کا کوئی شرعی عقلی اور معاشی جواز نہیں ہے، بسا اوقات ایک ایک دعوت پر ایک ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا گیا ہے اور اگر حساب لگایا جائے تو قیام پاکستان کے بعد سے اب تک یقیناً اربوں روپیہ ان فضول خرچیوں میں صرف ہوا ہے۔ اسلامی نظام میں قومی دولت کے اس ضیاع کی کوئی گنجائش نہیں، لہذا تقریبات اور سرکاری دوروں کے لئے اخراجات کی ایک مناسب حد مقرر کر کے اس کی سختی کے ساتھ پابندی کرائی جائے۔ اور اس طرح جو خطیر قمییں بچیں انہیں ”فلاحی فنڈ“ میں داخل کیا جائے۔

۳۷ قومی دولت کی ایک بہت بڑی مقدار آج کل ان مقاصد پر صرف ہو رہی



ہے جو شرعی طور پر حرام اور ناجائز ہیں، مثلاً شراب، فلموں اور دوسری حرام اشیاء کی درآمد پر کروڑوں روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے، زر مبادلہ کے اس زبردست نقصان کو بالکل بند کیا جائے اور اس خطیر رقم کو عوامی فلاح کے کاموں میں صرف کیا جائے غیر مسلموں کو شراب استعمال کرنے کی اجازت ہوگی لیکن درآمد کرنے کی نہیں۔

۲۸ خاندانی منصوبہ بندی کی خالص احمقانہ تحریک نے بھی ہماری معیشت کو نقصان پہنچایا ہے، تیسرے پنجسالہ منصوبے میں اس تحریک کے فروغ کے لئے ۲۸۴ ملین روپیہ کی رقم مخصوص کی گئی ہے۔ (جب کہ سماجی بہبود کے لئے مخصوص کی جانے والی رقم کل ۱۲۵ ملین ہے) یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی شرعی عقلی، سماجی، معاشی غرض ہر اعتبار سے پاکستانی عوام کے لئے ناقابل قبول ہے۔ اس صورت میں قومی دولت اتنا بڑا حصہ اس پر صرف کرنے کی بجائے زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کی پیداواری بڑھانے پر صرف کیا جائے۔

انتظامیہ کی اصلاح:- قانون اور رواج میں مذکورہ بالا اصلاحات کے علاوہ ہمیں اپنے انتظامی ڈھانچے میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے معاشرے میں استحصال کا ایک بڑا سبب انتظامی خرابیاں بھی ہیں۔ بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں ہمارا قانون بالکل درست ہے۔ اور اگر اس پر عمل ہو تو ان خاص معاملات میں انصاف حاصل ہو سکتا ہے، لیکن ہماری انتظامی مشینری اس قدر ناقص، ازکار رفته، سست اور ڈھیلی ڈھالی ہے کہ قانون صرف کتابوں کی زینت ہو کر رہ گیا ہے۔ اور عملی زندگی میں اس کا کوئی وجود نظر نہیں آتا، ظاہر ہے کہ اگر انتظامیہ کی صورت حال یہ ہو تو ملک کا قانون کتنا ہی بے داغ کیوں نہ ہو، اس کے اچھے نتائج سامنے نہیں آسکتے۔ لہذا معاشرے کی اصلاح کے لئے انتظامیہ کو ایمان دار، مضبوط، فعال اور قابو یافتہ بنانا قانون کے موثر ہونے کے لئے بے انتہا ضروری ہے۔

ہمارے موجودہ انتظامی ڈھانچے میں کیا کیا خرابیاں ہیں؟ اور انہیں کس طرح



دور کیا جاسکتا ہے یہ باتیں مکمل طور سے تو انتظام (ADMINISTRATION) کے ماہرین ہی بتا سکتے ہیں، اور قوم کی تعمیر نو کے وقت ان ہی کی خدمات سے انتظامیہ کی اصلاح کی جاسکے گی۔ لیکن ہم یہاں چند سامنے کی مثالیں پیش کرتے ہیں، جن سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ نظم و ضبط کی ابتری کس بری طرح ہمارے عوام کے لئے معاشی انصاف کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

① ”رشوت“ ایک ایسا جرم ہے جو شاید کسی بھی نظام حیات میں جائز نہ ہو، ہمارا قانون بھی اسے ناجائز قرار دیتا ہے لیکن ملک کی جیتی جاگتی زندگی میں آکر دیکھئے تو وہی رشوت جسے قانون میں بدترین جرم کہا گیا ہے، نہایت آزادی کے ساتھ لی اور دی جا رہی ہے۔ ایک معمولی کانسٹیبل سے لے کر اونچے درجے کے افسران تک سب اسے شیر مادر سمجھے ہوئے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس کی جیب گرم ہو وہ سینکڑوں جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود بڑی ڈھٹائی کے ساتھ دندناتا پھرتا ہے اور جس کی جیب خالی ہو وہ سو فیصد معصوم اور برحق ہونے کے باوجود انصاف کو ترس ترس کر جان دے دیتا ہے، اس صورت حال کو مضبوط اور ایمان دار انتظامیہ ہی ختم کر سکتی ہے، اگر اونچے درجے کے رشوت خور افسروں کو چند بار علی الاعلان عبرت ناک جسمانی سزائیں دی جائیں اور آئندہ رشوت کے لئے کچھ اور سخت سزائیں مقرر کر دی جائیں تو رفتہ رفتہ یہ لعنت مٹ سکتی ہے۔

② ہمارا عدالتی نظام اس قدر فرسودہ، پیچیدہ، دشوار گزار اور تکلیف دہ ہے کہ ایک غریب آدمی کے لئے ظلم پر صبر کر لینا دادرسی کی بہ نسبت آسان ہے۔ اس کے لئے یوں تو پورے عدالتی اور اس کی دیوانی و فوجداری ضابطوں کی تشکیل نو ضروری ہے لیکن خاص طور سے مندرجہ ذیل اقدامات فوری طور پر ضروری ہوں گے۔

(الف) صنعتی تنازعات کے تصفیہ کے لئے سرسری عدالتیں قائم کی جائیں جن تک پہنچنا مزدوروں کی براہ راست دسترس میں ہو اور جن کا طریق کار آسان ہو۔



(ب) زمینداروں اور کاشت کاروں کے تعلقات کی نگرانی اور کاشت کاروں کو ناجائز شرائط کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے بھی سرسری عدالتیں قائم کی جائیں۔  
(ج) عورتوں پر ہونے والے مظالم کی دادرسی کے لئے گشتی عدالتیں قائم کی جائیں جو سرسری طور پر مقدمات فیصل کریں۔

۳۳ مزدوروں کی صحت، حادثات سے تحفظ غیر معمولی محنت سے بچاؤ اور تنخواہوں کے معیار وغیرہ سے متعلق فیکٹریز ایکٹ اور دوسرے لیبر قوانین میں کافی احکام موجود ہیں لیکن کارخانوں کی عملی تحقیق کیجئے تو ان قوانین کا کوئی اثر وہاں مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔ فیکٹریز ایکٹ کے تحت کارخانوں میں ہوا، روشنی، صفائی، موسمی اثرات سے حفاظت اور دوسرے حفاظتی انتظامات ضروری قرار دیئے گئے ہیں اور ان کی نگرانی کے لئے فیکٹری انسپکٹر بھی مقرر کیا گیا ہے، لیکن عملاً ہو یہ رہا ہے کہ متعلقہ فیکٹری انسپکٹر کا ماہانہ ”وظیفہ“ کارخانوں کی طرف سے مقرر ہو جاتا ہے، چنانچہ انسپکٹر سال بھر میں چند برائے نام چالان کر کے اپنی کارکردگی دکھا دیتا ہے اور چند سو روپے جرمانے کے طور پر سرکاری خزانے کو پہنچ جاتے ہیں، رہا بیچارہ مزدور، سوا سکو فیکٹری ایکٹ کی کسی دفعہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، جن مقامات پر وہ کام کرتا ہے، وہ جاڑوں میں سخت ٹھنڈے اور گرمیوں میں نہایت گرم ہوتے ہیں، طعام خانے میں انتہائی مضر صحت اشیاء فروخت ہوتی ہیں، بیت الخلاء اس قدر گندے اور ناکافی ہوتے ہیں کہ فیکٹریز ایکٹ دیکھتا رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر انتظامیہ ایسی ہی چست اور دیانت دار ہو تو کوئی بہتر سے بہتر قانون بھی کارگر نہیں ہو سکتا۔

۳۴ ”سرخ فیتے“ کی مصیبت ہمارے ملک میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، اور اس سے ہر وہ شخص آگاہ ہے جسے اپنی کسی ضرورت کے تحت دفتری کاموں سے سابقہ پڑا ہو، اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ جو شخص وسائل و اسباب اور تعلقات نہ رکھتا ہو وہ اپنے جائز حقوق آسانی سے حاصل نہیں کر سکتا اور دوسرا نقص یہ ہے کہ ایک ہی



نوعیت کے کاموں کے لئے محکموں اور اداروں کا ایک طویل سلسلہ قائم ہے اور ان میں سے ہر ایک محکمے پر قومی دولت کا مستقل حصہ صرف ہو رہا ہے، لیکن ہر محکمے میں فائلوں کے انبار لگے پڑے ہیں اور کام نمٹنے میں نہیں آتا۔

انتظامیہ کی ابتری کی چند مثالیں صرف یہ واضح کرنے کے لئے دی گئی ہیں کہ نظم و ضبط کے فقدان کا براہ راست اثر عوام کی معیشت پر پڑ رہا ہے، اور قانون کی اصلاح کے ساتھ ساتھ جب تک انتظامیہ کو مستحکم اور فعال نہیں بنایا جائے گا۔ عوام کی مشکلات دور نہیں ہو سکتیں،

سادہ معاشرت کا رواج:۔ معاش کے سلسلے میں عوام کی پریشانیوں کا تیسرا اہم سبب وہ مغربی معاشرت ہے جو ہم نے خواہ مخواہ اپنے اوپر مسلط کر رکھی ہے، اسلام ہمیں سادہ طرز زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے اور اگر ہمارے ملک پر آسمان سے ہن بھی برسے لگے تب بھی ہمیں تکلف اور تعیش کی زندگی سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر اسلامی نظام قائم ہو تو ہمیں اپنی معاشرت میں مندرجہ ذیل اصلاحات کرنی ہوں گی۔

① رہن سہن کے پر تکلف، عیش پرستانہ اور مہنگے طریقے یکسر چھوڑ دینے ہوں گے جو ہم نے مغرب سے درآمد کئے ہیں، اور جن کی وجہ سے عوام اقتصادی بد حالی کا شکار ہیں۔ اس وقت ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم اپنے لباس اپنی وضع قطع، اپنے طرز رہائش، اپنی تقریبات غرض معاشرت کے ہر شعبے میں مغرب کی اندھی تقلید کر رہے ہیں اور اس احمقانہ تقلید کو تہذیب کی علامت سمجھے ہوئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ معاشرے میں ایک شخص اس وقت تک مہذب نہیں کہلا سکتا جب تک وہ دوڑھائی سو روپے کا اپ ٹوڈیٹ سوٹ نہ پہنے ہوئے ہو، اس کے پاس جدید ترین آسائشوں والا بنگلہ نہ ہو، اس کے ڈرائنگ روم میں قیمتی فرنیچر نہ ہو اور اس گھر میں ریفریجریٹر اور ٹیلی ویژن نہ لگا ہوا، ہو ظاہر ہے کہ جب یہ چیزیں تہذیب کی شرط



لازم قرار پاگئی ہیں تو لوگوں کا شب و روز ان کے حصول میں کوشاں رہنا قدرتی امر ہے چنانچہ اس معاملے میں ہر شخص دوسرے سے آگے نکل جانے کی فکر میں ہے، اس غرض کے لئے جب محدود آمدنی کافی نہیں ہوتی تو رشوت، چور بازاری، اسمگلنگ اور دوسرے ناجائز طریقوں سے کام لیتا ہے۔

اس صورت حال کو بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے حکام، وزراء، سیاسی رہنما اور سماجی کارکن سادہ طرز معیشت اختیار کرنے کی ملک گیر تحریک چلائیں، اور اس کی ابتداء اپنے آپ سے کریں اس لئے کہ جب تک ہمارے اعلیٰ حکام دولت مند افراد اور سیاسی رہنما اپنے لباس، اپنی نشست برخاست، اپنی تقریبات، اپنے طرز رہائش اور اپنی عام زندگی میں سادگی کو نہیں اپنائیں گے، عوام تکلفات کی اس مصنوعی زندگی سے نجات نہیں پاسکیں گے جو ان کی معاشی بد حالی کا بڑا سبب ہے اور جس کا نتیجہ پاکستان جیسے غریب ملک کے لئے معاشی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

۲ سامانِ تعیش کی درآمد بالکل بند کر دی جائے اور تمام اشیائے صرف میں ملک کی اپنی پیداوار کو فروغ دیا جائے۔

۳ جو اشیائے صرف ایسی ہیں کہ وہ پاکستان میں متوسط یا اعلیٰ معیار کی پیدا ہونے لگی ہیں (مثلاً کپڑا) ان کی درآمد پر بھی پابندی عائد کر دی جائے تو عوام میں سادگی کو فروغ دینے میں بھی مدد ملے گی اور زر مبادلہ میں بھی کفایت ہوگی۔

۴ شادی بیاہ اور تقریبات وغیرہ پر اخراجات کی ایک مناسب حد مقرر کر دی جائے جس سے زائد خرچ کرنا قانوناً جرم ہو۔

۵ بعض صنعتیں اور کاروبار ایسے ہیں کہ وہ ہمارے معاشرے پر بری طرح چھائے ہوئے ہیں، اور آج ان کو بند کرنے کا قصور بڑا نا مانوس معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے لوگ ان کی برائی کو جاننے بوجھنے کے باوجود انہیں بند کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے جھکنے لگے ہیں، لیکن اگر اپنے مسائل کو حقیقت پسندی کے ساتھ حل کرنا ہے تو



ہمیں اس جھجک کو ختم کر کے کچھ جرأت مندانہ اقدامات کرنے ہوں گے، خواہ وہ کتنے ہی نامانوس اور اجنبی کیوں نہ معلوم ہوں۔ مثلاً فلم انڈسٹر اور ٹیلی ویژن ایسے ادارے ہیں جنہوں نے قوم کو اخلاقی تباہی کی آخری حدود تک پہنچا دیا ہے، جو شخص بھی حقیقت پسندی کے ساتھ حالات کا جائزہ لیگا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ اس صنعت نے قوم کو نقصان ہی نقصان پہنچایا ہے۔ جس قوم کی نوے فیصد آبادی فقر و افلاس کا شکار، تعلیم و تربیت سے محروم اور فن و تکنیک میں پسماندہ ہو، اس کے لئے آخر کیسے جائز ہے کہ وہ اپنا کروڑوں روپیہ سالانہ ان کھیل تماشوں پر صرف کر دے جو صحت، اخلاق اور ذہنی پاکیزگی کے لئے سم قاتل ثابت ہو رہے ہیں اور جو مالی انسانی وسائل اس وقت اس قسم کی چیزوں پر لگے ہوئے ہیں انہیں موجودہ حالت پر برقرار رکھنا گھر پھونک تماشا دیکھنے کے مترادف ہے۔ اگر انہیں کسی ایسی صنعت پر لگایا جائے جو قوم کے لئے بنیادی اہمیت رکھتی ہو تو ہمیں معاشی ترقی میں بڑی مدد مل سکتی ہے، اسلام صحت مند تفریح کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہے، لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ تفریح کے لئے وہی راستہ اختیار کیا جائے جس کا حاصل صحت، اخلاق اور پیسہ کی بربادی کے سوا کچھ نہ ہو۔ ایسی مفید اور صحت مند تفریحات کو فروغ کیوں نہ دیا جائے جو ہمارے لئے مفید ہوں یا کم از کم مضر نہ ہوں؟

⑥ ہمارے معاشرے میں پیشے کی بنیاد پر جو سماجی طبقات پائے جاتے ہیں اور جس طرح انہیں عزت و ذلت کا معیار سمجھ لیا گیا ہے وہ بھی سراسر غیر اسلامی تصور ہے جو ہم نے غیر مسلموں سے لیا ہے۔ یہ چیز اسلام کی معاشرتی مساوات کے تو قطعی خلاف ہے ہی، اس کا معاشی نقصان بھی یہ ہے کہ یہ سماجی تقسیم محنت کی آزاد نقل پذیری (MOBILITY) میں زبردست رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ محنت کی آزاد نقل پذیری کے بغیر متوازن معیشت کا قیام مشکل ہے۔ اس صورت حال کی اصلاح نظام تعلیم و تربیت، نشر و اشاعت کے ذرائع اور سماجی تحریکات کے ذریعہ کی



جاسکتی ہے۔

④ ملازموں، مزدوروں اور کسانوں کا سماجی رتبہ (SOCIAL STATUS) بلند کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے مزدور اور آجر ایک ہی برادری کے دو فرد ہیں جو اپنے سماجی مرتبے کے لحاظ سے بالکل برابر ہیں۔ لہذا اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ آجر اپنے عام رویہ میں مزدور کو کمتر سمجھے اور اس کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک کرے۔ معاہدے کی خلاف ورزی پر دونوں کو ایک دوسرے کا قانونی محاسبہ کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ مزدور تو آجر کے ساتھ تعظیم کا معاملہ کرنے پر مجبور ہو اور وہ اس کے ساتھ تحقیر و توہین کا معاملہ کرے۔ اس صورت حال کی اصلاح کے لئے بھی نظام تعلیم اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع سے کام لے کر لوگوں کے ذہنوں کی از سر نو تعمیر کی ضرورت ہے، اس کے علاوہ ایسے قانونی احکام بھی نافذ کئے جائیں جن کی رو سے ملازمین کے ساتھ اہانت آمیز رویہ اختیار کرنا قابل تعزیر جرم ہو۔ اس سے جہاں معاشرے کی ذہنی اور اخلاقی بیماریوں کی اصلاح ہوگی وہاں سادہ طرز معیشت کے قیام میں بھی بڑی مدد ملے گی۔

آخر میں ہمیں ایک بنیادی نکتے کی طرف توجہ دلانی ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ ظلم و استحصاں درحقیقت اس بیمار ذہن کی پیداوار ہوتا ہے جو خدا کے خوف، آخرت کی فکر اور انسانی اخلاق سے بے نیاز ہو لہذا ہماری معیشت میں جو بدعنوانیاں پائی جاتی ہیں ان کا اصل سبب خود غرضی، سنگدلی، کنجوسی اور مفاد پرستی کی وہ انسانیت سوز صفات ہیں جو ہمیں مغرب کی مادہ پرست ذہنیت سے ورثے میں ملی ہیں، اور ہماری زندگی کے ہر شعبے پر چھا چکی ہیں۔ اگر اسلام کا نظام حیات قائم ہو تو چونکہ اس کی بنیاد ہی خدا کے خوف اور آخرت کی فکر پر ہے لہذا یہ ضروری ہوگا کہ قانون کے ساتھ ساتھ قلب اور ذہن کی اصلاح کی طرف



پوری توجہ کی جائے۔ تعلیم و تربیت اور نشر و اشاعت کے تمام وسائل کو کام میں لا کر ان اسلامی تعلیمات کو ایک تحریک کی شکل میں پھیلایا جائے جو دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کریں، جن کے ذریعے باہمی اخوت اور ایثار و ہمدردی کے جذبات پروان چڑھیں اور جن سے ایسے ذہن تیار ہو سکیں جو اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی فلاح کو دنیا کی ہر مادی منفعت پر فوقیت دیتے ہوں۔

دنیا کا تجربہ اس بات کا گواہ ہے کہ نرا قانون کا ڈنڈا کبھی کسی قوم کی اصلاح نہیں کر سکا، اور جب تک قانون کی پشت پر ایک مضبوط روحانی عقیدہ نہ ہو، ظلم و استحصال کو روکا نہیں جاسکتا۔ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں ایثار و مروت، انفاق فی سبیل اللہ اور سخاوت و استغنا کے جو فقید المثال واقعات ملتے ہیں ان کا بنیادی سبب یہی خدا کا خوف اور آخرت کی فکر تھی جو قوم کے ہر فرد کے رگ و پے میں سما گئی تھی، اگر آج پھر اس جذبے اور عقیدے کو نئی زندگی دی جائے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا دور آج بھی لوٹ سکتا ہے۔

قلب و روح اور ذہن و دماغ کا یہ انقلاب بعض لوگوں کو مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر حکومت اس انقلاب کو اپنا واقعی نصب العین بنا کر صحیح خطوط پر کام کرے تو ہم دعوے کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ چند ہی سال میں ہمارے معاشرے کی کاپیا پلٹ جائے گی۔ ہم موجودہ حالات میں خواہ کتنے برے سہی لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ الحمد للہ ہمارے دلوں میں ابھی ایمان کی ایک دبی ہوئی چنگاری موجود ہے۔ اور اگر کوئی اس چنگاری کو ہوا دینے والا مل جائے تو یہ آن کی آن میں بھڑک کر شعلہ بن سکتی ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ پاکستان کی بائیس سالہ تاریخ میں اسی قوم نے دو مرتبہ بڑا حسین اور قابل فخر کردار پیش کیا ہے، ایک قیام پاکستان کے وقت ۱۹۴۷ء کے موقع پر اور دوسرے ستمبر ۱۹۶۵ء کے



جہاد کے وقت، ان دونوں مواقع پر اسی گئی گزری قوم کا ایسا حسین رخ نکھر کر سامنے آیا ہے کہ دنیا حیران رہ گئی۔ جس قوم نے ۷۴ء اور ۶۵ء میں شجاعت و جوانمیری، نظم و ضبط، فرض شناسی، ایثار و ہمدردی اور سخاوت و فیاضی کا یہ حیرت انگیز مظاہرہ پیش کیا تھا، کیا یہ وہی قوم نہیں تھی جس کی کام چوری، خود غرضی، بدنظمی اور بخل و مفاد پرستی کا آج رونا رویا جا رہا ہے؟ جب یہ وہی قوم ہے تو سوچنے کی بات ہے کہ اس وقت اس میں اتنا بڑا انقلاب کیوں کر رونما ہو گیا تھا؟

اس سوال پر جتنا بھی غور کیجئے، اس کا صرف ایک جواب ہے کہ درحقیقت ان مواقع پر قوم کے رہنماؤں نے سچے دل سے ایمان کی دہی ہوئی چنگاری کو ہوا دی تھی اور قوم کو یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ اسے اسلام کے صرف نام پر نہیں بلکہ اس کے حقیقی کام پر دعوت دی جا رہی ہے۔ اس اطمینان نے قوم میں اپنا سب کچھ لٹا کر اسلام کی خدمت کا جذبہ پیدا کیا اور یہ دکھلا دیا کہ

ع

ایسی چنگاری بھی یارب میرے خاکستر میں تھی

مگر افسوس کہ اس چنگاری کو ہوا دینے والوں نے آئندہ اس سے کام لینے کی ضرورت نہ سمجھی اور عوام کا یہ ابھارا ایک وقتی ابال ثابت ہوا۔ لیکن اگر مستقل طور سے اس چنگاری کو بھڑکا دیا جاتا رہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ قومی شعور دیر پا ثابت نہ ہو لہذا یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر صحیح معنی میں اسلامی نظام قائم ہو اور اس کے لئے قوم سے قربانیاں طلب کی جائیں تو یہی قوم چند سالوں میں ایسی عظیم الشان قوت بن کر ابھرے گی جس کا کوئی مد مقابل نہ ہوگا۔ جو قوم جنگ کے زمانے میں یرموک و قادسیہ کی یاد تازہ کر سکتی ہو، وہ امن کے زمانے میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور کو کیوں زندہ نہیں کر سکتی؟



بس ضرورت اس بات کی ہے کہ:-

- ۱ ملک کے نظام تعلیم کو اسلامی بنایا جائے ۱۔  
اور طلباء کی تربیت خالص اسلامی خطوط پر کی جائے۔
- ۲ ملک کے حکمران مغربی طرز زندگی کو چھوڑ کر سادہ زندگی اختیار کریں اور قومی مفاد کی خاطر ذاتی مفاد کو قربان کرنے کی واضح اور روشن مثالیں عوام کے سامنے لائیں۔
- ۳ نشر و اشاعت کے تمام ذرائع کو خواہ وہ ریڈیو ہو یا اخبارات، اسلامی رنگ میں رنگا جائے، فحاشی، عریانی اور عیش پرستی پر ابھارنے والے پروگراموں کو بالکل بند کر کے ان کی جگہ ایسے پروگرام وضع کئے جائیں جو قومی شعور، اجتماعی فکر، ایثار، خدا ترسی اور فکر آخرت کے جذبات پیدا کریں۔
- ۴ انتظامیہ کے عہدوں پر فائز کرنے کے لئے امیدوار کے مطلوبہ دینی و اخلاقی معیار کو شرط لازم قرار دیا جائے، اور نری کاغذ کی ڈگریوں کو دیکھنے کے بجائے امیدوار کے دینی و اخلاقی کردار پر کڑی نظر کی جائے۔
- ۵ ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کا مستقل ادارہ قائم کیا جائے جو دین دار، خدا ترس اور ملت کا درد رکھنے والے مسلمانوں پر مشتمل ہو اور اپنی تمام توانائیاں لوگوں میں اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے پر خرچ کرے۔
- ۶ مساجد اسلامی معاشرے کے مرکزی مقام کی حیثیت رکھتی ہیں ان کو آباد کرنے پر پوری توجہ دی جائے۔ اعلیٰ حکام ”اقامتِ صلوٰۃ“ کی تحریک چلائیں اور اس کی ابتداء اپنے آپ سے کریں۔
- اگر اس قسم کے چند اقدامات حکومت کی طرف سے کر لئے گئے تو یہ بات

۱۔ نظام تعلیم نے متعلق اپنی منصل تجاویز ہم البلاغ کے شمارہ ستمبر ۱۹۶۹ء میں پیش کر چکے ہیں۔ اور ان کا خلاصہ مرکزی جمعیت علماء اسلام کراچی ڈویژن نے الگ شائع کر دیا ہے۔



دعوے کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نہایت مختصر عرصے میں اس ملک کی بالکل کاپی لپٹ جائے گی اور یہاں ایک ایسی قوم تیار ہوگی جو اپنے اخلاق و کردار، اپنی سعی و عمل اور اپنے افکار و جذبات کے لحاظ سے دنیا کے لئے قابلِ صدرِ شک ہوگی، افراد سازی کے اس کارنامے کے بعد ظلم و استحصا ل بالکل خاتمہ ہو جائے گا، اور دنیا خود کھلی آنکھوں دیکھ لے گی کہ جس معاشی بے چینی نے پورے کرہ زمین کو تہ و بالا کیا ہوا ہے، وہ اسلامی نظام کے تحت کتنی خوبصورتی کے ساتھ سکون و اطمینان اور عمومی خوشحالی کے ساتھ بدل گئی ہے۔

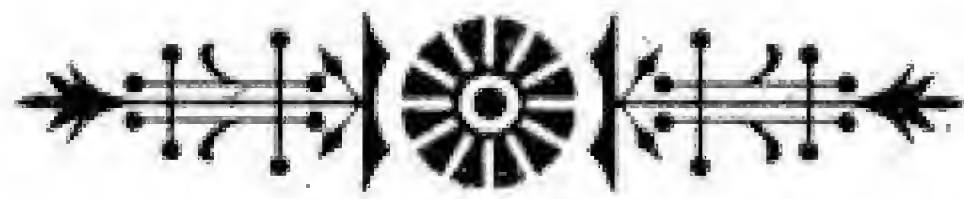
مشکلات دنیا کے ہر اہم کام میں ہوتی ہیں، خاص طور سے وہ کام جو انقلابی نوعیت رکھتا ہو، چنانچہ اسلامی انقلاب لانے میں بھی بلاشبہ مشکلات ہوں گی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس ملک میں کوئی انقلاب اتنی آسانی سے نہیں لایا جاسکتا جتنی آسانی سے یہاں اسلامی انقلاب آسکتا ہے۔ اول تو اس لئے کہ اسلام کی بنیاد پر جو اصلاحات تجویز کی گئی ہیں وہ فی نفسہ بہت زیادہ مشکل نہیں ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ پاکستان کی سرزمین اسلام کے لئے دنیا کے ہر خطے سے زیادہ سازگار ہے۔ کسی قوم کی زندگی میں انقلاب لانے میں سب سے زیادہ مؤثر قوت اس قوم کے جذبات اور اس کا انقلابی شعور ہوتا ہے، اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام کی محبت و عظمت اور اسے روبہ عمل دیکھنے کی آرزو یہاں کے عوام کی رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے، اور اگر انہیں یہ احساس ہو کہ یہاں سچے دل سے اسلامی انقلاب کی کوشش ہو رہی ہے تو وہ ہر کڑی سے کڑی مشکل کو جھیل جائیں گے۔

اس کے برخلاف اگر یہاں سوشلزم نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو قطع نظر اس سے کہ وہ اچھا ہے یا بُرا، اس کے نافذ کرنے میں اس قدر مشکلات ہوں گی کہ سالہا سال تک ملک کا امن اور چین رخصت ہو جائے گا، سوشلزم کی تاریخ شاہد ہے کہ اس کے لائے ہوئے انقلاب میں کشت و خون، جبر و تشدد اور بد امنی و ہنگامہ خیزی



جزو لازم کی حیثیت رکھتی ہے۔ پھر اس حقیقت سے کوئی شخص ہزار جھوٹ بول کر بھی شاید انکار نہ کر سکے کہ سوشلزم یہاں کے عوام کی آرزو نہیں ہے۔ اسے لانا نہیں، تھوپنا پڑے گا، اور یہاں کے عوام ہزار طرح کے پروپیگنڈے اور جبر و تشدد کے باوجود اپنے قلبی جذبات کے ساتھ سوشلزم قائم کرنے کے لئے کام نہیں کر سکیں گے۔ اور صدیوں تک حکومت اور عوام کی رسہ کشی بند ہونے میں نہیں آئے گی۔

اس کے علاوہ سوشلزم کے قیام سے تقسیم دولت کی موجودہ ناہمواری کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ زمینوں یا کارخانوں کو قومی ملکیت میں لینے سے ایک غریب انسان کی معاشی مشکلات دور نہیں ہوں گی، کچھ اور بڑھ جائیں گی، واقعہ یہ ہے کہ سوشلزم کے وکلاء ہمیشہ ”قومی ملکیت“ کا ایک مبہم نعرہ لگاتے رہے ہیں لیکن ان کے پاس کوئی مربوط، منظم اور سوچا سمجھا معاشی پروگرام نہیں ہے۔ (بحوالہ ماہنامہ البلاغ دسمبر ۱۹۶۹ء کراچی)





## آداب السفر

از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً على  
سیدنا محمد المجتبی ومن یرحمہ اہتدی

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

یہ اقامت تجھے پیغام سفر دیتی ہے

اہل بصیرت کے نزدیک تو دنیوی زندگی ساری ہی سفر ہے اور ہر انسان قیام تک  
مسافر ہے۔ اُس کا وطن اصلی وہ جگہ ہے جہاں پہنچ کر ارشاد ہوگا کہ (خلود لا موت)  
یعنی اب یہ حالت دائمی ہے جس کے بعد موت نہیں) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے  
کہ دنیا میں اس طرح رہو جیسے پر دیسی مقیم یا راہِ رومسافر حقیقی کی ایک مثال ہے جو  
عبرت و یادگار کے طور پر دنیا میں لائی گئی۔ عقلمند کا فرض ہے، کہ وہ اس سے سبق لے  
اور خدا کی ان نشانیوں پر اندھوں کی طرح نہ گزر جائے اور ہر وقت سفر آخرت کی  
تیاری میں مشغول رہے اور اپنے سفر و حضر کو نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے موافق  
بنانے کی کوشش کرے۔

اسی مقصد کے لئے سیدی و سندی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث  
دارالعلوم دیوبند نے رسالہ نافعہ (رفیق سفر) کے نام سے تصنیف فرمایا جو بیسیوں  
مرتبہ چھپ کر مقبول خاص و عام ہو چکا ہے۔

لیکن یہ رسالہ صرف ان اہم مسائل پر مشتمل تھا جن سے عموماً لوگ غافل ہیں۔  
معمولی مسائل سفر اس میں درج نہ تھے لیکن آج کل احکام اسلامیہ سے عام غفلت



کی وجہ سے معمولی مسائل سے بھی عام لوگ بے خبر نظر آتے ہیں اس لئے احقر نے باقی ماندہ ضروری احکام و آداب کو جمع کر کے اُس کا جزو بنادیا اور آداب السفر کے نام سے موسوم کیا۔

جس میں اذکار السفر یعنی وہ دعائیں بھی جمع کر دی گئی ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے مختلف مناظر و منازل میں پڑھا کرتے تھے اور جو تمام دینی اور دنیوی مقاصد کی کنجی ہیں۔ امید کہ جو حضرات اس سے نفع اٹھائیں احقر کو بھی دعاء خیر سے فراموش نہ فرمائیں گے۔

### نیت سفر

عادتاً سفر دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ (اوّل) خالص دین کے لئے۔ (دوم) دنیا کے لئے۔ اوّل کی مثال سفر حج، سفر جہاد، سفر طلب علم کے لئے۔ سفر علماء و صلحا کی زیارت کے لئے، سفر اپنے دینی بھائی کی زیارت کے لئے خواہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو وغیر ذلک، ان میں جس درجہ کا مقصد ہے اُسی درجہ میں سفر فرض یا واجب یا مستحب ہوتا ہے اور بہر حال ان میں ہر قدم پر ثواب ملتا ہے۔

دوسرا سفر دنیا کے واسطے جیسے تجارت کے لئے یا کسب معاش کی کسی دوسری صورت کے لئے یا محض تفریح طبع کے لئے۔ یہ بھی ایک حد تک فرض و واجب و مستحب ہوتے ہیں اور ضرورت سے زائد مباح اور جائز لیکن عقلمند کے لئے مناسب ہے کہ اس سفر میں بھی نیت دین کی رکھے کیونکہ تمام دنیا کے کاروبار دین کی نیت کرنے سے عبادت بن جاتے ہیں۔ مثلاً

تجارت کے لئے نکلے تو یہ نیت کرے کہ جن لوگوں کا نان نفقہ، حق تعالیٰ نے میرے ذمہ واجب کیا ہے وہ ادا کروں گا اور اس سے جو بچے گا اُس میں اپنے مفلس بھائیوں کی امداد یا دوسری مذہبی ضرورتوں میں صرف کروں گا اور سال پورا ہونے پر



زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، ادا کروں گا، قربانی کروں گا، سفر حج کے لئے کافی جمع ہو گیا تو حج کروں گا۔

① سفر کے لئے جمعرات یا شنبہ کا دن زیادہ مبارک اور بہتر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں دنوں میں سفر کرنے پر برکت کی دعا فرمائی ہے (تخریج العراقی علی الاحیاء بسند ضعیف)

② جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے سفر کرنا بہتر نہیں مگر جائز ہے اور بعد اذان کے قبل نماز جمعہ سفر کرنا حرام ہے (عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کنز ص ۳۴۵ ج ۳)

③ علی الصباح سویرے سفر کرنا بھی مبارک ہے، حدیث میں اس کے لئے بھی دعا فرمائی ہے۔ (ترمذی بسند حسن)

④ مناسب ہے کہ کوئی اپنا رفیق سفر تلاش کر کے (بالخصوص طویل سفر کے لئے) اس میں بہت سے دینی اور دنیوی فوائد ہیں۔ حدیث میں اس لئے اکیلے سفر کرنا پسند نہیں کیا گیا۔ رفیق ایک بھی کافی ہے مگر چار رفیق ہونے زیادہ بہتر ہیں (کما رواہ الترمذی و ابوداؤد عن ابن عباس)

⑤ اگر چند آدمی مل کر سفر کرنا چاہتے ہیں تو چاہئے کہ کسی ایک کو اپنا امیر بنالیں اور جب آپس میں کوئی اختلاف رائے پیش آئے اس کے فیصلہ پر عمل کریں اگرچہ خلاف طبع ہو۔

حدیث میں اس کا حکم فرمایا گیا ہے۔ (ابوداؤد عن ابی ہریرہ غرض ۳۴۰ ج ۳)

⑥ سفر سے پہلے ضروری سامان سفر تیار کر لے تاکہ دوسروں کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے۔ سفر میں سرمہ، کنگھا، مسواک، قینچی ساتھ رکھنا سنت ہے (تخریج عراقی علی الاحیاء عن الطبرانی بضعف)

⑦ مستحب ہے کہ سفر سے پہلے استخارہ کرے یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا

پڑھے۔



اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَنَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَنَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ  
اَلْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا نَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا نَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ  
اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا السَّفَرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ  
فَقَدِّرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا السَّفَرَ  
شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ اَوْ دُنْيَايَ اَوْ عَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَصَرِّفْنِيْ عَنْهُ ثُمَّ  
قَدِّرْ لِيْ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ لَمْ اَرْضِنِيْ بِهِ.

تَنْبِيْہ: عرب کی عادت تھی اور اب بھی قدیم طرز کے ہندوؤں کی عادت ہے کہ سفر  
کے لئے کوئی طالع نجوم دیکھتا ہے اور کوئی جانوروں سے فال لیتا ہے۔ ہزاروں درود  
ہوں ہمارے نبی امی ﷺ پر جن کی بدولت ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان درود کی ٹھوکروں  
سے نجات دی اور سب کے قائم مقام استخارہ کو فرما دیا۔ جس کے متعلق ارشاد  
نبوی ﷺ ہے ما خاب من استخره (یعنی جو شخص استخارہ کر کے کام کرتا ہے  
وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا)۔

## سفر کے وقت

اپنے مقامی دوستوں اور اعراء و اقرباء سے رخصت ہو۔ (ابن ماجہ)  
دوستوں عزیزوں سے رخصت ہوتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ  
دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ. (نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ)  
وَاسْتَوْدِعْكَ اللّٰهُ الَّذِي لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهُ (ابن ماجہ) جو شخص بوقت رخصت یہ  
دعا پڑھے گا انشاء اللہ تعالیٰ اُس کی تمام چیزیں محفوظ رہیں گی، اور رخصت کرنے والے  
مقیم لوگوں کو چاہیے کہ بوقت رخصت یہ دعا پڑھیں۔

فِي حِفْظِ اللّٰهِ وَفِي كَنْفِهِ زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰی وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَكَ فِي  
الْخَيْرِ حَيْثُ مَا كُنْتُ.

ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں سفر کرو، اللہ تمہیں توشہ تقویٰ عطا



فرمائیں اور تمہارے گناہ بخش دیں اور جس جگہ تم جاؤ تمہیں خیر کی طرف متوجہ فرمائیں۔

## جب سفر کے لئے کپڑے پہنے

حدیث میں ہے کہ سفر میں جانے والے کا بہترین خلیفہ جس کو وہ اپنے گھر بار کی نگرانی کے لئے چھوڑتا ہے وہ چار رکعتیں ہیں۔ جو لباس سفر پہننے کے بعد اپنے گھر میں پڑھتا ہے جس میں سورہ فاتحہ کے بعد قل هو اللہ احد پڑھی جاتی ہے اور چاہئے کہ یہ چار رکعت پڑھ کر یہ دعا پڑھے:-

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَقَرَّبُ بِهِنَ الِیْكَ فَاخْلِفْنِیْ بِهِنَ فِیْ اَهْلِیْ وَ مَالِیْ  
(تخریج العراقی علی الاحیاء)

ترجمہ: یا اللہ میں ان رکعتوں کے ذریعہ تجھ سے قرب حاصل کرتا ہوں تو ان کی وجہ سے میرے اہل و عیال اور مال کی حفاظت فرما۔

حدیث میں ہے کہ یہ چار رکعت اور دعاء اُس کے واپس ہونے تک اس کے گھر بار اور اہل و عیال کی محافظ ہوں گی اور نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب سفر کے لئے اٹھتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے۔

اللّٰهُمَّ بِكَ اِنْتَهَزْتُ وَ اِلَیْكَ تَوَجَّهْتُ وَ بِكَ اِعْتَصَمْتُ وَ عَلَیْكَ تَوَكَّلْتُ  
اللّٰهُمَّ اَنْتَ ثَقْنِیْ وَ اَنْتَ رِجَائِیْ اللّٰهُمَّ اِکْفِنِیْ مَا اَهْمَنِیْ وَ مَا لَا اَهْمَ لَہْ وَ مَا  
لَہْ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہِ مِنْیْ عَزَّ جَارُکَ وَ جَلَّ ثَنَاءُکَ وَ لَا اِلٰہَ غَیْرُکَ اللّٰهُمَّ  
زَوِّدْنِیْ التَّقْوٰی وَ وَجِّهْنِیْ لِلْخَیْرِ اَیْمَا، تَوَجَّهْتُ.

(زاد المعاد عن الیہیاتی ص ۲۸۷)

ترجمہ: یا اللہ میں تیری ہی مدد سے اٹھتا ہوں اور تیری ہی طرف توجہ کرتا ہوں اور تجھ سے ہی وقت حاصل کرتا ہوں۔ اور تجھ پر ہی توکل کرتا ہوں یا اللہ تو ہی میرا اعتماد ہے اور تو ہی میری امید ہے، یا اللہ تو کفیل ہو جا اس کام کے لئے جس کی میں کوشش کرتا ہوں۔



اور اس کے لئے بھی جس کا میں اہتمام نہیں کرتا اور اس کے لئے بھی جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تیری پناہ میں آنے والا قوی ہو جاتا ہے اور تیری تعریف بڑی ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں یا اللہ مجھے توشہ تقویٰ عطا فرما اور جس طرف متوجہ ہوں میرا رخ خیر اور بھلائی کی طرف پھیر دے۔

## جب گھر سے نکلے

تو یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ اعُوْذُبِكَ اَنْ اُضِلَّ اَوْ اُضِلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزِلَّ اَوْ اُظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اُجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ

ترجمہ: میں اللہ کے نام پر سفر کرنا شروع کرتا ہوں اور اللہ پر توکل کرتا ہوں اور کسی کام کی قوت نہیں۔ بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اے میرے رب میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا دوسروں کو گمراہ کروں اور اس سے کہ میں لغزش کروں یا کسی دوسرے کو لغزش دوں اور اس سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے اور اس سے کہ میں کسی سے بد خلقی کروں یا کوئی مجھ سے بد خلقی کرے۔

## جب سواری پر سوار ہو

تو تین بار اللہ اکبر کہے اور یہ پڑھے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَاِنَّا اِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس سواری کو تابع بنا دیا حالانکہ ہماری طاقت نہ تھی کہ اس کو تابع بنا لیتے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔



اور پھر یہ دعا پڑھے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِي سَفَرِي هَذَا الْبِرَّ التَّقْوَى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا رَضَى اللَّهُمَّ  
هَوْنًا عَلَيْنَا السَّفَرَ أَطَوَّلْنَا الْبَعْدَ اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ  
وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ اللَّهُمَّ أَصْحَبْنَا فِي سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِي أَهْلِنَا.

(زاد المعاد ص ۲۸۷ ج ۱)

تَرْجَمَہ: یا اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں اس سفر میں نیکی اور تقویٰ اور وہ عمل جس  
سے تو راضی ہو۔ یا اللہ مجھ پر یہ سفر سہل فرما دے اور میرے بعد مسافت کو طے  
فرما دے یا اللہ تو ہی سفر میں میرا ساتھی ہے اور تو ہی وطن میں میرے اہل و عیال کا  
نگران ہے، یا اللہ سفر میں ہمارے ساتھ ہو اور ہمارے اہل و عیال کا نگران ہو۔  
اور صحیح مسلم کی روایت میں اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَثَاءِ السَّفَرِ وَكَأَبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنْ الْحَوْرِ بَعْدَ  
الْكُورِ وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ وَمِنْ سُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ.  
تَرْجَمَہ: یا اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں سفر کی شدت و مشقت سے نا کام لوٹنے  
سے اور ترقی کے بعد منزل سے اور مظلوم کی بد دعا سے اور اہل و مال میں کوئی ناگوار  
بات دیکھنے سے۔

### راستہ میں

جب کسی بلندی پر چڑھے تو اللہ اکبر کہے اور کہے اللَّهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلَى  
كُلِّ شَرَفٍ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلَى كُلِّ حَالٍ. اور جب پستی میں اترے تو سبحان  
اللہ کہے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کرام کی یہی عادت تھی۔

(زاد المعاد مصری ص ۲۸۰)

مسئلہ۔ اپنے رفیق کے ساتھ نہایت نرمی سے پیش آوے وہ اگر تکلیف بھی



پہنچائے تو صبر کرے اور اگر حجت سے زائد خرچ یا کھانا وغیرہ پاس ہو تو غریب رفقاء کی امداد کرے۔

مسئلہ۔ کتا اور گھنٹا سفر میں ساتھ نہ رکھے، حدیث میں ہے کہ اس جماعت کے ساتھ نیکی کے فرشتے نہیں جاتے جس کے ساتھ کتا یا گھنٹا ہو۔ (لیکن آجکل جو گھنٹی بائیسکل وغیرہ میں لوگوں کو ہٹانے کے لئے لگائی جاتی ہے۔ وہ اسمیں داخل نہیں اس کا مضائقہ نہیں) (بندہ محمد شفیع غفرلہ)

مسئلہ۔ اگر سواری کسی جانور پر ہے تو اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر رکھنا جائز نہیں (احیاء)

مسئلہ۔ جانور کے منہ پر نہ مارے کہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔  
مسئلہ۔ جانور کی پیٹھ پر سوئے نہیں کیونکہ اُس سے جانور کو تکلیف پہنچتی ہے۔  
مسئلہ۔ صبح و شام کچھ دیر کے لئے جانور کی پشت سے اتر کر پیادہ بھی چلے، یہی سلف صالح کی سنت ہے اس میں جانور بھی کچھ آرام حاصل کر لے گا اور اپنے بھی ہاتھ پاؤں کھل جائیں گے۔

مسئلہ۔ ضروری ہے کہ جس کا جانور کرایہ کیا جائے اس کو ٹھیک ٹھیک بتلا دیا جائے کہ فلاں فلاں سامان اس پر لادوں گا۔

مسئلہ۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی سوار اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو فرشتہ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اور اگر فضول اشعار اور گانے میں مشغول ہو جاتا ہے تو شیطان ساتھ میں جاتا ہے۔ (طبرانی فی الاوسط عن عقبہ بن عامر

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کنز ص ۱۴۳ ج ۳)

## جب کسی منزل پر اترے

تو مستحب ہے کہ دو رکعتیں نفل پڑھے اور یہ دعا پڑھے اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ



الَّتَا مَاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ جب رات ہو جائے تو یہ دعاء پڑھے۔  
 يَا اَرْضِ رَبِّي وَرَبِّكَ اللّٰهُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكَ وَشَرِّ مَا خَلَقَ نِيْكَ وَشَرِّ  
 مَا دَبَّ عَلَيْكَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ كُلِّ اَسَدٍ وَّ اَسْوَدٍ وَ حَيَّةٍ وَ عَقْرَبٍ وَمِنْ  
 شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ شَرِّ مَا وَالِدِيْمَا وَلَدَ۔ (زاد المعاد عن مسند احمد)  
 اور جب صبح ہو جائے تو یہ دعاء پڑھے۔ سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَنِعْمَتِهِ  
 وَحَسَنَ بَلَائِهِ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبِنَا وَافْضَلْ عَلَيْنَا عَائِدًا اَبَاللّٰهِ مِنَ النَّارِ اس کو  
 تین مرتبہ بلند آواز سے کہے۔

(راد المعاد)

جَب دُور سے کسی بستی کو دیکھے جہاں جانیکا ارادہ ہے

تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضَيْنِ السَّبْعِ وَمَا  
 اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَّاحِ وَمَا ذَرَيْنِ اِنَّا نَسْأَلُكَ  
 خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا  
 فِيْهَا (زاد المعاد)

ترجمہ: یا اللہ پروردگار سات آسمانوں اور ان تمام چیزوں کے جو آسمان کے نیچے  
 ہیں اور رب سات زمینوں کے اور ان تمام چیزوں کے جو زمین کے اوپر ہیں اور رب  
 شیاطین کے اور ان لوگوں کے جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے اور رب ہواؤں کے اور  
 اس چیز کے جس کو ہواؤں نے اڑایا ہے ہم تجھ سے اس بستی کی اور اُس کے رہنے  
 والوں کی اور اُن چیزوں کی جو اس میں ہیں خیر اور بھلائی طلب کرتے ہیں اور اس  
 کے شر سے اور ان چیزوں کے شر سے جو اس میں ہے پناہ مانگتے ہیں۔  
 بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَّاہَا وَجَبِّنَا اِلٰی اَہْلِهَا وَجَبِّ صَالِحِیْ اَہْلِهَا اِلَیْنَا۔



تَرْجَمَہ: یا اللہ ہمیں اس بستی کے فوائد سے منفع فرما اور ہمیں اس کے باشندوں کے قلوب میں محبوب بنادے اور اس کے نیک باشندوں کی محبت ہمارے دل میں ڈال دے۔

جب اُس بستی میں داخل ہو تو حسبِ گنجائش اچھا لباس پہنے، حدیث میں اس کا ارشاد وارد ہے۔ (کنز ص ۳۴۱ ج ۳ رواہ فی مسند احمد والحاو ابوداؤد)

## سفر سے واپسی

نبی کریم ﷺ مسافروں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ جب سفر میں اپنی حاجت سے فارغ ہو جاؤ تو پھر ویر نہ لگاؤ فوراً وطن واپس آ جاؤ۔ (رواہ احمد وابن ماجہ از کنز ص ۳۴۱ ج ۳)

۲ مستحب ہے کہ جب سفر سے لوٹے تو اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے لئے کوئی تحفہ کھانے پینے وغیرہ سے اپنی گنجائش کے موافق ساتھ لیتا آئے۔ حدیث میں اس کی یہاں تک تاکید آئی ہے کہ اگر اور کچھ نہ ملے تو اپنی جھولی میں کوئی ڈھیلا ہی ڈال کر لے آئی (رواہ الدارقطنی والبیہقی من حدیث عائشہ ابن عساکر عن ابی الرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کنز العمال ج ۲ ص ۳۲، اور بعض روایات میں ہے کہ اگر لکڑیوں کا گٹھا ہی لے آئے۔ تاکہ گھر والے خوش ہوں)۔ (کنز العمال ص ۲۴۰ و ۱)۔ ڈھیلا پتھر اٹھالانے سے یا تو غرض محض تاکید مبالغہ ہے اور یا یہ کہ وہ ڈھیلا پتھر وغیرہ جس سے گھر والوں کو کچھ نفع ہو۔

۳ واپسی میں بھی جب کسی بلندی پر چڑھے تو تین مرتبہ تکبیر کہے پھر یہ دعا پڑھے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اٰبُوْنَ تَابِعُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدُهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ (زاد تخريج الاحياء)



تَرْجَمًا: کوئی معبود نہیں مگر ایک اللہ اُس کا کوئی شریک نہیں اُسی کا ملک ہے اور اُسی کی حمد ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم لوٹنے والے ہیں اور توبہ کرنے والے اور اپنے رب کی عبادت کرنے والے اور حمد کرنے والے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر مایا اور اپنے بندہ (نبی کریم ﷺ) کی مدد فرمائی اور احزاب کفار کو تنہا شکست دی۔ اور جب اپنی بستی پر نظر پڑے تو یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم اجعل لنا بھا قراراً اور زقاً حسناً (احیاء)

تَرْجَمًا: یا اللہ ہمارا کہاں قرار بنادے اور عمدہ رزق عطا فرما۔

مسئلہ۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اس سے منع فرماتے تھے کہ کوئی شخص سفر طویل سے واپس آ کر اچانک رات کو اپنے گھر پہنچ جائے (رواہ السنۃ عن حابر بالفاظ مختلف کنز ص ۳۴۰ ج ۳) لیکن اگر پہلے سے اپنے پہنچنے کے اطلاع دے چکا ہے یا سفر مختصر تھا تو رات ہی کو گھر پہنچ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ خود بعض الفاظ حدیث سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی خاص ضرورت رات ہی میں پہنچنے کی ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ مسئلہ۔ جب اپنی بستی میں داخل ہو تو مسجد میں جائے اور دو رکعتیں نماز پڑھے کہ یہی سنت ہے نبی کریم ﷺ کی۔

اور جب گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے۔

توباً توباً لربنا اوبالایغادر علینا حوباً (ابن السنی عمل الیوم واللیلۃ)

تَرْجَمًا: ہم توبہ کرتے ہیں توبہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ہم پر کوئی گناہ نہ چھوڑے گا۔

مسئلہ۔ سفر سے واپس آنے والوں کے ساتھ معانقہ اور مصافحہ کرنا سنت ہے۔

قرآن مجید سورہ نساء میں حق تعالیٰ نے جہاں اپنا حق عبادت انسان پر لازم فرمایا ہے وہیں والدین اور دوسرے رشتہ داروں اور یتیموں مسکینوں کے ساتھ اور نزدیک و دور کے پڑوسیوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے اسی کے



ساتھ و الصاحب بالجنب فرما کر اس شخص کو بھی شامل کیا ہے جو ریل یا جہاز یا اور کسی مجلس میں آپ کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اس لئے مسافر پر ضروری ہے کہ ہمسفر رفیقوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا معاملہ کرے۔ کم از کم ان کو تکلیف پہنچانے سے پورا احتراز کرے۔

مسئلہ۔ ریل یا جہاز میں یا ریلوے پلیٹ فارم پر یا ویٹنگ روم میں جہاں سب مسافروں کا حق برابر ہے اُس میں کوئی ایسا کام کرنا جس سے دوسرے مسافروں کو تکلیف ہو جائز نہیں۔ مثلاً گندگی پھیلانا، پھل وغیرہ کھا کر چھلکے بکھیر دینا، پان کی پیک یا سگریٹ کا دھواں اس طرح چھوڑنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، سخت گناہ ہے۔ حدیث میں ایسے کام کرنے والے پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں۔

مسئلہ۔ ریل کی کھڑکیوں سے پان کی پیک یا پانی وغیرہ اس طرح ڈالنا جس سے پچھلی کھڑکیوں میں بیٹھنے والوں پر چھینٹا پڑ جائے۔ یہ سب اُسی ایذا رسانی میں داخل اور حرام ہیں۔

مسئلہ۔ ریل اور جہاز کے غسل خانوں کو گندا کر دینا جس سے بعد میں آنے والے کو نفرت ہو یہ بھی اُسی درجہ کا گناہ ہے۔

مسئلہ۔ اونٹ گھوڑے وغیرہ کی سواری پر نماز فرض بلا عذر جائز نہیں۔ لیکن اگر اونٹ سے اترنے پھر چڑھنے پر قدرت نہ ہو یا قافلہ چلے جانے کا خطرہ ہو تو شَعْدَف میں ہی نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ (امدادی الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۵)

مسئلہ۔ ریل گاڑی کھڑی ہو یا چل رہی ہو۔ اس میں نماز جائز ہے۔

۱۔ (امدادی الفتاویٰ ص ۳۵۱ ج ۱)۔

## ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم

ریل میں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ قیام فرض سے بلا عذر شرعی



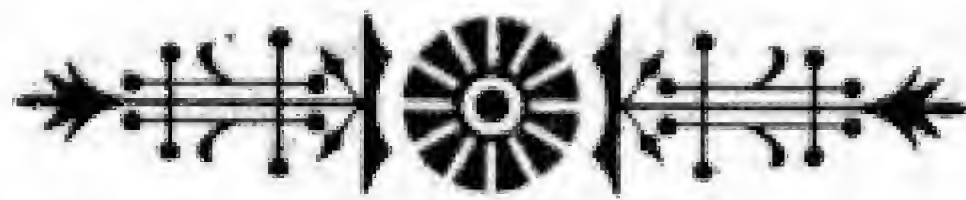
کے بیٹھ کر پڑھنے سے نماز فرض ادا نہ ہوگی۔ (شرح منیہ والمدادی الفتاویٰ ص ۳۵۱ ج ۱)  
 مسئلہ۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی مرض یا کمزوری کے سبب ریل کی حرکت میں کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، گر جانے کا خطرہ ہے اس کے لئے بیٹھ کر نماز جائز ہے جیسے زمین پر نماز پڑھنے کا حکم ہے کہ جو قیام پر قدرت نہیں رکھتا بیٹھ پڑھے لیکن تجربہ شاہد ہے کہ عام حالات میں۔۔۔ لوگ ناواقفیت سے بلاوجہ بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں ان کی نماز ادا نہیں ہوتی، اعادہ واجب ہے۔

مسئلہ۔ اگر کھڑے ہونے پر قدرت تو ہے مگر ریل میں اتنی جگہ نہیں کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکے تو مناسب یہ ہے کہ اس وقت تو بیٹھ کر نماز ادا کر لے مگر بعد میں اس کو قضاء کرنا پڑے گا۔ کیونکہ تنگی جگہ کی وجہ سے۔۔۔ قیام ساقط نہیں ہوتا۔ (بحر الرائق)

### ریل میں جانبِ قبلہ کا استقبال

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ریل میں استقبال قبلہ شرط نہیں۔ جس طرف کو چاہتے ہیں یہ بالکل غلط ہے، عام حالات کی طرح ریل میں بھی استقبال قبلہ ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر درمیان میں نماز کے ریل کا رخ بدل جانے کا علم ہو جائے تو نمازی کو چاہئے کہ اسی حالت میں اپنا رخ قبلہ کی طرف پھیر لے۔





از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

## احکام سفر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### مسافر شرعی کی تعریف

سفر شرعی جس کے لئے احکام مخصوص ہیں تین شرطوں پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ سفر کم از کم اتنی دور کا ہو جس کو پیادہ چلنے والے بسہولت تین دن میں قطع کر سکیں، خواہ ریل وغیرہ کے ذریعہ ایک دو گھنٹہ ہی میں قطع ہو سکتا ہو جس کی مقدار آج کل تقریباً اڑتالیس میل ہے مگر پہاڑ اور دریا میں یہ تعداد معتبر نہ ہوگی بلکہ تجربہ سے جو مقدار تین روز کی مسافت ثابت ہو وہی ٹھیک سمجھی جاوے گی۔

**فائدہ:** میلوں کی تعداد اکثر ریلوے ٹکٹ پر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اس سے معلوم کر لیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ابتداء سفر ہی سے اتنی دور جانے کا قصد ہو۔ اور اگر ابتداء اس، بیس میل کے سفر کا قصد کر کے گھر سے نکلا اور وہاں پہنچ کر پھر آگے جانے کی ضرورت پیش آگئی اور یہاں سے تیس میل اور آگے چلا گیا اور وہاں پہنچ کر پھر آگے جانے کی ضرورت ہوئی تو یہ شخص اس وقت تک شرعی مسافر نہ کہلائے گا جب تک کہ ایک دفعہ اڑتالیس میل کا قصد نہ کرے۔ خواہ ساری عمر پھرتا رہے اور ساری دنیا میں پھر آئے۔ (شامی) تیسری شرط یہ ہے کہ سفر کا قصد کر کے اپنی جائے اقامت کی آبادی سے باہر نکل جائے۔ محض قصد کر لینے سے مسافر نہ ہوگا۔ اپنی بستی



سے باہر نکلتے ہی اس پر مسافر کے احکام جاری ہو جائیں گے اگرچہ اپنی بستی کے باغات یا ریلوے اسٹیشن کے حدود میں ہو۔ جبکہ آبادی سے باہر ہو۔ ورنہ اگر اسٹیشن آبادی کے اندر یا اس سے ملا ہوا ہے تو اسٹیشن پر وہ مسافر شرعی نہ ہوگا۔

## سفر شرعی کے مخصوص احکام

جو شخص تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد کر کے اپنی بستی سے نکل گیا وہ شرعاً مسافر ہے اس پر واجب ہے کہ ظہر اور عصر اور عشاء کی نماز میں بجائے چار چار رکعتوں کے صرف دو دو پڑھے اور اگر قصد چار رکعتیں پڑھے گا تو اگر درمیانی قعدہ میں بیٹھا ہے اور آخر میں سجدہ سہو کر لیا ہے تو نماز ادا ہو جائے گی مگر گنہگار ہوگا، اور اگر پہلے قعدہ میں نہیں بیٹھا تو نماز ہی نہ ہوگی (شامی، بدائع) نبی کریم ﷺ اور عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہی عادت تھی کہ سفر میں چار رکعت والی نماز کو قصر کر کے دو پڑھتے تھے۔ کما رواہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بدائع ۹۲ ج ۱) وروی ابن جریر عن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مثله صحیحہ کذا فی الكنز ص ۳۴۵ ج ۳

مسئلہ: اگر ایک شخص کسی نماز کے ابتدائی وقت میں مقیم تھا اور نماز پڑھنے سے پہلے سفر شروع کر دیا۔ تو یہ نماز بھی مسافرانہ نماز پڑھے گا اسی طرح اگر ابتداء وقت میں مسافر تھا اور نماز پڑھنے سے پہلے مقیم ہو گیا تو یہ نماز بھی مقیم کی طرح پوری پڑھے گا۔ (بدائع ص ۹۵ ج ۱)

مسئلہ: مسافر کو اپنے شہر کے ریلوے اسٹیشن پر بھی مسافرانہ نماز پڑھنی چاہیے۔ جانے کے وقت بھی اور لوٹنے کے وقت بھی بشرطیکہ اسٹیشن شہر کے اندر نہ ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سے مروی ہے کہ آپ بصرہ سے واپس اپنے وطن کوفہ میں تشریف لائے اور اتنے قریب ہو گئے کہ کوفہ کے مکانات نظر آتے تھے۔ لیکن آپ نے نماز قصر ہی پڑھی۔ (بدائع)



مسئلہ۔ مسافر اگر کسی مقام پر اطمینان سے ٹھہرا ہوا ہے تو سنن مؤکدہ سب پڑھنی چاہیے۔ اور اگر چلنے کی عجلت ہے یا ریل چھوٹنے والی ہے یا کوئی اور بے اطمینانی ہے تو سنتوں کا ترک کر دینا ہی اولیٰ ہے۔ (شامی باب صلوٰۃ المسافر) بعض لوگ اس میں سخت غفلت کرتے ہیں اور خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور ساتھیوں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔

مسئلہ: مقیم کی نماز مسافر کی امامت میں اور مسافر کی نماز مقیم کی امامت میں جائز ہے لیکن جب مسافر امام ہو تو نماز سے پہلے مقتدیوں کو اطلاع کر دے کہ میں مسافر ہوں دو رکعتیں پڑھوں گا تم اپنی نماز پوری کر لینا اور بعد سلام کے بھی یہ اعلان کر دے اور خود اپنے دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر لے اور جو مقتدی مقیم ہیں وہ اپنی باقی دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ قیام میں سورہ فاتحہ نہ پڑھیں بلکہ اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں جتنی دیر میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ (شامی)

مسئلہ: مسافر شرعی کو اختیار ہے کہ رمضان المبارک کے روزے سفر میں رکھے یا افطار کرے مگر در صورت افطار بعد واپسی کے روزوں کی قضا کرنی پڑے گی بشرطیکہ بعد واپسی کے اتنی مہلت ملے کہ قضا کر سکے۔

مسئلہ: اگر سفر سے واپسی کے بعد روزے قضا کرنے کی مہلت نہ ملی۔ اسی حالت میں انتقال ہو گیا تو یہ روزے معاف ہیں۔

مسئلہ: اگر سفر میں روزہ رکھنے سے ضعف و مشقت میں پڑ جانے کا خوف ہو تو افطار کرنا افضل ہے اور اگر یہ خوف نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ (بدائع فصل الصوم ص ۹۶ ج ۲)

## مسافر کا مقیم ہونا

مسافر چار چیزوں سے مقیم ہو جاتا ہے

اول: کسی ایک قابل اقامت جگہ شہر یا گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی خودنیت کر لینا۔



دوسرے: بطریق تبعیت نیت اقامت ہو جانا یعنی ایسے شخص کا نیت اقامت کر لینا جس کا اتباع سفر و اقامت میں اس کے لئے ضروری ہو جیسے کوئی غلام آقا کے ساتھ ہو یا عورت اپنے خاوند کے ساتھ ہو یا لشکر اپنے امیر کے ساتھ۔

تیسرے: اپنے وطن اصلی میں داخل ہو جانا۔

چوتھے: ایسی جگہ سے واپسی کا ارادہ کر لینا جو اس کے وطن سے مسافت قصر ۴۸ میل سے کم ہو، ان چاروں نمبروں کی تشریح ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

## شرح نمبر اول

نمبر اول چار جزو سے مرکب ہے۔ اول نیت اقامت اس کے بغیر کوئی شخص مقیم نہ کہلائے گا اگرچہ ساری عمر ایک جگہ گزار دے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی شہر میں پہنچا اور روزانہ یہاں سے چلنے کا قصد کرتا رہا مگر اتفاقاً یہ قصد پورا نہ ہوا اور اسی طرح مہینے گزر گئے تو یہ شخص مقیم نہ ہوگا۔ بلکہ نماز مسافر ادا کرتا رہے گا۔ (بدائع) دوسرا جزو مدت اقامت ہے جس کی مقدار پندرہ دن ہے۔ اگر اس کے کم ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ مقیم نہ کہلائے گا۔ تیسرا جزو یہ ہے کہ ایک ہی جگہ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ہو۔ اور اگر مختلف بستیوں میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کی تو قابل اعتبار نہیں۔ اور شخص بدستور مسافر رہے گا۔

(نوٹ) ایک شہر کے مختلف محلے مختلف بستیوں کے حکم میں نہ ہوں گے۔ بلکہ ایک ہی جگہ سمجھی جاوے گی۔ اور مختلف محلوں میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرنے والا مقیم سمجھا جاوے گا۔ لیکن آس پاس کے گاؤں اور جداگانہ بستیاں جن کے نام اور احکام اور تمام کاروبار جدا ہوں، ایک جگہ متصور نہ ہوں گے، جن شہروں میں شہر اور چھاؤنی کی بستیاں اور بازار اور اسٹیشن وغیرہ بالکل جدا ہیں وہ بھی مختلف شہر شمار کئے جاویں گے۔ چوتھا جزو یہ ہے کہ جس مقام میں اقامت کی نیت کی ہے



وہ اس قابل ہو کہ اس میں عادتاً و عموماً انسان ٹھہر سکتے ہوں، جیسے شہر اور گاؤں وغیرہ اور اگر کسی جنگل غیر آباد میں یا کسی کشتی یا جہاز میں پندرہ روز ٹھہرے رہنے کی نیت کر لی تو اس سے مقیم نہ ہوگا۔

مسئلہ۔ جو لوگ خانہ بدوش ہیں اور ہمیشہ جنگلوں میں خیمے ڈال کر رہتے ہیں ان کے لئے خیمے بھی جائے اقامت سمجھے جائیں گے اور اسی لئے ان لوگوں کو ہمیشہ نماز پوری چار رکعت پڑھنی چاہئے۔ کیونکہ عادتاً یہ دوسری بستی کی طرف منتقل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ البتہ اگر ایسا کریں کہ اڑتالیس میل کے سفر کا دفعۃً ارادہ کر کے نکلیں تو مسافر سمجھے جائیں گے۔ (ہذا صحیح کما فی البدائع ص ۱۰۱ ج ۱)

## شرح نمبر دوم

جو شخص سفر میں کسی دوسرے کا تابع ہو تو اقامت میں بھی اس کی نیت معتبر ہوگی۔ مثلاً غلام اپنے آقا کے ساتھ، یا عورت اپنے خاوند کے ساتھ، یا لشکر اپنے امیر کے ساتھ یا اہلکار اپنے حاکم کے ساتھ دورہ میں ہوں تو ان سب صورتوں میں آقا اور خاوند اور امیر اور حاکم کی نیت معتبر ہوگی اگر وہ پندرہ دن کسی ایک جگہ ٹھہرنے کی نیت کر لیں گے جو لوگ ان کے تابع ہیں وہ بھی مقیم ہو جائیں گے۔ اگرچہ وہ خود نیت اقامت نہ کریں۔

مسئلہ۔ مگر یہ لوگ تبعاً مقیم اس وقت سمجھے جائیں گے جس وقت ان کو اپنے امیر و آقا کے نیت اقامت کا علم ہو جائے اور علم سے پہلے اگر انہوں نے نماز مسافرانہ طور پر قصر کے پڑھ لی تو جائز ہوگی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (ہو صحیح کما فی البدائع) شرح نمبر سوم مسافر اپنے وطن اصلی میں داخل ہو جانے سے فوراً مقیم ہو جاتا ہے خواہ ایک ہی منٹ کے لئے داخل ہو۔ اور پھر فوراً واپس چلے جانے کی نیت ہو۔



## وطن کی تین قسمیں اور ان کے احکام

وطن کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وطن اصلی۔ دوسرے وطن اقامت۔ تیسرے وطن سکنتی۔ وطن اصلی وہ ہے، جہاں پر آدمی اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتا ہو۔ اور اس میں زندگی گزارنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

مسئلہ وطن اصلی متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے متعدد اہل و عیال مختلف شہروں میں رہتے ہیں، اور وہیں زندگی گزارنے کا خیال ہے تو یہ تمام شہر اس شخص کے لئے وطن اصلی سمجھے جائیں گے اور یہ شخص جب ان میں سے کسی شہر میں داخل ہوگا تو بلا نیت کے محض داخل ہونے سے مقیم ہو جائے گا۔ (بدائع)

مسئلہ: اگر کسی شخص کے ماں باپ و خویش و اقارب ایک شہر میں رہتے ہیں اور اس کے اہل و عیال دوسرے شہر میں مستقل طور پر رہتے ہیں۔ اور وہیں زندگی گزارنے کا خیال رکھتے ہیں تو اس کا وطن اصلی وہ شہر ہوگا۔ جس میں اہل و عیال ہیں۔ وطن کی دوسری قسم وطن اقامت ہے۔ وطن اقامت اس کو کہتے ہیں جس میں مسافر پندرہ روز یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر کے مقیم ہو جائے۔ بشرطیکہ یہ جگہ عادتاً عموماً ٹھہرنے کے قابل ہو۔ جنگل یا کشتی وغیرہ نہ ہو۔ اور تیسری قسم وطن کی وہ ہے جس میں مسافر پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے۔ وطن اصلی کا حکم یہ ہے کہ مسافر اس میں خواہ کسی طرح داخل ہو جائے مقیم سمجھا جائے گا، اقامت کی نیت کرے یا نہ کرے، قصد داخل ہو یا بلا قصد۔ (مسئلہ۔ جن شہروں کے اسٹیشن وسط شہر میں واقع ہیں ان شہروں کے باشندے اگر ریل میں بیٹھے ہوئے اس شہر سے گزریں گے۔ تو یہاں پہنچتے ہی مقیم ہو جائیں گے۔ پھر اگر آگے مسافت و قصر یعنی اڑتالیس ۲۸ میل جانے کا قصد ہے تو اس شہر کی بستی سے نکل کر پھر مسافر ہو جائیں گے اور اگر اس سے کم مسافت کا ارادہ ہے تو بعد میں بھی بدستور مقیم رہیں گے مثلاً ایک دہلی کا رہنے والا بمبئی سے اپنے وطن دہلی کو واپس آتا ہے لیکن کسی ضرورت سے یہ چاہتا ہے کہ اول سیدھا غازی آباد چلا جائے اور



پھر اپنے وطن دہلی کو واپس آتا ہے تو جس وقت ریل گاڑی اسٹیشن دہلی پر پہنچے گی یہ اسی وقت سے مقیم ہو جائے گا۔ غازی آباد کے زمانہ میں بھی اس کو پوری نماز اقامت پڑھنی چاہیے اور اگر بجائے غازی آباد کے اسی طرح مراد آباد کا قصد ہے تو دہلی اسٹیشن کے حدود تک تو یہ مقیم رہے گا۔ اور جب گاڑی یہاں سے نکل جائے گی تو پھر از سر نو مسافر ہو جائے گا۔ اسٹیشن دہلی پر اگر نماز پڑھے گا تو چار رکعتیں پڑھنی ہوں گی۔ اور اسٹیشن گزرنے کے بعد پڑھے گا تو دو رکعت بشرطیکہ وقت نماز باقی ہوگی۔

مسئلہ: اور اگر مثلاً عصر کے وقت دہلی اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تھی۔ اور نماز پڑھنے نہ پایا تھا کہ اسٹیشن پر غروب ہو گیا۔ اب اسٹیشن دہلی گزرنے کے بعد عصر کی قضا نماز پڑھنا چاہتا ہے تو پوری چار رکعتیں پڑھنی ہوں گی۔

مسئلہ: اگر سفر کی قضا شدہ نماز کو بعد اقامت کوئی شخص ادا کرنا چاہے تو دو رکعتیں پڑھے گا۔ اس طرح اگر حالت اقامت کی قضا شدہ نمازوں کو سفر میں ادا کرنا چاہے پوری چار رکعتیں ادا کرنی ہوں گی۔

مسئلہ: وطن اصلی سفر سے باطل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص ساری عمر سفر میں رہے پھر بھی جو اس کا وطن اصلی ہے وہ وطن ہی سمجھا جائے گا وہاں ایک گھنٹہ کے لئے بھی آئے گا تو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔ (بدائع)

مسئلہ: انسان کا وطن اصلی بدلنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر یا بستی میں مع اہل و عیال کے منتقل ہو جائے اور وہیں عمر گزارنے کی نیت کر لے تو اب یہ وطن اصلی بن گیا۔ اور جس جگہ کو چھوڑ دیا ہے وہ وطن نہیں رہا جب وہاں پہنچے تو نماز قصر ادا کرنی ہوگی۔ (بدائع) اور جب تک پہلے وطن کو چھوڑنے اور دوسری جگہ کو وطن بنانے کی نیت نہ کرے پہلا وطن ہی وطن اصلی رہیگا۔ (درمختار)

مسئلہ: یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک شخص کے دو یا زائد مقام بھی وطن اصلی ہو سکتے ہیں۔ جب کہ دونوں جگہ اس کے اہل و عیال ہوں اور دونوں جگہ



اہل و عیال کی نیت عمر گزارنے کی ہو۔

وطن اقامت: جس میں پندرہ روز یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہاں مقیم رہے نماز پوری مثل مقیم کے ادا کرے۔ اور جب یہاں سے سفر شرعی یعنی اڑتالیس ۲۸ میل کے سفر کے نیت کر کے نکلے تو سفر شروع ہوتے ہی مسافرانہ نماز ادا کرے (درمختار) پھر اگر کبھی اس وطن اقامت میں داخل ہو تو جب تک یہاں پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی دوبارہ نیت نہ کرے، اس وقت تک مسافر ہی رہے گا۔ مسافرانہ نماز پڑھنا چاہیے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وطن اقامت میں خواہ کتنا ہی طویل زمانہ گزرا ہو۔ جب یہاں سے سفر کرے گا یہ وطن باطل ہو جائے گا۔

وطن سکنی: جس میں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں قیام کے باوجود انسان مسافر کے حکم میں رہے گا نماز قصر ادا کرے گا۔ جب تک بیک وقت پندرہ روز کے قیام کی نیت کر کے اس کو وطن اقامت نہ بنائے اس وقت تک نماز قصر ہی ادا کرنا ہوگی۔

مسئلہ: اگر اول دس دن کے قیام کی نیت کی پھر چھ دن گزرنے کے بعد پانچ دن کی اور نیت کر لی اور اسی طرح دو دو چار چار دن کی نیت بڑھاتا رہا مگر پورے پندرہ دن کی نیت بیک وقت نہ ہوئی تو نماز مسافرانہ ہی ادا کرنا ہوگی اگرچہ ساری عمر اسی طرح گزار دے (بدائع) خلاصہ یہ ہے کہ وطن سکنی شرعی اعتبار سے کوئی وطن نہیں۔

## بحری سفر کے احکام

دریا میں بذریعہ جہاز یا کشتی جو سفر کیا جائے اس کے بھی عام احکام وہی ہیں جو خشکی میں سفر کے ہیں، چند احکام کا فرق ہے ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: خشکی میں تین دن کا سفر شرعی اعتبار سے اڑتالیس میل کا سفر سمجھا جاتا



ہے۔ لیکن دریا اور پہاڑ کے سفر میں یہ مسافت معتبر نہیں بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ متوسط درجہ کی کشتی تین دن میں کتنی مسافت طے کرتی ہے وہی مسافت قصر ہوگی، اگرچہ بڑا ذخانی جہاز اس کو ایک ہی گھنٹہ میں طے کرتی۔ اسی طرح پہاڑ کی چڑھائی میں متوسط طاقت والا آدمی تین دن میں جتنی مسافت طے کر سکتا ہے وہی مسافت سفر شرعی ہوگی اور نماز کا قصر اس پر لازم ہوگا۔ اگرچہ ہوائی جہاز یا کسی دوسری سواری میں وہ ایک گھنٹہ میں طے ہو سکے۔

مسئلہ: دریا کے سفر میں کشتی یا جہاز پر امام اعظم کے نزدیک بغیر عذر کے بھی نماز فرض بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا سب کے نزدیک افضل ہے۔ (شرح منیہ ص ۲۷۰) ریل کو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں۔ ریل میں بغیر عذر شرعی کے بیٹھ کر نماز پڑھ لی تو اعادہ لازم ہوگا۔ اور اگر کشتی یا جہاز لنگر ڈالے ہوئے کھڑا ہے تو اس میں بلا عذر کے بیٹھ کر نماز جائز نہیں۔

مسئلہ: جیسے ریل کی سواری میں بوقت نماز قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے اسی طرح کشتی اور جہاز میں بھی استقبال قبلہ فرض ہے۔ قبلہ کی شناخت دریا میں چاند سورج اور دوسرے ستاروں سے بھی ہو سکتی ہے اور قطب نما سے بھی۔  
مسئلہ: جس شخص کو جہاز یا کشتی میں متلی اور چکر آتے ہوں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی قدرت نہ رہے وہ لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

## ہوائی سفر کے احکام

ہوائی سفر کے بھی عام احکام وہی ہیں جو زمین پر سفر کے ہیں۔ البتہ ہوائی جہاز میں نماز ادا کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ جب تک ہوائی جہاز زمین پر کھڑا ہے یا زمین پر چل رہا ہے اس وقت تک تو وہ ریل کے حکم میں ہے اس پر نماز باتفاق جائز ہے۔ لیکن جب وہ پرواز کر رہا ہو تو اس حالت میں بھی عذر کی وجہ سے نماز جائز ہے



ورنہ قواعد فقہیہ کی رو سے اس میں نماز جائز نہ ہونی چاہیے مگر یہ عذر ایسا ہے جو ہوائی جہاز کے سفر کے لئے تقریباً لازمی ہے کیونکہ نہ ہوائی جہاز کو ہر جگہ اتارا جاسکتا ہے اور نہ اس کا اتارنا ہر مسافر کے اختیار میں ہے اور بغیر جہاز کو زمین پر اتارے ہوئے خود اترنے کا کوئی امکان نہیں، اس لئے اگر یہ اندیشہ ہو کہ جہاز کے منزل پر پہنچنے تک نماز کا وقت ختم ہو جائے گا تو نماز ہوائی جہاز میں جائز ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق مع دلائل کے امداد الفتاویٰ مبوب جلد اول ص ۳۶۵ تا ص ۳۶۸ میں مذکور ہے۔

مسئلہ: اگر کھڑے ہو کر ہوائی جہاز میں نماز پڑھ سکتا ہے تو کھڑے ہو کر ادا کرے ورنہ بیٹھ کر پڑھے۔

مسئلہ: ہوائی جہاز میں اکثر تو وضو کے لئے پانی مل جاتا ہے اور اگر پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے بشرطیکہ منزل پر اترنے تک نماز کا وقت فوت ہو جانے کا خطرہ ہے۔

مسئلہ: جس شخص کا ہوائی سفر طویل ہو اور یہ خطرہ ہو کہ بعض اوقات پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کی ضرورت پڑے گی اس کو چاہیے کہ کوئی مٹی کا برتن ساتھ رکھ لے اس پر تیمم ہو سکتا ہے یا کپڑے کے تھیلہ میں مٹی بھی کر ساتھ رکھ لے، تھیلہ کے اوپر تیمم ہو جائے گا جب کہ مٹی کی گرد کپڑے کے اوپر تک پہنچی ہوئی ہو۔

مسئلہ: جس طرح ریل اور بحری جہاز کے سفر میں استقبال قبلہ، نماز کے لئے ضروری ہے اسی طرح ہوائی جہاز میں بھی ضروری ہے اگر قبلہ کا رخ کا پتہ نہ چلے اور کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو اندازہ اور اٹکل سے کام لے کر رخ سیدھا کرے جس طرف اس کا اندازہ قائم ہو جائے تو وہ ہی اس کے لئے سمت قبلہ ہے اگر بعد میں بالغرض اندازہ غلط بھی معلوم ہو تو نماز صحیح ہو گئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۲۱ صفر ۱۳۷۷ھ

۱۔ یہ کتاب اور ہر قسم کی مذہبی کتابوں کا مرکز دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی



حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## مواقیت احرام کا مسئلہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

### اَمَّا بَعْدُ

حق تعالیٰ جل شانہ نے تمام عالم میں سے بیت اللہ کی زمین عزت و شرف کے لئے مخصوص فرما کر اس پر اپنا بیت بنایا جو دنیا میں سب سے زیادہ معظم و مکرم ہے، اس کی تعظیم و شرف کے اظہار کے لئے اس کے گرد یکے بعد دیگرے کئی حلقے قائم فرمائے اور ہر ایک حلقے کی ساتھ کچھ آداب و احکام مخصوص فرمائے۔

سب سے پہلا اور بیت اللہ سے متصل حلقہ مسجد حرام کا ہے جس کے اندر بیت اللہ واقع ہے، اس کے خاص آداب و احکام ہیں جن میں کچھ تو وہ ہیں جن میں دنیا کی دوسری مساجد بھی شریک ہیں، اور کچھ اس مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً اس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہوتا ہے۔ بیت اللہ کا طواف مسجد کے اندر ہوتا ہے اور مسجد حرام سے باہر کوئی سات چکر لگائے، طواف ادا نہیں ہوگا (غنیۃ الناسک)

دوسرا حلقہ پہلے سے زیادہ وسیع شہر مکہ مکرمہ کا ہے، اس کے بھی خاص آداب و احکام اور پابندیاں ہیں مثلاً یہ کہ پورا شہر بھی میں مسجد حرام کی طرح عام پناہ گاہ ہے۔ اس میں کسی مجرم کو بھی جو حرم سے باہر جرم کر کے حرم میں داخل ہو گیا وہاں قتل نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ حرم سے نکلے، نکلنے کے بعد سزا دی جائیگی، اس



میں کسی جانور کا شکار جائز نہیں۔ اس کے درختوں کا اور عام گھاس کا کاٹنا بھی جائز نہیں، مگر اس کی پابندیاں پہلے حلقے یعنی مسجد حرام سے کم ہیں۔

تیسرا بڑا حلقہ حرم کا ہے جو پہلے دونوں حلقوں پر مشتمل ہے، حرم شریف کے حدود مکہ کے چاروں طرف حضرت ابراہیم خلیل اللہ ﷺ کے زمانے سے متعین و محدود ہیں۔

جدہ کی طرف سے جانے والوں کے لئے حد حرم حدیبیہ<sup>۱</sup> کے قریب ہے جہاں دو ستون علامت حرم کے لئے قائم کئے ہوئے ہیں، اس تیسرے حلقے کے احکام و آداب اور شرعی پابندیاں بھی تقریباً وہی ہیں جو دوسرے حلقے کی بیان ہو چکی ہیں البتہ شرف مکانی کے درجات بیت اللہ کے قرب و بعد کے اعتبار سے متفاوت ہوں گے۔

حدود حرم مکہ مکرمہ کے چاروں طرف متعین ہیں کسی طرف کم اور کسی طرف زیادہ سب سے قریب حد حرم تنعیم ہے جو مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور سب سے بعید نو میل پر ہے۔

چوتھا حلقہ ان سب سے وسیع تر ہے جس میں یہ پہلے تینوں حلقے سمائے ہوئے ہیں، وہ حدود مواقیت ہیں، مواقیت میقات کی جمع ہے۔ حرم محترم کے تمام اطراف میں نبی کریم ﷺ نے کچھ مقامات متعین فرمادیئے ہیں، جہاں سے مکہ مکرمہ میں آنے والے پر لازم کیا گیا ہے کہ بغیر احرام کے آگے نہ بڑھے احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا۔ ان مقامات میں سے ہر ایک کو میقات کہتے ہیں اور پورے حلقہ مواقیت کو فقہاء کی اصطلاح میں حل کہا جاتا ہے۔ اس حلقے سے باہر تمام کو آفاق کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس حل صغیر کے بھی کچھ خاص آداب و احکام ہیں، مگر پہلے تینوں حلقوں سے کم ہیں، اس حلقے کی پابندی صرف اس قدر ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل

۱۔ آجکل اس جگہ کو شمسیہ کہتے ہیں۔ ۱۲



ہونے والا اس حلقے میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہو سکتا ہے، اگر کوئی بغیر احرام کے داخل ہو جائے تو اس پر دم یعنی قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی، اس مقالہ میں زیر بحث یہی چوتھا حلقہ ہے۔

اس کے احکام کی تفصیل معلوم کرنے سے پہلے کچھ اصطلاحی الفاظ کی تشریح بیان کر دینا ضروری ہے۔

## اصطلاحی الفاظ کی تشریح

پہلے حلقہ کا اصطلاحی نام مسجد حرام ہے، دوسرے کو مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے، تیسرے کا اصطلاحی نام حرم ہے چوتھا حلقہ حدود حرم سے باہر مگر حدود مواقیت کے اندر ہے اس کا اصطلاحی نام حل ہے یعنی اس میں شکار وغیرہ حلال ہے۔ حدود مواقیت سے باہر سارا عالم آفاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور چونکہ حرم کی پابندی شکار وغیرہ کی جیسے حل میں نہیں ہے ایسے ہی حل سے باہر آفاق میں بھی نہیں اس لئے حل کے مفہوم میں آفاق بھی داخل ہے۔ اسی لئے بعض علماء حلقہ مواقیت کے اندر حرم سے باہر کے حل کو حل صغیر کہتے ہیں اور حدود مواقیت سے باہر آفاق کو حل کبیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

## مواقیت حج کی تعیین

صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ حدیث منقول ہے۔

وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاہل المدینۃ ذا الحلیفۃ ولاہل الشام الجحفة ولاہل نجد قرن المنازل ولاہل الیمن یلملم۔

(بخاری کتاب الحج)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے



لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم میقات مقرر فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے چار میقات متعین فرمائے، ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل اور یلملم، ان مواقیت کی تفصیلی تحقیق آگے آجائے گی۔ اور صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری حدیث میں بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ بھی منقول ہے کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عراق فتح ہونے کے بعد اس کے دوشہر، بصرہ اور کوفہ بسائے گئے تو اہل عراق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجد کے لئے میقات قرن المنازل کو مقرر فرمایا ہے اور وہ ہمارے راستہ سے بہت دور ہے، اگر ہم اس راستہ کو اختیار کریں تو ہماری مسافت اور مشقت بہت بڑھ جاتی ہے، اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

فَانْظُرُوا حَذْوَهَا مِنْ طَرِيقِكُمْ فَحَذَّ لَهُمْ ذَاتَ عَرَقٍ. (صحیح البخاری کتاب الحج)  
ترجمہ: اپنے راستہ سے اس کی محاذات دیکھ لو، چنانچہ (اس طریقہ سے) فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پانچواں میقات ذات عرق نبی کریم ﷺ نے خواہ مقرر نہیں فرمایا تھا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد سے مقرر فرمایا۔

لیکن صحیح مسلم کی روایت میں شک و تردد کے ساتھ اور نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں بغیر شک کے یہ بھی منقول ہے کہ اہل عراق کے لئے ذات عرق کی تعیین خود نبی کریم ﷺ نے فرمادی تھی، یہ روایتیں قوت و صحت کے اعتبار سے اگرچہ بخاری کی روایت کی ہم پلہ نہیں ہیں، مگر ان کو غیر معتبر بھی نہیں کہا جاسکتا، اسی لئے شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح القدیر میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ کوئی بعید نہیں



کہ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس واقعہ سے پہلے وہ حدیث نہ پہنچی ہو جس میں خود نبی کریم ﷺ سے ذات عرق کو اہل عراق کا میقات مقرر فرمانا مذکور ہے اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیکر متعین فرمایا اور حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے خصوصی فضائل میں سے ہے کہ ان کا اجتہاد ٹھیک حدیث کے مطابق واقع ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل عراق کا میقات ذات عرق قرار پایا خواہ اس کو خود رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا ہو یا حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس، لئے کل موافقت پانچ ہو گئے، ان پانچوں موافقت اور ان کے مقامات کی ضروری تشریح یہ ہے۔

### موافقتِ خمسہ کی ضروری تشریح

ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے۔ مصر اور شام کے مسافر جو تبوک کے راستہ سے آتے ہیں ان کا میقات بھی یہی ہے، یہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ پر مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔ جس کو آبار علی یا بیر علی بھی کہا جاتا ہے اور آجکل یہی نام مشہور ہو گیا ہے (حاشیہ ارشاد الساری) اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ تک نو یا دس مرحلے ہیں۔ (البحر الرائق)

اور مخدوم محمد ہاشم سندھی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حیات القلوب میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے ایک سو اٹھانوے میل بتلایا ہے اس مقام سے ذرا ہٹ کر ایک مسجد ہے جس کا نام مسجد شجرہ ہے، آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہاں ایک درخت تھا اس کے نیچے آپ نے احرام باندھا تھا پھر اس جگہ مسجد بنادی گئی، افضل واولیٰ یہی ہے کہ سنت کے مطابق احرام اسی مسجد سے باندھا جائے، اگرچہ یہ ذوالحلیفہ کے ابتدائی حصہ کے بعد ہے اور عام موافقت میں افضل یہ ہوتا ہے کہ میقات کے ابتدائی



حصہ پر احرام باندھا جائے، تاکہ پوری میقات پر اس کا گزر بحالت احرام ہو جائے مگر ذوالحلیفہ بوجہ سنت رسول اللہ ﷺ کے اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہاں ابتداء ذوالحلیفہ کے بجائے مسجد شجرہ سے احرام افضل ہے۔

سید نور الدین سمہووی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ میں نے مسجد نبوی سے مسجد شجرہ تک ہاتھ سے پیمائش کی تو مسجد نبوی کے دروازے باب السلام سے مسجد شجرہ تک انیس ہزار سات سو بتیس (۱۹۷۳۲) ہاتھ پایا، حاشیہ ارشاد الساری میں یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ اس لحاظ سے یہ فاصلہ پانچ میل سے کچھ کم ہوا، کیونکہ میل ہمارے نزدیک چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے اس لوہے کے ذراع سے جو آجکل مستعمل ہے۔ (حاشیہ ارشاد ص ۵۴)

جھہ یہ رابع کے قریب ایک گاؤں تھا جس کو مہیجہ بھی کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کے فاصلہ میں شدید اختلاف ہے۔ ارشاد الساری میں ملا علی قاری نے بتیس میل بتلایا ہے اور حیات القلوب میں مخدوم ہاشم سندھی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے بحوالہ علامہ مرشدی بیاسی میل لکھا ہے اس طرح مراحل کے اعتبار سے فتح الباری شرح البخاری میں بحوالہ شرح مہذب نووی اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تین مرحلے بتلایا اور شیخ عبد اللہ بن سالم نے شرح بخاری میں مکہ مکرمہ تک پانچ منزل کا فاصلہ لکھا ہے اور مدینہ منورہ تک سات منزل (حیات القلوب قلمی ص ۲۱) غالباً وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ جھہ سے مکہ مکرمہ کے لئے راستے مختلف ہیں، کسی راستہ سے مسافت کم ہے، کسی سے زیادہ، یہ گاؤں جھہ یا مہیجہ عرصہ دراز سے ویران اور بے نشان ہو گیا ہے، اس لئے اس طرف آنے والے رابع سے احرام باندھتے ہیں کیونکہ رابع جھہ سے کچھ پہلے ہے، یہاں سے احرام باندھنے والا گویا اصل میقات سے کچھ پہلے احرام باندھتا ہے جو سب کے نزدیک جائز ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے۔

اور رابع ساحل سمندر پر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والوں کے



راستہ پر مشہور قصبہ ہے اور آجکل تو اچھا شہر بن گیا ہے جس میں مسافروں کے قیام کے لئے بڑے بڑے ہوٹل اور قہوہ خانے وغیرہ ہیں۔

قرن المنازل یہ اہل نجد کا میقات ہے جس میں نجد یمن، نجد حجاز و نجد تہامہ شامل ہیں لغت فقہ المغرب میں ہے کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو میدان عرفات کے اوپر ہے اور شرح مصابیح میں ہے، بیضہ کی مانند ایک چکنا صاف اور مدور پہاڑ ہے عرفات کے اوپر آیا ہوا ہے، اہل مکہ اور ان اطراف کے لوگ اس پہاڑ کو کراخیج الکاف کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ قرن اس پہاڑ کا نام بھی ہے اور اس کے متصل وادی کو بھی قرن کہتے ہیں اور اس وادی کے اندر ایک گاؤں جو طائف کے قریب ہے اس کو بھی قرن کہا جاتا ہے۔ (حاشیہ ارشاد الساری ص ۵۵)

البحر الرائق میں ہے کہ قرن کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ ہے اور حیات القلوب میں مخدوم ہاشم سندھی نے بھی بحوالہ نہایہ شرح ہدایہ دو مرحلہ کا فاصلہ اور باقانی شرح ملتقی الابحر کے حوالہ سے پچاس میل کا فاصلہ بتلایا ہے۔ (حیات القلوب قلمی ص ۲۱) یلملم، اہل یمن تہامہ کا میقات ہے مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے، اس زمانہ میں اس کو سعدیہ کہا جاتا ہے علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تیس میل لکھا ہے۔ (حیات القلوب ص ۲۱) علامہ عینی نے لکھا ہے۔

قال ابن حزم هو جنوب مكة و منه الى مكة ثلاثون ميلا (عمدہ)

(۵ ج ۱۴۰)

ابن حزم کہتے ہیں کہ یلملم مکہ مکرمہ کے جنوب میں ہے اور اس سے مکہ مکرمہ تک تیس میل کا فاصلہ ہے۔

اور شیخ عبدالرحمن نجدی نے اپنی کتاب مفید الانام ونور الظلام ص ۵۷ ج ۱ میں اس کا فاصلہ چالیس میل بتلایا ہے، اور قسطلانی شرح بخاری، فتح القدیر شرح ہدایہ اور معجم



البلدان وغیرہ میں میلوں کا فاصلہ بتلانے کے بجائے مرحلتیں یا لیتیں کہا گیا ہے۔  
ذات عرق اہل عراق کا میقات ہے، ایک گاؤں کا نام ہے جو عراق کی طرف  
سے عقیق کے بعد مکہ مکرمہ سے دو منزل کے فاصلہ پر تھا، آجکل ویران ہو گیا ہے، اسی  
لئے اب اس کے بجائے عقیق سے احرام باندھا جاتا ہے کیونکہ ذات عرق کا صحیح تعین  
نہ رہا۔ عقیق سے احرام باندھنے میں اصل میقات سے کچھ پہلے احرام ہوگا اسی میں  
احتیاط ہے۔

علامہ عابد مالکی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ہدایۃ الناسک میں فرمایا کہ ذات عرق مکہ  
مکرمہ کے دومر حلے کے فاصلہ پر طائف کے ایک راستہ سے گاؤں تھا جواب ویران  
ہو گیا ہے اس کا محل وقوع اس مقام کے قریب تھا جس کو آجکل سیل کہا جاتا ہے۔  
(حاشیہ ارشاد الساری ص ۵۵)

قسطلانی نے شرح بخاری میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے بیالیس ۴۲ میل بتلایا  
ہے، اسی طرح فتح الباری شرح بخاری میں بیالیس ۴۲ کا فاصلہ لکھا ہے، نووی، ابن حجر  
مکی نے فرمایا کہ اس کا فاصلہ بھی مکہ مکرمہ سے دومر حلہ کا ہے جیسا کہ قرن اور یلملم کا  
فاصلہ دومر حلے ہیں (حیات القلوب) و مثله فی البحر۔

### مواقیتِ خمسہ کے احکام

جو لوگ آفاق یعنی اطراف عالم سے آنے والے ان میقاتوں کے راستے سے  
گزر رہے ہیں، اگر وہ مکہ مکرمہ میں جانے کے مقصد سے ان مواقیت سے آگے چل  
صغیر کی طرف جائیں جو مواقیت کے اندر اور حرم سے باہر کے علاقے کا نام ہے تو ان  
پر لازم ہے کہ ان مقامات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آگے بڑھیں، بغیر احرام کے  
آگے بڑھنا گناہ ہے اور جو ایسا کرے گا اس کے ذمہ دم (قربانی) دینا واجب ہوگا۔

(ہدایہ، ارشاد الساری)



امام اعظم ابو حنیفہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے نزدیک آفاق یعنی حلِ کبیر سے آنے والا جو شخص مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے خواہ یہ ارادہ کسی دنیوی غرض تجارت یا عزیزوں سے ملاقات وغیرہ کی نیت سے کیا ہو، مگر بیت اللہ کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہو اور بیت اللہ کا یہ حق ادا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص میقات سے آگے مکہ کی طرف بغیر احرام کے نہ بڑھے۔ (ہدایہ)

امام شافعی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے نزدیک یہ پابندی صرف اس شخص کے لئے ہے جو عبادت حج یا عمرہ کے قصد سے مکہ مکرمہ کا ارادہ کر رہا ہے۔ کسی تجارتی غرض یا عزیزوں سے ملاقات یا تفریحی طور سے جانے والے پر احرام باندھ کر جانے اور کم از کم عمرہ ادا کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ)

یہ حکم تو ان لوگوں کے لئے ہے جو آفاق کے کسی علاقے سے آئے مگر کسی میقات کے راستہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے حلِ صغیر میں داخل ہوتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جو لوگ پانچ میقاتوں میں سے کسی میقات پر نہیں گزرتے، دوسرے راستوں سے حلِ صغیر پھر حرم میں داخل ہوتے ہیں ان کا کیا حکم ہے، کیا وہ اس پابندی ہی سے آزاد ہیں اور بغیر احرام کے حرم میں داخل ہو سکتے ہیں، اور اگر ان پر بھی یہ پابندی ہے تو ان کو کس جگہ سے احرام باندھنا واجب ہوگا، ملا علی قاری نے اپنے شرح مناسک میں اس کے متعلق فرمایا ہے۔

وعین هذه المواقیت لیست بشرط ولهذا یصح الاحرام قبلها بل الواجب عینها أو حدوها ای محاذاتها ومقابلتها فمن سلك غیر میقات ای طریقاً لیس فیہ میقات معین برا أو بحرا اجتهد واحرم حرم اذا حاذی میقاتاً منها ای من المواقیت المعروفة ومن حذوا الا بعدا ولی فان الافضل ان یحرم من اول المیقات وهو الطرف الأبعد



عن مكة حتى لا يمر بشئ مما يقال ميقاتا غير محرم ولو احرم من  
الطرف الاقرب إلى مكة جازبا تفاق الاربعة. وإن لم يعلم المحاذات  
فانه لا يتصور عدم المحاذات. فعلى مرحلتين من مكة كجدة  
المحروسة من طرف البحر (ارشاد السارى ص ۵۶) وقال في حاشية  
قوله كجدة فانها على مرحلتين عرفيتين من مكته وثلاث مراحل  
شرعية ووجهه ان المرحلتين اوسط المسافات والا فالأحتياط  
الزيادة كذا في شرح نظم الكنز واقول لعل وجهه ايضا ان اقرب  
المواقيت الى مكة على مرحلتين عرفيتين من مكة فقد ر بذلك

(الارشاد السارى ص ۵۶)

یہی مضمون دوسری تمام کتب فقہ میں مختصراً مفصلاً مذکور ہے۔ اس سے معلوم  
ہوا کہ جو لوگ کسی میقات معین کے اوپر سے نہیں گزرتے بلکہ درمیانی راستوں میں  
سے کسی راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف آتے ہیں، احرام کی پابندی ان پر بھی لازم ہے  
اور طریقہ ان کے لئے یہ ہے کہ وہ جس راستہ سے حل صغیر کے اندر داخل ہو رہے  
ہیں اس راستہ کا جو حصہ کسی میقات کے محاذات میں ہو اسی جگہ سے احرام باندھ  
لیں۔ اگر راستہ ایسا ہے کہ ایک سے زائد میقاتوں کی محاذات راستہ میں آتی ہے تو  
افضل یہ ہے کہ میقات بعد کی محاذات سے احرام باندھیں اور اگر اس سے آگے بڑھ  
کر قریبی میقات کی محاذات سے احرام باندھ لیا تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اصل بنیاد  
اس حکم کی صحیح بخاری کی وہ حدیث مذکور ہے جس میں اہل عراق نے یہی سوال  
حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْہُ کے سامنے پیش کیا اور آپ نے ان کے جواب  
میں فرمایا۔

انظروا حدوها من طريقكم ثم حدلهم ذات عرق (بخاری)

اپنے راستہ سے ان کی محاذات دیکھو، پھر فاروق اعظم رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْہُ نے (اس



طریقے سے) ان کے لئے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرمایا۔

اس میں حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دوسرے راستوں سے گزرنے والوں کے لئے ایک ضابطہ بتا دیا کہ ان کا راستہ جو حلِ صغیر میں داخل ہونے کا ہے اس راستہ پر جہاں کسی میقات کی محاذات آجائے وہی ان لوگوں کے لئے میقات کے حکم میں ہے۔ یہاں سے مکہ کی طرف آگے بڑھنا بغیر احرام کے جائز نہیں۔

پھر اس ضابطہ کی رو سے اہل عراق کے لئے ان کے راستہ کے اس حصہ کو میقات قرار دیا جو قرن المنازل کے محاذات میں ہے یعنی ذاتِ عرق۔

### محاذاتِ میقات کس طرح معلوم کی جائے؟

محاذات کے لغوی معنی مسامت کے ہیں جس کی تشریح شیخ ابن حجر عسقلانی نے تحفۃ المحتاج شرح منہاج میں بالفاظ ذیل کی ہے۔

(وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا لَا يَنْتَهِي إِلَى مِيقَاتٍ فَانْ حَاضِيًا) بِالْمَعْجَمَةِ (مِيقَاتًا) أَيْ سَامِتَةً بَانَ كَانَ عَلَى يَمِينِهِ أَوْ يَسَارِهِ وَلَا عِبْرَةَ بِمَا إِمَامُهُ أَوْ خَلْفُهُ (أَحْرَمَ مِنْ مُحَاضَاتِهِ) (تحفۃ علی ہاشم الحواشی للشرذمۃ ص ۴۱ ج ۴)

ترجمہ: محاذات کا مطلب یہ ہے کہ میقات اس کے دائیں یا بائیں آجائے، سامنے اور پیچھے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

مطلب ظاہر ہے کہ محاذات سے مراد یہ ہے کہ میقات مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے مسافر کی دائیں یا بائیں جانب آجائے۔ اور جب تک میقات اس کے آگے رہے تو محاذات نہیں ہوئی اور جب اس کے پیچھے پڑ جائے تو محاذات سے تجاوز ہو گیا، مسائل نماز میں بھی محاذات کا یہی مطلب ہوتا ہے، اس کتاب میں اس کے بعد فرمایا ہے۔

(لَمْ تَجْزِمْ جَاوِزَتَهُ) إِلَى جِهَةِ الْحَرَمِ (بِغَيْرِ أَحْرَامٍ) وَخَرَجَ بِقَوْلِنَا



الى جهة الحرم ما لو جاوزہ یمنة او یسرة فله ان یؤخر احرامه لكن بشرط ان یحرم من محل مسافته الى مكة مثل مسافة ذلك الميقات كما قاله الماوردي وجزم به غيره وبه یعلم ان الجائی من الیمن فی البحر له ان یؤخر احرامه الى جدة لان مسافتها الى مكة كمسافة یلملم انتھی۔

عبارات مرقومہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مسافر جب راستہ میں کسی میقات کی محاذات پر پہنچا مگر اس کو کسی وجہ سے اس میقات کے راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانا نہیں ہے بلکہ اس کا راستہ کسی دوسری سمت سے ہے تو اس کے لئے اس محاذات پر احرام باندھنا واجب نہیں ہے بلکہ جس راستہ سے اس کو مکہ مکرمہ کی طرف جانا ہے اس راستہ پر محاذات کو دیکھا جائے گا۔ کیونکہ محاذات میقات سے بغیر احرام تجاوز کرنا جو شرعاً ممنوع ہے اس تجاوز سے مراد تجاوز الی جہت الحرم ہے دوسری کسی سمت میں تجاوز ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں جیسا کہ تحفہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہو گیا۔

اور غنیۃ الناسک میں مواقیت کی تعریف ہی اس طرح کی ہے۔

ھی المواضع التي لا یجوز ان یتجاوزها الى مكة والحرم ولو لحاجة الامحراماً۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلا احرام تجاوز ممنوع وہ ہے جو تجاوز الی الحرم ہو دوسری کسی جہت کی طرف تجاوز ممنوع نہیں۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اس دوسری محاذات میں یہ ضروری ہے کہ اس محاذات سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ کم سے کم اتنا ہی ہو جتنا اصل میقات سے فاصلہ ہے۔ مثلاً کوئی شخص یلملم کی محاذات سے جدہ کی طرف بڑھا اور جدہ کے راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے کا قصد کیا تو اس کو احرام اس جگہ باندھنا چاہئے جہاں سے مکہ



مکرمہ کا فاصلہ یلملم کے فاصلہ کی برابر ہو۔ اور حسب تصریح فقہاء یلملم کا فاصلہ بھی مکہ مکرمہ سے مرحلتین کا ہے اور جدہ کا فاصلہ بھی مرحلتین ہے تو دونوں فاصلے مساوی ہونے کی وجہ سے جدہ سے احرام باندھنا جائز ہوگا۔

محاذات کی یہ تفسیر لغوی معنی کے لحاظ سے بھی اقرب ہے اور فقہاء کی تفسیر سے بھی اس کی ترجیح ہوتی ہے۔ صاحب بدائع کی ایک عبارت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ ہے۔

فاما اذا قصدھا من طریق غیر مسلوك فانه يحرم اذا بلغ موضعاً يحاذی میقاتاً من هذه المواقیت لانه اذا حاذی ذلك الموضع میقاتاً من المواقیت صار فی حکم الذی يحاذیه فی القرب من مكة . (بدائع ص ۱۶۴ ج ۲)

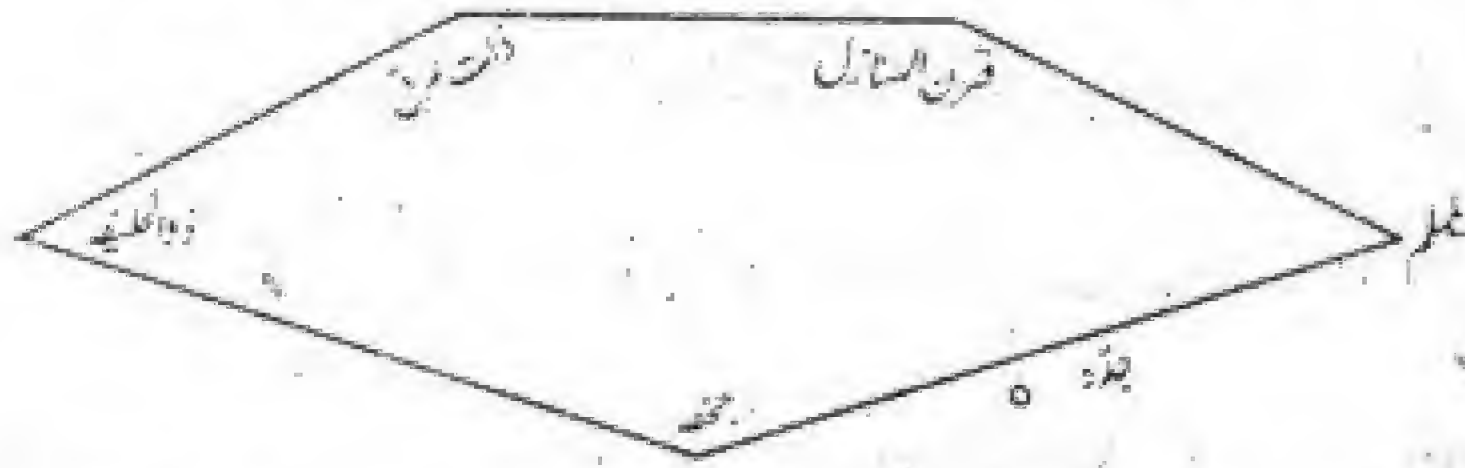
## محاذات کی ایک دوسری تفسیر

علامہ وملا اخوند جان مرغینانی مہاجر مکی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے مواقیت حج کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کی تاریخ تصنیف ۱۳۱۳ھ ہے اور ۱۳۲۳ھ میں تاشقند کے ایک پریس میں چھپا ہے یہ رسالہ حضرت حاجی شیر محمد صاحب سندھی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی مہاجر مدنی نے احقر کو عطا فرمایا تھا جو احقر کے پاس موجود ہے۔ اس رسالہ میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح حدود حرم کے ذریعہ تمام حلقہ حرم کی تعیین کی جاتی ہے کہ حد حرم سے دوسری حد تک ایک خط ملایا جائے اسی طرح تیسری چوتھی حدود کے باہم خطوط ملا کر ان خطوط کے درمیان جو رقبہ زمین آتا ہے وہ حرم کہلاتا ہے۔

اسی طرح مواقیت کے حلقے کو سمجھنا چاہئے ایک میقات سے دوسرے میقات



تک خط ملا کر یہ خط محاذات ہوگا، خط سے باہر آفاق اور خط کے اندر حل کہا جائیگا۔ اس خط محاذات سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ کی طرف تجاوز کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس کی شکل بھی رسالہ کے حاشیہ پر ایک خمس کی صورت میں یہ دی ہے



اس تفسیر محاذات کے مطابق یلملم سے جو خط چھہ کے ساتھ ملایا جائیگا تو جدہ اس خط سے باہر کافی فاصلہ پر رہتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شہر جدہ سے بھی آگے شجرہ کے قریب تک بلا احرام جاسکیں، محاذات کی یہ تفسیر اگرچہ قواعد محاذات کی رو سے تو معقول ہے مگر فقہاء کے کلام میں اس کی تائید نہیں ملتی بلکہ اس کے خلاف یہ تصریحات اوپر گزر چکی ہیں کہ اہل یمن و بلاد مشرق کے باشندے جب جدہ کی طرف سے داخل حل ہوں تو ان پر یہ پابندی لازم ہے کہ جس قدر مسافت یلملم کی مکہ مکرمہ سے ہے اسی قدر مسافت اس طرف سے بھی ہونی چاہئے مثلاً وہ مرحلتین ہے تو ادھر سے بھی مرحلتین کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے ضروری ہے اور وہ جدہ پر ہی ہو سکتا ہے جدہ سے آگے نہیں۔

واملاً اخوند جان کی عبارت اس کے متعلق یہ ہے۔

ظاہر ان المسجد مشتمل علی البیت و حوالہ من کل جهة ومكة مشتمل بها والحرم مشتمل بالثلاثة ممتد من کل جهة الی الحِلّ الصغیر المحيط بالحرم ولا شک ان الحرم غیر مختص بالعلامات الموضوعه فی الطريق بل هو السطح الممتد من کل جهة قرباً وبعداً ولا یتوهم احل ان الحرم المکانات المتصلة بالعلامات فقط وکل عاقل يفهم ان الا ماکن بین العلامات من ارض الحرم مثلاً العلامة



عندالتنعيم الى العلامة عند حديبية كلها حرم لا يقتل صيده ولا يقطع شجره.

ثم الحل الصغير يبتدء من اطراف الحرم من كل جهة الى المواقيت كأنها مخمسة الشكل والحل الصغير بين الحرم والحل الكبير الذى هو جميع الآفاق والمواقيت بعض اجزاء الحل ولهذا يجوز لاهلها تاخير الاحرم الى قريب حد الحرم كما يجوز لاهل الحل الصغير (الى قوله) فتحصل من ذلك ان حرم الحرم اى المواقيت مثل الحرم المحيط بما فى جوفه مثل الخطوط الممتدة بين التقاط فكما ان النقاط مواقيت فكذلك الخطوط بينها والا لجاز الدخول الى الحرم بلا احرام من بين المواقيت. (رساله اخوندجان ص ۱۶۳ طبع تاشقند)

## پاکستان ہندوستان اور مشرقی ممالک سے آنیوالوں کا میقات

آج کل ان ممالک مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لئے راستے دو ہیں، ایک ہوائی دوسرا بحری، ہوائی جہازوں کا راستہ عموماً خشکی کے اوپر سے براہ قرن المنازل ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز قرن منازل اور ذات عرق دونوں میقاتوں کے اوپر سے گزرتے ہوئے اول حل میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر جدہ پہنچتے ہیں۔ اس لئے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم و واجب ہے اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر گزرے گا اس لئے اہل پاکستان اور ہندوستان کے لئے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے وقت ہی احرام باندھ لیں اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہو جائے گی اور گناہ اس کے علاوہ



ہوگا جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے مقبول نہیں ہوتا۔ بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں۔

چین، انڈونیشیا، جاوا وغیرہ کے ہوائی جہاز بھی اگر خشکی پر پرواز کریں تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں اگر ان کے جہاز خشکی کے بجائے سمندر کے اوپر سے پرواز کر کے جدہ پہنچیں تو ان کا حکم وہ ہوگا جو بحری جہاز سے آنے والوں کا ابھی لکھا جائے گا۔

مشرقی ممالک کے لئے دوسرا راستہ بحری سفر کا ہے۔

اس راستہ سے جانے والے بحری جہاز قدیم زمانے میں تو یلملم کے ساحل پر اترتے تھے جو یمن کا ایک حصہ ہے اور اہل یمن کی طرح وہ بھی میقات یلملم سے گذر کر حل میں پھر حرم اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے تھے، اسی لئے عام فقہاء کی تصریحات یہی ہیں کہ ہندوستان، پاکستان اور تمام بلاد مشرق کا میقات یلملم ہے۔ لیکن مدت دراز سے یہ ساحل متروک ہو گیا اب بحری جہاز یہاں نہیں ٹھہرتے بلکہ ساحل یلملم سے پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر محاذات یلملم سے گذرتے ہوئے سمندر ہی میں آگے بڑھ جاتے ہیں اور ساحل جدہ پر قیام کرتے ہیں۔ جدہ ہی سے سب مسافر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں

اس صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ ان ممالک سے بحری جہازوں پر آنے والے مسافروں کے راستے میں عین میقات تو کوئی پڑتا نہیں البتہ محاذات میقات یلملم سے دو جگہ ہوتی ہے، ایک درمیان سفر یلملم کے مقابل سے گزرتے ہوئے دوسرے سفر کے اختتام پر جدہ میں، سابقہ تحریر میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کسی میقات یا اس کی محاذات سے بلا احرام تجاوز کرنا جو ممنوع و ناجائز اور موجب دم ہے وہ اس وقت ہے جبکہ یہ ان کا تجاوز الی جہت الحرم ہو۔ اور اگر ان محاذات سے سمندر ہی میں آگے بڑھتا ہوا آفاق ہی کے اندر سفر کرے تو یہ تجاوز عن المیقات اور موجب دم نہیں



ہوگا۔ جیسا کہ تحفہ شرح منہاج کے حوالہ سے اس کی تصریح پہلے آچکی ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وخرج بقولنا الى جهة الحرم مالم يجاوزه يمنا او يسرة فله ان يؤخر احرامه لكن بشرط ان يحرم من محل مسافته الى مكة مثل مسافة ذلك الميقات كما قاله الماوردي وجزم به غيره وبه يعلم ان الجائي من اليمن في البحر له ان يؤخر احرامه من محاذاة يللمم الى جده لان مسافتها الى مكة كمسافة يللمم كما صرح حوايه.

(تحفہ علی ہامش الحواشی الشریعہ ص ۴۵ ج ۴)

اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرقی ممالک سے بحری جہازوں پر آنے والوں کے لئے محاذات یلملم پر احرام باندھنا واجب نہیں، ہاں! کوئی یہیں پر احرام باندھے تو افضل ہونے میں شبہ نہیں، کیونکہ میقات سے جتنا پہلے کوئی احرام باندھے اتنا ہی ثواب زیادہ ہے۔

اب قابل غور سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب ان لوگوں پر محاذات یلملم سے احرام باندھنا واجب نہ ہو تو پھر کس جگہ سے احرام باندھنا واجب ہوگا جہاں سے تجاوز بلا احرام جائز نہیں۔

### جدہ سے احرام باندھنے کا مسئلہ

یہ بات اوپر واضح ہو چکی ہے کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ خشکی کے اوپر سے جدہ پہنچنے کے لئے میقات قرن المنازل اور میقات ذات عرق کے اوپر سے گزرنا ہوتا ہے اس لئے ہوائی جہاز کے مسافروں کو بلا احرام جانا جائز نہیں، پاکستان، ہندوستان والوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے وقت ہی احرام باندھ لیں۔

البتہ غور طلب مسئلہ بحری جہازوں کا اور ان کے مسافروں کا ہے کہ جب



میقات یملم کی محاذات سے احرام واجب نہ ہوا تو اب کہاں واجب ہوگا۔  
 واملّا اخوند جان کے تحریر کے مطابق تو یہ مقام جدہ شہر سے بھی کچھ آگے چل کر  
 آئے گا، مگر فقہاء کی تصریحات اس سے مختلف ہیں۔ عام فقہاء کے نزدیک جدہ کی  
 طرف سے جانے والے مشرقی مسافروں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مقام پر  
 احرام باندھیں جس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے اس فاصلہ سے کم نہ ہو جو یملم اور مکہ مکرمہ  
 کے درمیان ہے، اب یہ مقام کونسا ہوگا؟ اس کے متعلق علامہ ابن حجر مکی کی کتاب تحفہ  
 شرح منہاج کے حوالہ سے یہ تصریح ابھی گزر چکی ہے کہ یہ مقام جدہ ہے کیونکہ  
 مسافت جدہ کی مکہ مکرمہ سے اتنی ہی ہے جتنی یملم کی مکہ مکرمہ سے ہے۔

لہ ان يؤخر احرامه من محاذات یملم

الیٰ جدہ لان مسافتها الیٰ مکة کمسافة یملم

علامہ ابن حجر مکی کی تصریحات بالا سے تو یہ معلوم ہوا کہ حقیقی محاذات اس طرف  
 سے معلوم کرنے کا طریقہ ہی یہ ہے کہ مسافت مرحلتین کا اعتبار کیا جائے جس طرح  
 یملم سے مکہ مکرمہ دو مرحلے پر ہے۔ اسی طرح جدہ سے دو مرحلے ہیں اس لئے  
 مسافت برابر ہونے کی وجہ سے جدہ ہی محاذات یملم قرار دیا جائے گا۔

فقہاء حنفیہ میں حضرت ملا علی قاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے بھی کسی قدر فرق کی ساتھ  
 اس کی موافقت فرمائی وہ یہ کہ اگر حقیقی محاذات کا علم نہ ہو تو پھر دو مرحلے کی مسافت کا  
 اعتبار کر کے جدہ ہی کو بحکم میقات سمجھا جائے گا، ان کے الفاظ مناسک ملا علی قاری  
 میں یہ ہیں۔

وان لم یعلم المحاذاة فعلى مرحلتين من مكة كجدة المحروسة

من طرف البحر. (ارشاد الساری ص ۵۶)

اسی طرح غنیۃ الناسک میں بحوالہ طوابع لکھا ہے:

وان لم یعلم المحاذات فعلى مرحلتين عرفيتين من مكة كجدة



من طرف البحر فانها على مرحلتين عرفيتين من مكة وثلاث مراحل شرعيه. طوالع (غذیۃ الناسک ص ۲۶)۔

اسی طرح فقیہ العصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے بھی اب سے پچاس سال پہلے ۱۳۲۸ھ میں یہی فتویٰ دیا تھا کہ حقیقی محاذات معلوم نہ ہونے کے سبب جدہ ہی کو میقات قرار دیا جائے گا۔

امداد الفتاویٰ تتمہ خامسہ طبع قدیم کے ص ۱۴۹ پر اور طبع جدید کی جلد دوم ص ۱۴۰ میں ان کا یہ ارشاد بالفاظ ذیل منقول ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مدینہ کا راستہ بند ہونے کی صورت میں حج کا احرام کہاں سے باندھے گا؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ حج بدل کا احرام جدہ سے ہوگا۔ مناسک ملا علی قاری میں عبارت موجود ہے۔

وان لم یعلم المحاذات فعلى رحلتين من مكة كجدة المحروسة من طرف البحر.

اور یہ ظاہر ہے اہل ہند کے لئے یلمم کی محاذات کسی معتبر طریقے سے نہیں ہوتی لہذا جدہ ان کے لئے میقات ہے۔ (۱۷ شعبان ۱۳۲۸ھ)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ان سے زبانی بھی اس کی تصدیق ہوئی کہ حضرت مولانا موصوف اہل ہند کے لئے بحری جہاز سے آنے کی صورت میں جدہ ہی کو ان کا میقات قرار دیتے تھے۔ یہ تمام اقوال سابقہ اس پر تو متفق ہیں کہ مکہ مکرمہ کی مسافت یلمم اور جدہ سے مساوی یعنی مرحلتین ہے۔ علامہ ابن حجر کی اس مرحلتین کو عین محاذات قرار دے کر جدہ سے احرام کو جائز لکھتے ہیں اور ملا علی قاری اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اس بنا پر جدہ کو قائم مقام محاذات کا قرار دیتے ہیں کہ اصل محاذات کا علم نہیں۔ اس لئے مسافت کا اعتبار کر کے مکہ مکرمہ



سے دو مرحلہ پہلے احرام باندھنا واجب ہے اور جدہ چونکہ دو مرحلہ کی مسافت پر ہے اس لئے جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہو گیا۔

ان تمام عبارات مرقومہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرات فقہاء نے اس مسافت کی تعیین میں میلوں کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا بلکہ مراحل کا اعتبار کیا ہے اور مراحل کی مسافت میلوں کے اعتبار سے کم و بیش ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فتح الباری و عمدة القاری میں بحوالہ ابن حزم یلملم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تیس میل لکھا ہے، اور بعض علماء نے چالیس میل بھی فرمایا ہے اور آجکل کے پیمائش کرنے والوں نے باون تک بتلایا ہے۔ پھر اسی کو سب نے مرحلتین بھی فرمایا ہے۔ اور قرن المنازل کا فاصلہ میلوں کے اعتبار سے مخدوم ہاشم سندھی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے حیات القلوب میں بحوالہ باقانی شرح ملتقی الا بحر پچاس میل بتلایا ہے اور اس کو بھی تمام فقہاء نے مرحلتین ہی فرمایا ہے کما فی البحر الرائق۔

اسی طرح ذات عرق کو بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ پر لکھا ہے۔ (ارشاد الساری ص ۵۵ والنووی شرح مسلم تحفہ ابن حجر مکی)۔ اور میلوں میں اس کا فاصلہ قسطلانی اور فتح الباری شرح بخاری میں بیالیس میل بتلایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ میلوں کے اعتبار سے فاصلوں کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ تیس میل کو بھی دو مرحلے قرار دیا۔ پچاس میل کو بھی بیالیس میل کو بھی۔ اور اعتبار مراحل کا کر کے ان کی مسافتوں کو مکہ مکرمہ سے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

جدہ کو میقات اہل یمن و اہل مشرق قرار دینا اسی اصول پر مبنی ہے کہ مسافت مرحلتین پر ہے۔ اب میلوں کے اعتبار سے کتنا ہے اس کی تحقیق ضروری نہیں رہی۔ آجکل کی پیمائش کے اعتبار سے جدہ کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تقریباً چھیالیس میل ہے۔

## میقات یلملم کے فاصلہ میں اختلاف کی وجہ

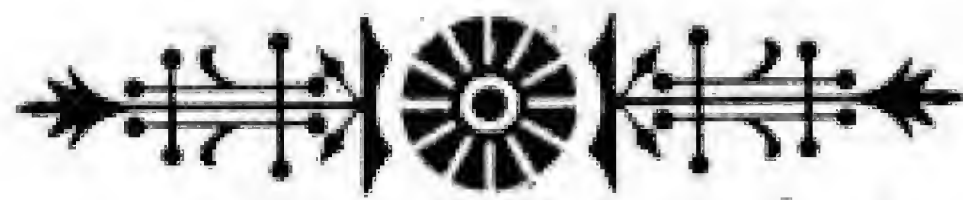
یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ فقہاء کے نزدیک اس جگہ مسافت میں مراحل کا اعتبار



ہے، میلوں کی کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم میلوں کا فاصلہ بھی اکثر فقہاء و علماء لکھتے چلے آئے ہیں، شرح بخاری عمدۃ القاری، فتح الباری وغیرہ میں تو بحوالہ ابن حزم یہ فاصلہ تیس میل بتلایا ہے۔ اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن نجدی نے اپنی کتاب مفید الانام الظلام ص ۵۷ ج ۱ میں یہ فاصلہ چالیس میل کا لکھا ہے اور آجکل بعض اہل فن نے یہ فاصلہ باون میل کا بتلایا ہے، اس اختلاف کا اصل منشا موجود ہے جو تحفہ شرح منہاج کے حاشیہ میں شیخ عبدالحمید شروانی نزیل مکہ مکرمہ نے بتلایا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

وقد علمت ان یلملم جبل محاذ للسعدیة وسمعت ان بحذاء السعدیة جبلین احدهما بین طرفها المحاذی لمكة و بین مكة اکثر من مرحلتین والثانی ممتد لجهة مكة بینہ و بین مكة باعتبار طرفه الذی بجهتها مرحلتان فاقل۔ (حواشی شروانیہ ص ۴۶ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ یلملم اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جو سعدیہ کے محاذ میں واقع ہے اور وہ دو پہاڑ ہیں، ایک کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے میلوں کے اعتبار سے دو مرحلے سے زیادہ ہے دوسرے کا فاصلہ دو مرحلے سے بھی کم معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزم نے اس دوسرے فاصلہ کا اعتبار کر کے تیس میل بتلایا ہے اور جنہوں نے پہلے فاصلہ کو لیا انہوں نے چالیس پچاس میل تک کا فاصلہ قرار دیا۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی، جنوری ۱۹۶۹ء)





مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ

## دوسروں کے لئے حج

حج بدل کے مسائل سے پہلے ایک اصولی سوال کا جواب سمجھ لیجئے۔ سوال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے کوئی عبادت ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں، ایک عبادت بدنی جیسے نماز، روزہ، دوسری عبادت مالی جیسے زکوٰۃ صدقۃ الفطر۔ تیسری وہ عبادت جو بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے یعنی اس میں کچھ مال بھی خرچ ہوتا ہے کچھ جسمانی محنت بھی اٹھانی پڑتی ہے جیسے حج و عمرہ وغیرہ۔

ان تینوں قسم کے احکام یہ ہیں کہ عبادات بدنیہ میں تو ایک کا فرض کوئی دوسرا آدمی مطلقاً ادا نہیں کر سکتا۔ ایک کی نماز کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا، ایک کا روزہ دوسرا نہیں رکھ سکتا۔ اور عبادات مالیہ میں مطلقاً ایک کا فرض دوسرا ادا کر سکتا ہے۔ جس پر زکوٰۃ فرض ہے وہ کسی کو بھی اپنا وکیل بنا کر زکوٰۃ اس کے ذریعہ ادا کر سکتا ہے اس کا مسلمان ہونا، بھی شرط نہیں اور کوئی دوسرا آدمی اپنے مال سے دوسرے کی زکوٰۃ اس کی اجازت کے ساتھ ادا کر سکتا ہے اس میں کوئی شرط نہیں۔

تیسری قسم یعنی وہ عبادت جو مالی اور بدنی سے مرکب ہے اس کا حکم یہ ہے کہ خود ادائیگی پر قادر ہونے کی حالت میں تو کوئی دوسرا اس کی طرف سے ادا نہیں کر سکتا البتہ خود قدرت نہ ہو تو ضرورت کے وقت دوسرا آدمی اس کا فرض ادا کر سکتا ہے، حج اسی



قسم میں داخل ہے کیونکہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور محنت بھی اس تیسری قسم کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

مسئلہ :- یہ حکم ان فرض اور واجب عبادات کا ہے جو مالی اور بدنی دونوں عبادات پر مشتمل ہوں کہ ایک کا فرض دوسرا آدمی ادا کر دے۔ لیکن نفلی عبادات میں ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی عبادات کا ثواب جس کو چاہے بخش دے۔ خواہ عبادت بدنی نماز روزہ ہو یا مالی صدقات ہوں یا حج وغیرہ جو دونوں سے مرکب ہیں، وہ ہوں ہر قسم کی نفلی عبادت کا ثواب ہر آدمی کو حق ہے کہ جس کو چاہے بخش کر سکتا ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، جس کا طریقہ یہ ہے کہ عبادت کرنے کے بعد دل سے نیت کر لے اور زبان سے کہہ دینا زیادہ بہتر ہے کہ اس عبادت کا ثواب فلاں شخص کو پہنچے، اس میں بھی اختیار ہے کہ عبادت کا ثواب چند آدمیوں کو پہنچا دے۔ اہلسنت والجماعت کا یہی مسلک ہے کہ جو شخص اپنی عبادت کا ثواب کسی کو بخش دے تو وہ اس کو پہنچتا ہے البتہ بعض ائمہ فقہاء کے نزدیک بدنی عبادت کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں بخشا جاسکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص نفلی طور پر اپنے حج یا عمرہ کا ثواب دوسرے کو بخش دے تو یہ بھی جائز ہے اور اس کے لئے کوئی شرط نہیں جبکہ یہ حج و عمرہ اپنے مال سے کیا ہو۔ اور اگر کوئی اپنا مال خرچ دے کر اپنی طرف سے نفلی حج یا عمرہ کرنے کے لئے کسی کو بھیجے تو اس میں چند شرائط اور ضروری ہیں۔

## حج بدل فرض کے احکام

مسئلہ :- جس شخص پر حج فرض ہو گیا اور اس نے ادائے حج کا زمانہ بھی پایا مگر باوجود قدرت سے کسی وجہ سے حج ادا نہ کیا پھر وہ حج سے معذور اور عاجز ہو گیا تو اس پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر خود حج بدل کرائے یا وصیت کرے کہ میرے بعد میری طرف سے حج کرایا جائے۔



مسئلہ :- اگر حج کی مالی استطاعت حاصل ہونے کے بعد زمانہ حج آنے سے پہلے فوت ہو گیا تو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حج اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔ اسی طرح اگر یہ شخص پہلے ہی سال حج کے لئے روانہ ہو گیا، پھر حج سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کے ذمہ سے بھی حج ساقط ہو گیا، وصیت کی ضرورت نہیں۔

### حج سے عاجز و معذور قرار دینے کی شرائط

حج سے عاجز و معذور ہونے کی ایک صورت تو وہ ہے جو اوپر گزری کہ حج کا موقع پانے سے پہلے انتقال ہو گیا۔ اس میں حج سرے سے ساقط ہو جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کسی نے قید کر لیا، یا زبردستی مکہ معظمہ جانے سے روک دیا، تیسری یہ کہ کوئی ایسا مرض پیش آ گیا جس سے صحت کی امید نہیں مثلاً اپانج یا نابینا یا لنگڑا ہو گیا یا بڑھاپے کا ضعف ایسا ہو گیا کہ خود سواری پر سوار نہیں ہو سکتا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ راستہ مامون نہیں، یا سفر کرنے میں جان و مال کا اندیشہ ہے۔ پانچویں صورت خاص عورتوں کے لئے یہ ہے کہ کوئی محرم ساتھ سفر کرنے کے لئے نہ ملا۔ ان سب صورتوں میں اس کو معذور سمجھا جائے گا بشرطیکہ یہ عذر موت تک مسلسل جاری رہا۔ اگر یہ اعذار قبل الموت رفع ہو جائیں مگر پھر خود زمانہ حج پانے کی صورت میں حج کرنے کی نوبت نہ آئے تو حج بدل کرنا یا اس کی وصیت کرنا واجب ہے اور اگر مرنے تک یہ اعذار قائم رہے تو حج بدل کی وصیت کر جائیں اور وارث حج کرا دیں۔

حج بدل کی شرائط جس شخص کے ذمہ حج فرض ہو یا اس نے بذریعہ نذر (منت) اپنے اوپر حج یا عمرہ کو لازم کر لیا ہو پھر خود ادا کرنے کی قدرت نہ رہی جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے، تو ایسے شخص کا حج یا عمرہ بطور بدل ادا کرانے کے لئے بیس شرطیں ہیں ان شرائط میں دو لفظ بار بار آئیں گے ان کے معنی سمجھ لیجئے۔ ایک آمردوسرا مامور حج کرانے والے کو آمر کہتے ہیں اور جو دوسرے کے حکم سے حج بدل کرتا ہے اس کو مامور کہتے ہیں۔



پہلی شرط: جس شخص کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہو اس پر حج بدل کرنے کے وقت حج فرض ہو۔ اگر اس وقت اس پر حج فرض نہیں تھا اس حالت میں اپنی طرف سے حج بدل کرایا تو یہ نفلی حج ہوا اگر اس کے بعد اس کو حج کی استطاعت ہو تو حج فرض ہو گیا دوبارہ حج خود کرنا پڑے گا۔ خود نہ کر سکا تو حج بدل دوبارہ کرنا پڑے گا۔

دوسری اور تیسری شرط: دائمی عجز اور حج بدل کرانے سے پہلے عاجز ہونا یعنی جن عذار کی وجہ سے انسان کو حج سے عاجز قرار دیا گیا ہے جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ ان عذار کا موت تک باقی رہنا۔ حج بدل کرنے سے پہلے موجود ہونا فرض حج بدل کے لئے شرط ہے۔ اگر کسی معذور شخص کا حج بدل کر دینے کے بعد عذر رفع ہو گیا۔ اور حج پر قدرت ہو گئی مثلاً بیمار تھا اچھا ہو گیا۔ عورت کو محرم مل گیا تو دوبارہ خود حج ادا کرنا ضروری ہو گا اور جو حج بدل کرایا ہے وہ نفلی حج ہو جائے گا۔ (مناسک ملا علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ)

چوتھی شرط:۔ جس کا حج فرض ادا کرنا ہے اس کی طرف سے حج بدل کرنے والے کو حکم کیا گیا ہو یا کم از کم اجازت دی گئی ہو، اگر اس کے امر و اجازت کے بغیر کسی شخص نے اس کی طرف سے حج بدل کر دیا تو اس کا فرض ادا نہ ہوگا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جس پر حج فرض تھا اور اس نے ادا نہیں کیا اور ادا کرانے کے لئے وصیت بھی نہیں کی، تو کوئی آدمی اگر اس پر احسان کر کے اس کی طرف سے حج بدل کر دے تو اس کا حج فرض ادا نہ ہوگا۔ لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث کی بناء پر فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے والدین کی طرف سے یا کسی اور وارث یا اجنبی نے اپنے مرنے والے عزیز کی طرف سے بغیر اس کے امر اور وصیت کے ہی حج بدل ادا کر دیا تو انشاء اللہ اس کا فرض ادا ہو جائے گا یہ اس لئے کہا کہ کسی واضح حدیث سے اس کا ادا ہو جانا یقینی طور پر ثابت نہیں۔



پانچویں، چھٹی، ساتویں شرط :- یہ ہے کہ مامور یعنی حج بدل کرنے والا مسلمان عاقل ہو مجنون پاگل نہ ہو۔ اگر نابالغ ہو تو ممیز ہو یعنی احکام حج ادا کرنے اور سفر کے انتظام کی تمیز رکھتا ہو۔

مسئلہ :- معلوم ہوا کہ مامور کا بالغ ہونا شرط نہیں نابالغ بھی حج بدل کر سکتا ہے بشرطیکہ اس میں اتنی تمیز اور صلاحیت ہو کہ احکام حج ادا کر دے یعنی قریب البلوغ ہو مگر اس میں بعض علماء کا اختلاف ہے اس لئے احتیاط یہ ہے کہ نابالغ سے حج نہ کرایا جائے۔ (از مناسک ملا علی قاری)

آٹھویں شرط یہ ہے کہ حج بدل کرانے پر کوئی اجرت و معاوضہ نہ لیا جائے۔ اگر کسی نے باقاعدہ اجرت طے کر کے کسی سے حج بدل کرایا تو لینے اور دینے والے دونوں گناہگار ہوں گے مگر حج آمر کا ادا ہو جائے گا۔ اور جو معاوضہ حج پر لیا ہے وہ واپس کرنا واجب ہوگا البتہ بقدر اخراجات حج مامور کو آمر کی طرف سے مال دلایا جائے گا۔ نویں، دسویں شرط :- یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہو اس کے مال سے حج کرے اور سواری پر کرے پیادہ نہ ہو اگر حج بدل کرنے والے نے اپنا مال خرچ کر کے اس کی طرف سے حج بدل کر دیا تو اس کا فرض ادا نہیں ہوگا اور شرط یہ ہے کہ اکثر حصہ مصارف حج کا اس کی طرف سے ہو اگر کچھ تھوڑا مال خود حج بدل کرنے والے نے اپنا خرچ کر لیا تو مضائقہ نہیں اسی طرح اگر پیادہ حج کیا آمر یعنی حج کرانے والے کا حج فرض ادا نہیں ہوگا۔ اس میں بھی اکثر سفر کا سواری پر کرنا کافی ہے، کچھ حصہ سفر کا پیادہ بھی طے کر لیا تو حرج نہیں۔

گیارہویں شرط :- آمر یعنی حج کرانے والے کے وطن سے سفر شروع کیا جائے اگر حج کرانے والے کے کئی وطن ہوں تو اس وطن کا اعتبار ہوگا جو بہ نسبت دوسرے کے مکہ مکرمہ کی طرف قریب ہو۔

مسئلہ :- جو شخص ہندوستان میں فوت ہوا اور حج بدل کی وصیت کر گیا مگر بعد میں اس



کے اہل و عیال یا جس کو وصیت کی تھی وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گیا تو وصی پر لازم ہے کہ اس کا حج ہندوستان کے وطن سے کرائے، ہندوستان ہی سے کسی آدمی کو حج بدل کے لئے مامور کر دے لیکن اگر وہاں سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیجنے پر قدرت نہ ہو خواہ اس وجہ سے کہ رقم وہاں بھیجنا مشکل ہو جائے یا وہاں سے کسی آدمی کا بھیجنا قدرت میں نہ ہو تو پاکستان ہی میں اس جگہ سے جہاں وصی ہجرت کر کے آیا ہے کسی کو حج بدل کے لئے بھیج دے تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ صراحتاً کتب فقہ میں موجود نہیں ہے مگر اس کی ایک نظیر یہ موجود ہے کہ میت کا مال اگر اس کے وطن سے حج کرانے کے لئے کافی نہ ہو تو جس جگہ سے کافی ہو وہاں سے حج کر دینے کی اجازت ہے۔ اس صورت میں بھی آمر کے وطن سے حج کرانے پر قدرت نہ رہی تو جہاں سے قدرت ہے وہیں سے حج کر دینا انشاء اللہ کافی ہوگا۔ بارہویں شرط:، مامور یعنی حج بدل کرنے والا احرام باندھنے کے وقت حج کی نیت آمر یعنی حج کرانے والے کی طرف سے کرے اگر احرام کے وقت نیت نہیں کی تو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افعال حج شروع کرنے سے پہلے پہلے نیت کرنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ احرام کے وقت زبان سے کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں۔ اور پھر جب تلبیہ کہے تو اس میں یہ الفاظ کہے لبیک عن فلاں فلاں کی جگہ اس کا نام لے اگر نام یاد نہ رہے تو صرف اتنا کہہ دے کہ جس نے مجھے حج بدل کے لئے بھیجا ہے اس کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں۔ اور لبیک عن الامر کہہ دے اور اگر زبان سے کچھ بھی نہ کہے صرف دل سے نیت آمر کے حج کی کرے تو یہ بھی کافی ہے اگر احرام باندھنے کے وقت مطلق حج کی نیت کر لی اپنی یا دوسرے کی کوئی نیت نہیں کی تو افعال حج شروع کرنے سے پہلے آمر کی طرف سے نیت کر لینا کافی ہو جائے گا۔

تیرھویں اور چودھویں شرط: مامور یعنی جس کو حج بدل کے لئے کہا گیا ہے وہ خود ہی



اس کی طرف سے حج بدل کرے کسی دوسرے سے بغیر اجازت آمر کے کرانا جائز نہیں۔ اگر بغیر اجازت کے کسی کو بھیجا تو وہ حج مامور کا ہو جائے گا۔ آمر کا نہیں ہوگا اور آمر کی رقم واپس کرنا پڑے گی اس لئے بہتر یہ ہے کہ مامور کو اجازت عام دے دی جائے کہ وہ کسی وجہ سے خود نہ کر سکے تو دوسرے سے کر دائے۔ اسی طرح مرنے والے نے حج بدل کی وصیت میں کسی خاص کو معین کہہ دیا کہ اس کے سوا میرا حج بدل کوئی اور نہ کرے تو کسی دوسرے سے اس کا حج بدل کرانا جائز نہیں اور اگر معین تو کیا مگر دوسرے کی نفی نہیں کی یعنی صرف اتنا کہا کہ میرا حج بدل فلاں سے کرادیں اس صورت میں بہتر تو یہی ہے کہ اسی معین شخص سے حج کرائیں، ہاں! اگر وہ انکار کر دے یا کسی وجہ سے معذور ہو جائے تو دوسرے سے کر سکتے ہیں اس کے انکار اور معذوری کے بغیر بھی اگر وصی نے کسی اور کو بھیج دیا تو حج فرض آمر کا ادا ہو جائے گا۔ (ملا علی قاری)

پندرھویں شرط: مامور حج کو فاسد نہ کرے فاسد ہونے کی صورت یہ ہے کہ وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لے اور فوت کرنے کی صورت یہ ہے کہ احرام کے باوجود عرفات کا وقوف نہ کرے اگر فاسد کر دیا یا فوت کر دیا تو آمر کا حج ادا نہ ہوا اور فاسد کرنے والے پر واجب ہوگا کہ آمر کی رقم جتنی اس نے حج بدل کے لئے دی تھی واپس کرے اور آئندہ سال اپنے مال سے حج کی قضا کرے، یہ قضا بھی اسی مامور کی طرف سے ہوگی آمر کی طرف سے نہیں ہوگی۔ آمر کو اپنا حج بدل الگ کرانا ہوگا۔

اور فوت ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اپنی غفلت و کوتاہی سے ارکان حج ادا نہیں کئے اس صورت میں اسکو بھی آمر کی رقم کا ضمان دینا پڑے گا۔ اور اپنے فوت شدہ حج کی قضا اپنے مال سے الگ کرنا ہوگی۔ اس قضا سے بھی آمر کا حج فرض ساقط نہیں ہوگا اور خود مامور کا بھی حج فرض اس سے ادا نہیں ہوگا، اگر بعد میں اس کو حج پر قدرت ہو گئی تو اپنا فرض الگ ادا کرنا پڑے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آسمانی آفت، بیماری یا قید ہو جانے وغیرہ کے سبب ارکان حج کی ادائیگی سے معذور ہو گیا اس



صورت میں اس پر لازم ہے کہ اگلے سال اس کی قضا کرے اور آمر کو کوئی ضمان دینا نہیں پڑے گا۔ مگر اگلے سال جو قضا کرے گا اس سے آمر کا حج ادا ہو سکتا ہے۔ اگر آمر اس کو حکم کرے اور یہ قضا میں آمر کی نیت کر لے۔

سترھویں اور اٹھارھویں شرط: مامور صرف ایک حج کا احرام باندھے ایسا نہ کرے کہ بیک وقت دو حج کی نیت کر کے احرام باندھے ایک اپنا ایک آمر کا۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ ایک ہی شخص کی طرف سے احرام باندھے۔ ایسا نہ کرے کہ دو آدمیوں کے حج کی نیت کرے اور دونوں کے لئے احرام باندھے۔

انیسویں شرط: مامور یعنی حج بدل کرنے والا آمر یعنی کرانے والے کے میقات سے احرام باندھے یعنی اس کے وطن سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے جو میقات آتا ہے اس سے احرام حج بدل کا باندھے جیسے ہندو پاکستان والوں کے لئے بحری جہاز سے سفر کرنے میں یلملم ہے۔ اگر مامور نے یہاں سے احرام عمرہ کا باندھا، عمرہ ادا کر کے مکہ معظمہ سے احرام حج کا باندھا جیسا کہ حج تمتع کا قاعدہ ہے تو چونکہ حج میقات آمر سے نہیں ہوا اس لئے آمر کا حج ادا نہ ہوا خود مامور کا ہو گیا۔ اس پر لازم ہے کہ آمر کی دی ہوئی رقم اس کو واپس کرے۔ بیسویں شرط: یہ ہے کہ مامور آمر کی مخالفت نہ کرے مثلاً آمر نے اس کو حج افراد کرنے کے لئے کہا تھا۔ اگر اس حج کے ساتھ عمرہ بھی ملا کر قرآن کر لیا تو آمر کا حج ادا نہیں ہوگا مامور پر ضمان آئے گا کہ آمر کی رقم واپس کرے۔ یہ حکم اس صورت میں تو متفق علیہ ہے جبکہ اس نے عمرہ کی نیت اپنی طرف سے اور حج کی نیت آمر کی طرف سے کی ہو اور اگر عمرہ بھی آمر کی طرف سے کیا حج بھی تو اس میں امام اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا قول تو یہی ہے کہ مخالفت آمر کی وجہ سے یہ حج آمر کا نہیں مامور کا ہوگا اور اس پر ضمان لازم ہوگا۔ مگر صاحبین کے نزدیک آمر کا حج اس سے ادا ہو جائے گا۔ (مناسک ملا علی قاری)

امام اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے نزدیک چونکہ اس حکم کا مدار مخالفت آمر پر ہے اس



لئے اگر آمر نے خود ہی اجازت قرآن کی دے دی ہے تو مقتضائے کلام یہ ہے کہ بہ اتفاق حج آمر کا ادا ہو جائے گا۔ یہ حکم قرآن کا ہے۔ اگر مامور نے عمرہ کا اضافہ بصورت تمتع کر لیا کہ میقات آمر سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کر لیا پھر مکہ مکرمہ سے احرام حج کا باندھا تو امام صاحب اور صاحبین دونوں کے نزدیک آمر کا حج ادا نہیں ہوا، مامور پر ضمان واجب ہے۔ یظہر کمافی البحر والفتح

### خلاصہ شرائط

شرائط مذکور میں چار شرائط تو آمر حج کرانے والے کی ذات سے متعلق ہیں۔

- ۱ اس کا مسلمان ہونا اور اسپر حج فرض ہونا اور خود قادر نہ ہونا ۲ اس کے عجز کا دائمی ہونا ۳ حج بدل کرانے سے پہلے عاجز ہونا ۴ حج بدل کرے لئے کسی کو خود مامور کرنا یا اس کے لئے وصیت کرنا۔ اور چار شرائط مامور کی ذات کے متعلق ہیں ۵ مسلمان ہونا ۶ عاقل ہونا ۷ اگر نابالغ ہو تو ممیز قریب بلوغ ہونا ۸ حج بدل کی کوئی اجرت و معاوضہ نہ لینا۔ باقی شرائط افعال حج سے متعلق ہیں کہ ۹ حج بدل کرنے میں اکثر مال حج کرانے والے آمر کا خرچ کرے کچھ تھوڑا اپنی طرف سے خرچ کر دے تو مضائقہ نہیں۔ ۱۰ اکثر حصہ سفر کا سواری سے طے کرے، پیادہ حج کرے تو آمر کا حج نہیں ہوگا۔ ۱۱ آمر کے وطن سے سفر شروع کرے ۱۲ حج کو فاسد نہ کرے ۱۳ آمر ہی کی طرف سے حج کی نیت بوقت احرام کرے ۱۴ فوت بھی نہ کرے ۱۵ آمر کی مخالفت نہ کرے۔ باقی پانچ شرطوں کا تعلق اسی شرط مخالفت سے ہے وہ درحقیقت الگ شرط نہیں۔

مسئلہ: یہ تمام شرائط فرض حج بدل کے لئے ہیں، نفلی حج اور عمرہ کے لئے دوسری شرائط ہیں۔ مسئلہ شرائط مذکورہ کے مطابق حج فرض جس کی طرف سے کیا گیا صحیح اور رائج فقہاء کے نزدیک یہی ہے کہ یہ حج و عمرہ آمر یعنی حج کرانے والے کا ہوگا اور حج و عمرہ کرنے



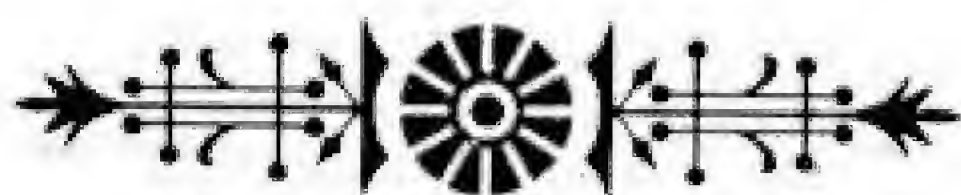
والے کو اس کی امداد کرنے کا ثواب ملے گا اور حج کے بعد زائد عمرے یا طواف وغیرہ جو کرے گا تو وہ خود اس کے ہوں گے عمرہ یا حج نفل میں بھی جبکہ آمر کے خرچ سے کیا گیا ہو یہی حکم ہے کہ آمر کا ہوگا مامور کو اس کے عمل کا ثواب ملے گا۔ کذا فی الحاکم ارشاد الساری وغنیہ،

البتہ اگر نفلی حج یا عمرہ کسی نے اپنے خرچ سے کیا اور کرنے کے بعد کسی کو ثواب پہنچا دیا تو یہ حج و عمرہ خود کرنے والے کا ہوگا اور جس شخص کو ثواب پہنچایا ہے اس کو ثواب ملے گا۔ (غنیہ)

مسئلہ جس شخص نے اپنا فرض ادا کر لیا ہے اس کے لئے نفلی حج کرنے سے بہتر اور افضل یہ ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے فرض کا حج بدل کرے۔ حدیث میں ہے جو شخص کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرتا ہے اس کو سات حجوں کا ثواب ملتا ہے۔ (غنیہ)

جس نے اپنا حج نہیں کیا اس سے حج کرانا

افضل اور بہتر سب کے نزدیک یہی ہے کہ حج فرض کا بدل اس شخص سے کرایا جائے جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو اور جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا اگر وہ ایسا ہے کہ اس پر حج فرض ہی نہیں تو اس کا حج بدل کے لئے حکم کرنا جائز ہے مگر مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے۔ اور اگر اس شخص کے ذمہ خود حج فرض ہے اور وہ بھی ادا نہیں کیا اس حالت میں دوسرا کوئی اس کو اپنے حج بدل کیلئے بھیجے تو بھیجنے والے کیلئے تو مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی ہے مگر اس حج بدل پر جانے والے کے لئے مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے کیونکہ اس کے ذمہ لازم ہے کہ جب اس کو حج کی سہولت میسر آ جائے تو اپنا حج فرض ادا کرے۔ (غنیہ) (ماہانہ الاشرف کراچی اپریل ۱۹۹۶ء)





مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (موسس و شیخ الجامعہ دارالعلوم کراچی)

## بدعت اور اُسکی خرابیاں

رسول کریم ﷺ کی پیشن گوئی کے مطابق آخر زمانہ میں فتنوں کی کثرت ہونے والی تھی وہ ہوئی اور ہم جیسے ضعیف القوۃ، ضعیف الہمتہ، ضعیف الایمان لوگوں کی نوبت اس دور میں آئی جبکہ دنیا کو فتنوں نے گھیر لیا ہے، روز و شب نئے نئے فتنوں کی بارش ہے۔

لیکن جیسے فتنوں کا زمانہ مشکلات کا خازن ہے، ویسے ہی اس زمانہ میں صحیح طریق سنت پر قائم رہنے اور دوسروں کو قائم رکھنے کے فضائل بھی بحد و بے قیاس ہیں، حدیث میں ہے:-

العبادة في الهرج كهجرة الى رواه مسلم (مشکوٰۃ)

فتنہ کے زمانہ میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسے کوئی ہجرت کر کے میرے پاس آجائے۔  
ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص فساد امت کے زمانہ میں میری سنت کو زندہ کرے اس کے لئے سوشہیدوں کا ثواب ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں سنت کے مطابق نیک عمل کرنے والے کا ثواب پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ثواب رکھنا ہے اور وہ پچاس آدمی آج کے نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے پچاس آدمی، اور جس وقت بدعات و منکرات دنیا میں پھیل جائیں اس وقت اہل علم کے لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان کو اُس وقت اپنے علم کا اظہار کرنا چاہئے اور جو ایسا نہ کرے اس پر سخت وعید فرمائی ہے (کما اخرجہ الآجرن فی کتاب



السنة عن معاذ بن جبل رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ و سِيَّاتِي تَمَامُهُ) چنانچہ ہر زمانہ، ہر دور کے علماء نے اپنے اپنے زمانہ کے فتنوں کے طوفان میں رسول کریم ﷺ کی سنت کے صحیح طریقہ کو روشن کیا اور بدعات و محدثات کی تلبیس کو روک دیا۔ لیکن آج کل جن فتنوں کا طوفان ہے، ان میں ایک طرف لادینی، انکارِ خدا، انکارِ رسالت، انکارِ حدیث، انکارِ ختمِ نبوت کے وہ فتنے ہیں کہ جن کی ضرب براہِ راست اسلام کی بنیادوں پر پڑتی ہے۔ راقم الحروف نے ہوش سنبھالنے کے بعد دینی تعلیم و تبلیغ اور فتویٰ و تصنیف و تالیف کے مثبت کام کے ساتھ جو کچھ بھی ہو سکا وہ انہی فتنوں کا مقابلہ کیا جو اعتقادی بدعات ہیں، عملی بدعات و محدثات کے سلسلہ میں اب تک کوئی خاص کام نہ ہو سکا۔

حال میں ایک محترم دوست نے اپنے ماہنامہ کے لئے بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیوں پر مشتمل ایک مقالہ لکھنے کے لئے مجھے فرمایا اور خلافِ عادت کچھ ایسے اصرار سے فرمایا کہ اپنی بے شمار ذمہ داریوں، مصروفیتوں اور اس پر طبعی ضعف کے باوجود وعدہ کر لینے کے سوا چارہ نہ رہا، کچھ لکھنا بھی شروع کیا لیکن صبح سے رات کے بارہ بجے تک تمام اوقات مشغول، وقت کہاں سے لاؤں؟ مگر ان حالات میں جو کچھ بھی ہو سکا حاضر ہے۔

## بدعت و سنت کی جنگ میں ایک لمحہ فکر یہ

بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیاں از روئے قرآن و سنت آگے آتی ہیں لیکن اس جگہ ایک بات ہر وقت پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص سنت کے اتباع اور بدعت کی مخالفت کی دعوت دیتا ہے ظاہر ہے کہ اس کا منشاء بجز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت اور اس کے دین کی حفاظت اور کچھ نہیں۔ اسی طرح جو شخص کسی بدعت میں مبتلا ہے منشاء اس کا بھی اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت



اور ان کی رضا حاصل کرنا ہی ہے اور رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق بدعت کو وہ بھی گمراہی کہتا اور بُرا سمجھتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ علم صحیح نہ ہونے کی وجہ سے، وہ کسی بدعت کو بدعت نہیں سمجھتا بلکہ اس کو عبادت اور اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہر مسلمان کی خیر خواہی کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے ہمدردی و خیر خواہی کے لہجہ میں مسلمانوں کو حقیقت الامر سے واقف کیا جائے۔ تشدد، طعنہ زنی، الزام تراشی کے طریقوں سے کلی اجتناب کیا جائے کہ ان سے کبھی کسی کی اصلاح نہیں ہوتی۔ بدعتی اور وہابی کے طعن آمیز خطابات سے پرہیز کیا جائے۔ اور کسی کے کلام کو توڑ مروڑ کر اس کے منشاء و مقصد کے خلاف اس پر الزام لگانا کھلا بہتان ہے جس کے حرام ہونے میں کسی کو تردد کی گنجائش نہیں۔ آخرت کے حساب کو سامنے رکھتے ہوئے ان حرکات سے باز رہا جائے۔

اس مختصر سی گزارش کے بعد اصل مقصد پر آتا ہوں اور چونکہ اصل خرابی واقفیت اور بدعت کو بدعت نہ سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے پہلے بدعت کی تعریف اور پھر اس کی حقیقت لکھتا ہوں۔ ان اردت الا اصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ العلیٰ العظیم

## بدعت کی تعریف

اصل لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں خواہ عبادات سے متعلق ہو، یا عادات سے۔ اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہے، نہ فعلاً نہ



صراحتاً نہ اشارۃً۔ بدعت کی یہ تعریف علامہ برکوی کی کتاب ”الطریقۃ المحمدیۃ“ اور علامہ شاطبی کی کتاب ”الاعتصام“ سے لی گئی ہے اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عادات اور دنیوی ضروریات کے لئے جو نئے آلات اور طریقے روزمرہ ایجاد ہوتے رہتے ہیں ان کا شرعی بدعت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہ بطور عبادت اور بہ نیت ثواب نہیں کئے جاتے بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہوں، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو عبادت آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً صراحۃً یا اشارتاً وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کام کی ضرورت عہدِ سالت میں موجود نہ تھی بعد میں کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پیدا ہو گئی وہ بھی بدعت میں داخل نہیں جیسے مروجہ مدارس اسلامیہ اور تعلیمی، تبلیغی، واجمینیہ اور دینی نشر و اشاعت کے ادارے اور قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے صرف و نحو اور ادب عربی فصاحت و بلاغت کے فنون یا مخالف اسلام فرقوں کا رد کرنے کے لئے منطق و فلسفہ کی کتابیں یا جہاد کے لئے جدید اسلحہ، اور جدید طریق جنگ کی تعلیم وغیرہ کہ یہ سب چیزیں ایک حیثیت سے عبادت بھی ہیں اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں بھی موجود نہ تھیں مگر پھر بھی ان کو بدعت اس لئے نہیں کہتے کہ ان کا سبب داعی اور ضرورت اس عہد مبارک میں موجود نہ تھی بعد میں جیسے جیسے ضرورت پیدا ہوتی گئی علماء امت نے اس کو پورا کرنے کے لئے مناسب تدبیریں اور صورتیں اختیار کر لیں۔

اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب چیزیں نہ اپنی ذات میں عبادت ہیں نہ کوئی ان کو اس خیال سے کرتا ہے کہ ان میں زیادہ ثواب ملے گا۔ بلکہ یہ چیزیں عبادت کا ذریعہ اور مقدمہ ہونے کی حیثیت سے عبادت کہلاتی ہیں گویا یہ احداث



فی الدین نہیں بلکہ احداث الدین ہے اور احادیث میں ممانعت احداث فی الدین کی آئی ہے احداث الدین کی نہیں۔ یعنی کسی منصوص دینی مقصد کو پورا کرنے کے لئے بضرورت زمان و مکان کوئی نئی صورت اختیار کر لینا ممنوع نہیں۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن کاموں کی ضرورت عہد رسالت میں زمان مابعد میں یکساں ہے ان میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہیں اس کو بدعت کہا جائے گا، اور یہ از روئے حدیث ممنوع و ناجائز ہوگا۔

مثلاً درود و سلام کے وقت کھڑے ہو کر پڑھنے کی پابندی، فقراء کو کھانا کھلا کر ایصال ثواب کرنے کیلئے کھانے پر مختلف سورتیں پڑھنے کی پابندی، نماز جماعت کے بعد پوری جماعت کے ساتھ کئی کئی بار دعا مانگنے کی پابندی، ایصال ثواب کے لئے تیجہ، چہلم وغیرہ کی پابندی، رجب و شعبان وغیرہ کی متبرک راتوں میں خود ایجاد قسم کی نمازیں اور ان کے لئے چراغاں وغیرہ اور پھر ان خود ایجاد چیزوں کو فرض و واجب کی طرح سمجھنا، ان میں شریک نہ ہونے والوں پر ملامت اور لعن طعن کرنا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ درود و سلام، صدقہ و خیرات، اموات کو ایصال ثواب، متبرک راتوں میں نماز و عبادت نماز کے بعد دعا، یہ سب چیزیں عبادات ہیں ان کی ضرورت جیسے آج ہے ایسے ہی عہد صحابہ میں بھی تھی۔ ان کے ذریعہ ثواب آخرت اور رضائے الہی حاصل کرنے کا ذوق و شوق جیسے آج کسی نیک بندے کو ہو سکتا ہے، رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان سب سے زائد تھا۔ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ ذوق عبادت اور شوق رضائے الہی حاصل ہے۔

حضرت حذیفہ ابن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

کل عبادة لم يتعبد بها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم

﴿مَنْزَمِ پبلیشرز﴾



فلا تعیدوها، فان الاول لم یبدع للاحر مقالا فاتقوا الله یا معشر المسلمین وخذوا الطريق من کان قبلکم۔

یعنی جو عبادت صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے نہیں کی وہ عبادت نہ کرو کیونکہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی جس کو یہ پورا کریں اے علماء خدا سے ڈرو اور پہلے لوگوں کے طریقہ کو اختیار کرو۔ اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی منقول ہے (اعتصام الشاطبی ص ۳۱۰ ج ۲)

## بدعت کے ناجائز و ممنوع ہونے کی عقلی وجوہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب یہ سب کام عہد صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں عبادت کی حیثیت سے جاری تھے تو ان کے ایسے طریقے اختیار کرنا جو رسول کریم ﷺ اور صحابہ نے اختیار نہیں کئے ان کا فلسفہ اور حکمت کیا ہے؟ کیا یہ مقصد ہے کہ ان عبادات کے یہ نئے طریقے معاذ اللہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو معلوم نہ تھے، آج ان دعویداروں پر انکشاف ہوا ہے اس لئے انھوں نے اختیار نہیں کئے یہ لوگ کر رہے ہیں۔

## دین میں کوئی بدعت نہ کہ ان رسول اللہ پر

### خیانت کی تہمت لگانا ہے

اور اگر کہا جائے کہ ان کو معلوم تھے مگر لوگوں کو نہیں بتلایا تو کیا یہ معاذ اللہ ان حضرات پر دین میں بخل و خیانت اور تبلیغ رسالت میں کوتاہی کا الزام نہیں ہے، اسی لئے حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ جو شخص بدعت ایجاد کرتا ہے وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ اللہ رسالت میں خیانت کی کہ پوری بات نہیں بتلائی۔



## بدعت نکالنا یہ دعویٰ کرنا ہے کہ دین، عہد رسالت میں مکمل نہیں ہوا

ایک طرف تو قرآن کا یہ اعلان الیوم اکملت لکم دینکم یعنی میں نے آج تم پر اپنا دین مکمل کر لیا۔ دوسری طرف عبادات کے نئے نئے طریقے نکال کر عملاً یہ دعویٰ کہ شریعت اسلام کی تکمیل آج ہو رہی ہے۔ کیا کوئی مسلمان جان بوجھ کر اس کو قبول کر سکتا ہے؟ اس لئے یقین کیجئے کہ عبادات کا جو طریقہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے اختیار نہیں کیا وہ دیکھنے میں کتنا ہی بہترین اور دلکش نظر آئے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اچھا نہیں اسی کو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لم یکن یومئذ دینا لایکون الیوم دینا۔ جو کام اُس زمانہ میں دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں کہا جاسکتا۔ انھوں نے ان طریقوں کو معاذ اللہ نہ تو ناواقفیت کی بنا پر چھوڑا تھا نہ سستی اور غفلت کی بنا پر بلکہ ان کو غلط اور مضر سمجھ کر چھوڑا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ جو ثانی فاروق اعظم سمجھے جاتے تھے انھوں نے یہی مضمون اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

آج اگر کوئی شخص مغرب کی نماز میں تین کے بجائے چار رکعت اور صبح کی دو کی بجائے تین یا چار پڑھنے لگے یا روزہ مغرب تک رکھنے کے بجائے عشاء کے بعد تک رکھے تو ہر سمجھ دار مسلمان اسکو برا غلط اور ناجائز کہے گا، حالانکہ اس غریب نے بظاہر کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، کچھ تسبیحات زیادہ پڑھیں، کچھ اللہ کا نام زیادہ لیا۔ پھر اس کو بالاتفاق برا اور ناجائز سمجھنا کیا صرف اس لئے نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بتلائے اور سکھلائے ہوئے طریقہ عبادت پر زیادتی کر کے عبادت کی صورت بدل ڈالی اور ایک طرح سے اس کا دعویٰ کیا کہ شریعت کو آنحضرت ﷺ نے مکمل نہیں کیا



تھا اُس نے کیا ہے۔ یا معاذ اللہ آپ ﷺ نے ادائے امانت میں کوتاہی اور خیانت برتی ہے کہ یہ نئے اور مفید طریقہائے عبادت لوگوں کو نہیں بتلائے۔

اب غور کیجئے کہ نماز کی رکعات تین کے بجائے چار پڑھنے میں اور نمازوں دعاؤں درود و سلام کے ساتھ ایسی شرطیں اور طریقے اضافہ کرنے میں کیا فرق ہے؟ جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے منقول نہیں حقیقت یہ ہے کہ عبادات شرعیہ میں اپنی طرف سے قیدوں شرطوں کا اضافہ شریعت محمدیہ کی ترمیم اور تحریف ہے اس لئے اس کو شدت کے ساتھ روکا گیا ہے۔

### بدعت تحریف دین کا راستہ ہے

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر عبادات میں اپنی طرف سے قیدیں شرطیں اور نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی اجازت دی جائے تو دین کی تحریف ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ بھی پتہ نہ لگے گا کہ اصل عبادت جو رسول کریم ﷺ نے بتلائی تھی کیا اور کیسی تھی؟ کچھلی امتوں میں تحریف دین کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر کی بتلائی ہوئی عبادات میں اپنی طرف سے عبادات کے نئے نئے طریقے نکالے اور ان کی رسم چل پڑی کچھ عرصہ کے بعد اصل دین اور ایجادات میں کوئی امتیاز نہ رہا۔

### شریعت اسلام میں نفل فرض سے جدا کرنے کا اہتمام

شریعت اسلام نے چونکہ ہر فتنہ کے دروازہ کو بند اور فساد دین کے راستے کو روکا ہے اسی لئے اس کا بھی خاص اہتمام فرمایا کہ فرائض اور نوافل میں پورا امتیاز رہے۔ حقیقت کے اعتبار سے بھی اور صورت کے اعتبار سے بھی نمازوں میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا تو یہ معمول رہا کہ مسجد میں صرف فرض نماز جماعت سے



ادا فرماتے، باقی نوافل اور سنتیں بھی گھر جا کر پڑھتے تھے۔ اور جن نمازوں کے بعد سنت یا نفل نہیں ہے ان میں اگر نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا اور کوئی وظیفہ پڑھنا ہے تو بصورت نماز قبلہ رخ نہیں بیٹھتے بلکہ داہنی یا بائیں جانب پھر کر بیٹھتے ہیں تاکہ دور ہی سے ہر شخص یہ سمجھ لے کہ نماز فرض ختم ہو چکی ہے اب امام جو کچھ پڑھ رہا ہے وہ اختیاری چیز ہے۔ اصل سنت تو یہی ہے کہ نوافل اور نقلی عبادات سب تنہائی میں اپنے گھروں میں ادا کی جائیں۔ اور اگر مسجد میں ہی سنتیں پڑھنی ہوں تو بھی مسنون طریقہ یہ ہے کہ جماعت فرض کی ہیئت کو ختم کر دیا جائے۔ صفیں توڑ دی جائیں۔ لوگ آگے پیچھے ہو کر سنتیں پڑھیں۔ اسی طرح روزہ شرعاً صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ لیکن چونکہ رات کو سب لوگ عادتاً سوتے ہیں اور سونے کی حالت میں بھی کھانے پینے سے آدمی ایسا ہی رکا رہتا ہے جیسا روزہ میں اس لئے سحری کھانا مسنون قرار دیا گیا تاکہ سونے کے وقت جو صورت روزہ کی ہو گئی تھی اس سے امتیاز ہو جاوے اور روزہ ٹھیک صبح صادق کے بعد سے شروع ہو۔ اسی لئے سحری کھانا بھی بالکل آخر وقت میں مستحب ہے اسی طرح غروب آفتاب کا یقین ہو جاتے ہی روزہ فوراً افطار کرنا چاہیے، دیر کرنا مکروہ ہے تاکہ روزہ کی عبادت کے ساتھ زائد وقت کا روزہ میں اضافہ نہ ہو جائے۔

آج بھی یہ سب چیزیں بحمد اللہ مسلمانوں میں جاری ہیں مگر جہالت و ناواقفیت سے ان چیزوں کی حقیقت سے بے خبری ہے صبح اور عصر کی نماز کے بعد عام طور پر ائمہ مساجد قبلہ کی جانب سے مڑ کر تو بیٹھ جاتے ہیں مگر اس پر نظر نہیں کہ مڑنا کس غرض سے تھا کہ عملاً اس کا اعلان کر دیں کہ اب فرض ختم ہو چکے ہر شخص کو اختیار ہے جو چاہے کرے جہاں چاہے جائے، مگر یہاں پوری جماعت کو پابند کر لیا ہے کہ جب تک تین مرتبہ دعا جماعت کے ساتھ نہ کر لیں اس وقت تک سب منتظر رہیں۔ پھر ان دعاؤں میں بھی خاص خاص چیزوں کی ایسی پابندی ہے جیسے کوئی فرض ہو، جب تک وہ خاص دعائیں نہ پڑھی جائیں عوام یوں سمجھتے ہیں کہ نماز کا کوئی جزء رہ گیا۔



یہ رسول کریم ﷺ کی تعلیمات اور شریعت اسلامیہ کی احتیاط کی صریح مخالفت ہے، دعاؤں اور وظیفوں کو نماز فرض کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ وظیفے اور دعائیں بھی گویا نماز کا جزو ہیں جو امام یہ دعائیں اور وظائف تمام مقتدیوں کو ساتھ لے کر نہ پڑھے اس کی نماز کو مکمل نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اس پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں۔

### بدعتِ حسنہ اور سیدہ

صحیح حدیث میں ہے کہ کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار ”یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے“۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شرع میں ہر بدعت سیدہ اور گمراہی ہے، کسی بدعت اصطلاحی کو بدعت حسنہ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ لغوی معنی میں نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں اس اعتبار سے ایسی چیزوں کو بدعت حسنہ کہہ دیتے ہیں جو صریح طور پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد مبارک میں نہیں تھی بعد میں کسی ضرورت کی بناء پر ان کو اختیار کیا گیا جیسے آج کل کے مدارس اسلامیہ اور ان میں پڑھائے جانے والے علوم و فنون کہ اصل بنیاد تعلیم و تدریس اور مدرسہ کی تو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے آپ نے خود فرمایا انما بعثت معلماً یعنی میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں لیکن جس طرح کے مدارس کا قیام جس طرح کی تعلیم آج کل بضرورت زمانہ ضروری ہو گئی، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں اس کی ضرورت نہ تھی، آج ضرورت پیش آئی تو احیائے سنت کے لئے اس کو اختیار کیا گیا، جو تعریف بدعت کی اوپر لکھی جا چکی ہے اس کی رو سے ایسے اعمال بدعت میں داخل نہیں، لیکن لغوی معنی کے اعتبار سے کوئی ان کو بدعت کہہ دے تو بدعت حسنہ ہے۔

۱۔ صرف لغوی اعتبار سے ورنہ حدیث میں ایسی کوئی تقسیم نہیں ہے وہاں ہر بدعت کو گمراہی کہا گیا ہے۔ (ایڈیٹر)۔



ہی کہا جائے گا۔ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے تراویح کی یکجا جماعت کو دیکھ کر اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا: نَعَمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ۔ یعنی یہ بدعت تو اچھی ہے۔ کیونکہ ان کو اور سب کو معلوم تھا کہ تراویح رسول کریم ﷺ نے خود پڑھی اور پڑھائی اور زبانی اس کی تاکید کی اس لئے حقیقۃً اور شریعۃً تو اس میں بدعت کا کوئی احتمال نہ تھا البتہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ایک خاص عذر کیوجہ سے تراویح کی جماعت کا ایسا خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا جو بعد میں حضور ﷺ کی تعلیم کے مطابق کیا گیا۔ اس لئے ظاہری اور لغوی طور پر یہ کام بھی نیا تھا اس کو نعمت البدعۃ فرما دیا۔ بدعت حسنہ کا اس سے زائد کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ: مَنْ اَبْدَعَ بِدْعَةً رَاحَهَا حَسَنَةٌ فَقَدْ زَعَمَ اَنْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَةَ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَقُولُ الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“ فَمَا لَكُمْ يَوْمَئِذٍ دِينًا لَا يَكُونُ الْيَوْمَ دِينًا۔ (اعتصام ص ۱۷۴)

فاروق اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے ارشاد یا بعض بزرگوں کے ایسے کلمات کی آڑ لے کر طرح طرح کی بدعتیں بدعت حسنہ کے نام سے ایجاد کرنے والوں کے لئے اس میں کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔ بلکہ جو چیز اصطلاح شرع میں بدعت ہے وہ مطلقاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ البتہ بدعات میں پھر کچھ درجات ہیں۔ بعض سخت حرام قریب شرک کے ہیں ’بعض مکروہ تحریمی‘ بعض تنزیہی۔

قرآن و حدیث اور آثار صحابہ و تابعین و ائمہ دین میں بدعات و محدثات کی خرابی اور ان سے اجتناب کی تاکید پر بے شمار آیات و روایات ہیں ان میں سے بعض اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

## بدعت کی مذمت قرآن و حدیث میں

علامہ شاطبی نے کتاب ”الاعتصام“ میں آیات قرآنیہ کافی تعداد میں اس موضوع پر جمع فرمائی ہیں۔ ان میں سے دو آیتیں اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔



❶ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا  
كُلْ حِزْبَ بِمَالِ دِيهِمْ فَرَحُونَ.

مت ہو مشرکین میں سے جنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہو گئے فرقے  
اور پارٹیاں۔ ہر ایک پارٹی اپنے طرز پر خوش ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت کی  
تفسیر میں نقل فرمایا کہ اس سے مراد اہل بدعت کی پارٹیاں ہیں۔ (الاعتصام ص ۶۵ ج ۱)

❷ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا

آپ فرمائیے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے  
زیادہ خسارہ والے ہیں وہ لوگ جن کی سعی و عمل دنیا کی زندگی میں ضائع اور بیکار ہو گئی  
اور وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا عمل کر رہے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سفیان ثوری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی وغیرہ نے تفسیر اخسرین  
اعمالاً اہل بدعت سے کی ہے اور بلاشبہ اس آیت میں اہل بدعت کی حالت کا  
پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خود تراشیدہ اعمال کو نیکی سمجھ کر خوش ہیں کہ ہم ذخیرہ  
آخرت حاصل کر رہے ہیں حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ان  
کے اعمال کا نہ کوئی وزن ہے نہ ثواب بلکہ الٹا گناہ ہے۔

روایات حدیث بدعت کی خرابی اور اس سے روکنے کے بارہ میں بے شمار ہیں  
ان میں سے بھی چند روایات لکھی جاتی ہیں۔

❶ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا سے روایت  
ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (اعتصام بحوالہ بخاری)  
جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز داخل کرے جو دین میں داخل نہیں وہ مردود ہے



۲ اور مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے۔

اما بعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد وشر الامور محدثاتها و كل بدعة ضلالة اخرجه مسلم وفي رواية النسائي كل محدثة بدعة و كل بدعة في النار (اعتصام ص ۷۶ ج ۱)  
حمد و صلوة کے بعد سمجھو کہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ اور طرز عمل محمد (ﷺ) کا طریقہ اور طرز عمل ہے۔ اور بدترین چیز نوا ایجاد بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور نسائی کی روایت میں ہے کہ ہر نوا ایجاد عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت جہنم میں ہے۔

حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی یہی خطبہ دیا کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اپنے خطبہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد یہ بھی فرماتے تھے۔ انکم ستحدثون ويحدث لكم فكل محدثة ضلالة و كل ضلالة في النار.

(اعتصام ص ۷۶ ج ۱)

تم بھی نئے نئے کام نکالو گے اور لوگ تمہارے لئے نئی نئی صورتیں عبادت کی نکالیں گے خوب سمجھ لو کہ ہر نیا طریقہ گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۳ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

من دعا الى الهدى كان له من اجر مثل اجور من يتبعه لا ينقص ذلك من اجورهم شيئا ومن دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل اثم من يتبعه لا ينقص ذلك من اثمهم شيئا.

ترجمہ: جو شخص لوگوں کو صحیح ہدایت کی طرف بلائے تو ان تمام لوگوں کے عمل کا



ثواب اسکو ملے گا جو اس کا اتباع کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔ اور جو شخص کسی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو اس پر ان سب لوگوں کا گناہ لکھا جائے گا جو اس کا اتباع کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے۔

بدعات کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے والے اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والے اس کے انجام بد پر غور کریں کہ اس کا وبال تنہا اپنے عمل ہی کا نہیں بلکہ جتنے مسلمان اس سے متاثر ہوں گے ان سب کا وبال بھی ان پر ہے۔

۴۲ ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں خطبہ دیا جس میں نہایت موثر اور بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل ڈر گئے۔ بعض حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج کا وعظ تو ایسا ہے جیسے رخصتی وصیت ہوتی ہے تو آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی بسر کریں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
 اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعة لولاة الامر وان کان عبداحبشیا فان من یعیش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً  
 فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین، تمسکوا بها  
 وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔ (اعتصام)

ترجمہ: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرنے کی اور حکام اسلام کی اطاعت کرنے کی۔ اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑا اختلاف دیکھیں گے اسلئے تم میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو اختیار کر لو اور اسکو مضبوط پکڑو۔ اور دین میں نوا ایجاد طریقوں سے بچو کیونکہ ہر نوا ایجاد طرز عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔



۵ اور حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا کہ:  
جو شخص کسی بدعتی کے پاس گیا اور اس کی تعظیم کی تو گویا اس نے اسلام کو ڈھانے  
میں اس کی مدد کی۔“ (اعتصام الشاطبی ص ۸۴ ج ۱)

۶ اور حضرت حسن بصری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ  
کا ارشاد ہے کہ:

اگر تم چاہتے ہو کہ پل صراط پر تمہیں دیر نہ لگے اور سیدھے جنت میں جاؤ تو  
اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی نیا طریقہ نہ پیدا کرو۔ (الاعتصام)  
۷ آجری کی کتاب السنہ میں حضرت معاذ بن جیل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے  
روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اذا حدث فی امتی البدع و شتم اصحابی فلیظہر العالم علمہ  
فمن لم یفعل فعلیہ لعنة اللہ و الملائکة و الناس اجمعین (اعتصام ص  
۸۸ ج ۱)

جب میری امت میں بدعات پیدا ہو جائیں اور میرے اصحاب کو برا کہا جائے  
تو اس وقت کے عالم پر لازم ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کریگا تو اس پر  
لعنت ہے اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔

عبداللہ بن حسن نے فرمایا کہ میں نے ولید بن مسلم سے دریافت کیا کہ حدیث  
میں اظہار علم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ”اظہار سنت“

۸ حضرت حذیفہ بن یمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ:

”مسلمانوں کے لئے جن چیزوں کا مجھے خطرہ ہے ان میں سب سے زیادہ خطرناک  
دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ جو چیز وہ دیکھیں اس پر ترجیح دینے لگیں جو ان کو سنت رسول  
اللہ ﷺ سے معلوم ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ غیر شعوری طور پر گمراہ ہو جائیں،



سفیان ثوری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ یہ لوگ اہل بدعت ہیں۔

۹ اور حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ:

”خدا کی قسم آئندہ زمانہ میں بدعتیں اس طرح پھیل جائیں گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو لوگ کہیں گے کہ تم نے سنت چھوڑ دی۔“ (اعتصام ص ۱۹۰ ج ۱)

۱۰ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ:

”اے لوگو! بدعت اختیار نہ کرو اور عبادت میں مبالغہ اور تعمق نہ کرو پراے طریقوں کو لازم پکڑے رہو، اس چیز کو اختیار کرو جو از روئے سنت تم جانتے ہو اور جس کو اس طرح نہیں جانتے اس کو چھوڑو۔“

۱۱ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ:-

”آئندہ لوگوں پر کوئی نیا سال نہ آئے گا جس میں وہ کوئی بدعت ایجاد نہ کریں گے اور کسی سنت کو مردہ نہ کر دیں گے یہاں تک کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں برباد ہو جائیں گی۔“ (اعتصام ص ۹۵ ج ۱)

۱۲ حضرت حسن بصری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ:-

”بدعت والا آدمی جتنا زیادہ روزہ نماز میں مجاہدہ کرتا جائے اتنا ہی اللہ تبارک و تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے نیز حضرت حسن رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ صاحب بدعت کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔“

۱۳ حضرت سفیان ثوری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ:

”کوئی قول بغیر عمل کے مستقیم نہیں اور کوئی قول و عمل بغیر نیت کے مستقیم نہیں جب تک کہ وہ سنت کے مطابق نہ ہو۔“

۱۴ ابو عمرو شیبانی فرماتے ہیں کہ:

”صاحب بدعت کو توبہ نصیب نہیں ہوتی (کیونکہ وہ تو اپنے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا توبہ کیسے کرے)۔“

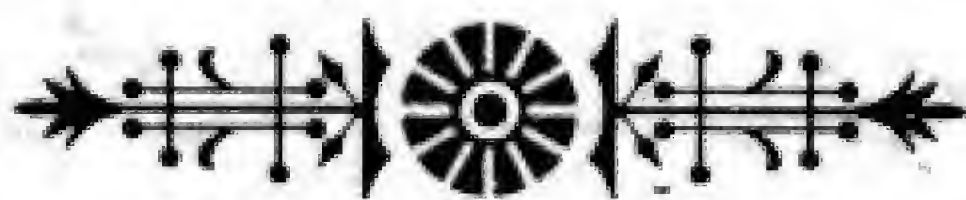


۱۵ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا یہ کلام حضرت امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور تمام علماء وقت کے نزدیک ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے!

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سننا وولایة الامر من بعده سننا الاخذ بها تصدیق لکتاب اللہ واستکمال لطاعة اللہ وقوة علی دین اللہ لیس لاحد تغیرها ولا تبدیلها ولا النظر فی شیء خالفها من عمل بها مهتدو من انتصربها منصور ومن خالفها اتبع غیر سبیل المؤمنین وولایة اللہ تولی واصلاه جهنم وساءت مصیر“

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں ان کو اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق اور اطاعت الہی کی تکمیل اور اللہ کے دین میں قوت حاصل کرنا ہے۔ نہ ان میں تغیر کرنا کسی کے لئے جائز ہے نہ بدلنا اور نہ اس کے خلاف کسی چیز پر نظر کرنا جو ان پر عمل کریگا ہدایت پائیگا، جو ان سنتوں کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مدد حاصل کرنا چاہے گا اس کی مدد ہوگی اور جو ان کے خلاف کرے اس نے مسلمانوں کے راستہ سے مخالف راستہ اختیار کیا اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو اسکی تجویز و اختیار پر چھوڑ دے گا اور پھر جہنم میں چلا جائے گا اور جہنم بُرا ٹھکانا ہے۔

(ماہنامہ فاران کراچی جون ۱۹۵۷ء)





ترجمہ و ترتیب :- مولانا مفتی محمد شفیع رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## بدعات و محدثات

### حضرات صوفیائے کرام کی نظر میں

بدعات و محدثات کے ایجاد کرنے والے اور اُن پر عمل کرنے والے عموماً حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کی پناہ لیتے ہیں۔ اور اُنہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے عوام اس خیال میں ہیں کہ طریقت و شریعت دو متضاد چیزیں ہیں۔ بہت سے احکام جو شریعت میں ناجائز ہیں، اہل طریقت اُن کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ ایک خطرناک غلطی ہے کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد دین و ایمان کی خیر نہیں۔ کیونکہ انسان کو تمام گمراہیوں سے بچانے والی صرف شریعت ہے۔ جب اُس کی مخالفت کو جائز سمجھ لیا گیا۔ تو پھر ہر گمراہی کا شکار ہو جانا سہل ہے۔

اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ کے ارشادات بدعات کی مذمت اور اتباع سنت کی تاکید میں بقدر کفایت جمع کر دیئے جائیں، تاکہ عوام اس دھوکہ سے بچ جائیں کہ مشائخ طریقت بدعات کو مذموم نہیں سمجھتے، یا اتباع سنت میں متساہل ہیں۔

اس سلسلہ کے لئے علامہ شاطبی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنی کتاب الاعتصام ص ۱۰۶ جلد اول میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے جس میں صوفیائے متقدمین کے ارشادات دربارہ مذمت بدعات جمع کئے ہیں۔ ہمارے لئے اُن کا ترجمہ کر دینا کافی ہے۔



امام طریقت حضرت فضیل بن عیاض رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں:-

”جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے، اُس کو حکمت نصیب نہیں ہوتی۔“

حضرت ابراہیم بن ادھم:-

آپ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعا قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ فرمایا اَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ مگر ہم بعض اہم کاموں کے لئے زمانہ دراز سے دعا کر رہے ہیں، قبول نہیں ہوتی اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارے قلوب مرچکے ہیں۔ اور مردوں کی دعا قبول نہیں ہوتی اور موت قلوب کی دس اسباب ہیں:-

اول یہ کہ تم نے حق تعالیٰ کو پہچانا، مگر اُس کا حق ادا نہیں کیا۔

دوسرے تم نے کتاب اللہ کو پڑھا اور اُس پر عمل نہیں کیا۔

تیسرے تم نے رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ تو کیا۔ مگر آپ کی سنت کو

چھوڑ بیٹھے۔

چوتھے شیطان کی دشمنی کا دعویٰ کیا، مگر اعمال میں اُس کی موافقت کی۔

پانچویں تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے طالب ہیں۔ مگر اس کے لئے عمل نہیں

کرتے۔

اسی طرح پانچ چیزیں اور شمار کرائیں۔ غرض اس حکایت کی نقل سے یہ ہے کہ

حضرت ابراہیم ابن ادھم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ترکِ سنت کو موتِ قلب کا سبب قرار دیتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

حق تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور اور وسوسن

میں حبیب اللہ ﷺ کا اتباع کیا جائے اور فرمایا کہ لوگوں کے فساد کا سبب چھ

چیزیں ہیں:-



اوّل یہ کہ عملِ آخرت کے متعلق اُن کی ہمتیں اور نیتیں پست اور ضعیف ہو گئیں۔

دوسرے یہ کہ اُن کے لئے نفوس اُن کی خواہشات کا گہوارہ بن گئے۔  
تیسرے یہ کہ اُن پر طولِ اَمَل غالب آ گیا، یعنی دُنیوی سامان میں قرونوں اور برسوں کا انتظام کرنے کی فکر میں رہتے ہیں حالانکہ عمر اُن کی قلیل ہے۔  
چوتھے یہ کہ انہوں نے مخلوق کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دے رکھی ہے۔  
پانچویں یہ کہ وہ اپنی ایجاد کردہ چیزوں کے تابع ہو گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو چھوڑ بیٹھے۔

چھٹے یہ کہ مشائخِ سلف اور بزرگانِ متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہوگئی، تو اُن لوگوں نے اُسی کو اپنا مذہب بنا لیا اور اُن کے فعل کو اپنے لئے حجت سمجھا۔ اور اُن کے باقی تمام فضائل و مناقب کو دفن کر دیا۔

ایک شخص کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تمہیں چاہئے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرائض و واجبات کے سیکھنے اور اُس پر عمل کرنے کا کرو۔ اور جس چیز سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں منع کیا ہے، اُس کے پاس نہ جاؤ۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی عبادت کا وہ طریقہ جو اُس نے خود تعلیم فرمایا ہے، اُس طریقہ سے بہتر ہے، جو تم خود اپنے لئے بناتے ہو۔ اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لئے اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ جیسے بعض لوگ خلافِ سنت، رہبانیت کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔

بندہ کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے حکم پر نظر رکھے، اور اسی کو اپنے تمام معاملات میں حکم بنائے۔ اور جس چیز سے اُس نے روک دیا ہے، اُس سے بچے۔

آجکل لوگوں کو حلاوتِ ایمان اور طہارتِ باطن سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ فرائض و واجبات کو معمولی باتیں سمجھ کر اُن کا اتنا اہتمام نہیں کرتے، جتنا کرنا چاہئے۔



حضرت بشر حافی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے بشر! تم جانتے ہو کہ تمہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے سب اقران پر فوقیت و فضیلت کس سبب سے دی ہے؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میں واقف نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ تم میری سنت کا اتباع کرتے ہو۔ اور نیک لوگوں کی عزت کرتے ہو۔ اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتے ہو۔ اور میرے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور اہلبیت سے محبت رکھتے ہو۔

حضرت تکی بن معاذ رازی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

لوگوں کے تمام اختلافات کی اصل تین چیزیں ہیں۔ اور اُن تینوں کی تین ضدیں ہیں۔ جو شخص ایک اصل سے علیحدہ ہے، اُس کی ضد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ تین اصل یہ ہیں:-

ایک توحید اور اُس کی ضد شرک ہے۔ دوسرے سنت اور اس کی ضد بدعت ہے۔ تیسرے طاعت، اس کی ضد معصیت ہے۔

حضرت ابو بکر دقاق رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی:-

حضرت ابو بکر دقاق قدس سرہ جو حضرت جنید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے اقران میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اُس میدان میں گزر رہا تھا، جہاں چالیس سال تک اسرائیل قدرتی طور پر محصور رہے۔ اور نکل نہ سکتے تھے۔ جس کو وادی تیبہ کہا جاتا ہے، اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ علم حقیقت علم شریعت سے مخالف ہے۔ اچانک مجھے غیبی آواز آئی:-

کل حقیقة لا تتبع الشریعة فہی کفر



جس حقیقت کی موافقت شریعت نہ کرے وہ کفر ہے۔

حضرت ابوعلی جوزجانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

بندہ کی نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ اُس پر خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت آسان ہو جائے اور اُس کے افعال مطابق سنت ہو جائیں۔ اور اس کو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہو جائے۔ اور اپنے احباب و اخوان کے ساتھ اُس کو حُسن اخلاق کی توفیق ہو اور خلق اللہ کے لئے اُس کا نیک سلوک عام ہو۔ اور مسلمانوں کی غمخواری اس کا شیوہ ہو اور اپنے اوقات کی نگہداشت کرے، یعنی ضائع ہونے سے بچائے۔

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ اتباع سنت کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ بدعات سے اجتناب اور اُن عقائد اور احکام کا اتباع جس پر علمائے اسلام کے صدر اول کا اجماع ہے اور اُن کی اقتدار کو لازم سمجھنا۔

حضرت ابو بکر ترمذی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

کمال ہمت اس کے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہل محبت کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور یہ درجہ اُن کو محض اتباع سنت اور ترک بدعت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ صاحب ہمت اور سب سے زیادہ ساعی الی اللہ تھے۔

ہمت اصطلاح صوفیہ میں توجہ اور تصرف کو کہتے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی تخیل کی قوت کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کی طرف جمع کرے، اس جگہ ممکن ہے کہ یہی مراد ہو مگر آنحضرت ﷺ سے تصرف اور ہمت اصطلاح کے استعمال کا صدور کہیں صراحتاً ثابت نہیں۔ اس لئے غالباً اس جگہ ہمت کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی دین کے کاموں میں چستی اور مضبوطی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

حضرت ابوالحسن وراق رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

بندہ اللہ تک صرف اللہ ہی کی مدد اور اُس کے حبیب ﷺ کی اقتداء فی



الاحکام کے ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے اور جو شخص وصول الی اللہ کے لئے سوائے اقتداء رسول اللہ ﷺ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے تو ہدایت حاصل کرنے کی خاطر گمراہ ہو گیا۔

حضرت ابو محمد عبد الوہاب ثقفی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں:-

اللہ تبارک و تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتے ہیں جو صواب و درست ہوں۔ اور صواب و درست میں بھی صرف وہی اعمال مقبول ہیں جو خالص اسی کے لئے ہوں اور خالص میں بھی صرف وہی مقبول ہیں جو سنت کے مطابق ہوں۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی:

یہ بزرگ حضرت ابو عبد اللہ مغربی اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہما کے اصحاب میں سے تھے، بدعات سے سخت متنفر اور مبتدعین پر سخت رد کرنے والے، کتاب و سنت کے طریقہ پر مضبوطی سے قائم اور مشائخ ائمہ، متقدمین کے طرز کا التزام کرنے والے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بن منازل اُن کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن شیبان رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی تمام فقراء اور اہل آداب و معاملات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حجت ہے۔

حضرت ابو عمر زجاجی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی:

یہ عباد و زہاد کے مشہور امام حضرت جنید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اور سفیان ثوری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے اصحاب میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ اُن چیزوں کا اتباع کرتے تھے جن کو اُن کی عقلیں مستحسن سمجھتی تھیں۔ پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ تو آپ نے اُن کو اتباع شریعت کا ارشاد فرمایا۔ پس عقل صحیح و سلیم وہی ہے جو مستحسنات شرعیہ کو اچھا اور مکروہات شرعیہ کو ناپسند سمجھے۔



حضرت ابو یزید بسطامی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-  
میں نے تین سال مجاہدات کئے مگر مجھے کوئی مجاہدہ علم اور اتباع علم سے زیادہ  
شدید نہیں معلوم ہوا۔ اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں مصیبت میں پڑ جاتا۔  
بلاشبہ علماء کا اختلاف رحمت ہے (مگر وہ اختلاف جو تجرید و حید میں ہو کہ وہ رحمت  
نہیں۔) اور اتباع صرف اتباع سنت کا نام ہے۔ کیونکہ علم سنت کے علاوہ دوسری چیز  
علم کہلانے کی مستحق نہیں۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ اُن کے وطن تشریف لائے۔ شہر میں اُن کی ولایت  
و بزرگی کا چرچا ہوا۔ حضرت ابو یزید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے بھی زیارت کا قصد کیا۔ اور  
اپنے ایک رفیق سے کہا کہ چلو اُن بزرگ کی زیارت کر آئیں۔ ابو یزید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی  
اپنے رفیق کے ساتھ اُن کے مکان پر تشریف لے گئے۔ یہ بزرگ گھر سے نماز کے  
لئے نکلے، جب مسجد میں داخل ہوئے تو جانبِ قبلہ میں تھوک دیا۔ ابو  
یزید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی یہ حالت دیکھتے ہی واپس ہو گئے اور اُن کو سلام بھی نہ کیا۔ اور فرمایا:  
یہ شخص نبی کریم ﷺ کے آداب میں سے ایک ادب پر مامون نہیں کہ اس کو  
ادا کر سکے، اس سے کیا توقع رکھی جائے کہ یہ کوئی ولی اللہ ہو۔

امام شاطبی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل فرمانے کے بعد  
لکھتے ہیں کہ حضرت ابو یزید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا یہ ارشاد ایک اصل عظیم ہے، جس سے  
معلوم ہوا کہ تارک سنت کو درجہ ولایت حاصل نہیں ہوتا۔ اگرچہ ترک سنت بوجہ  
ناواقف ہونے کے ہوا ہو۔

اب آپ اندازہ کریں کہ جو علانیہ ترک سنت اور احداث بدعت پر مُصر ہوں،  
اُن کو بزرگی اور ولایت سے کوئی دُور کا واسطہ بھی ہو سکتا ہے؟

نیز ابو یزید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی شخص کی گھلی گھلی کرامات  
دیکھو۔ یہاں تک کہ وہ ہوا میں اُڑنے لگے، تو اُس سے ہرگز دھوکا نہ کھاؤ، اور اُس کی



بزرگی و ولایت کے اس وقت تک معتقد نہ ہو، جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور جائز و ناجائز اور حفاظت حد و داور آداب شریعت کے معاملہ میں اُس کا کیا حال ہے۔ حضرت سہل تستری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں:-

بندہ جو فعل بغیر اقتداء (رسول) کے کرتا ہے، خواہ وہ (بصورت) طاعت ہو یا معصیت، وہ عیش نفس ہے۔ اور جو فعل اقتداء و اتباع سے کرتا ہے۔ وہ نفس پر عتاب اور مشقت ہے۔ کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتداء و اتباع میں نہیں ہو سکتی۔ اور اصل مقصود ہمارے طریق (یعنی سلوک) کا یہی ہے۔ کہ اتباع ہو اسے بچیں نیز فرمایا کہ ہمارے (یعنی صوفیائے کرام کے) اصول سات ۷ ہیں۔

- ۱ کتاب اللہ کے ساتھ تمسک۔
- ۲ سنت رسول اللہ ﷺ کی اقتداء۔
- ۳ اکل حلال (یعنی کھانے پینے اور استعمال کرنے میں اس کا لحاظ کہ کوئی چیز حرام و ناجائز نہ ہو)
- ۴ لوگوں کو تکلیف سے بچانا۔
- ۵ گناہوں سے بچنا۔
- ۶ توبہ۔
- ۷ ادائے حقوق۔

نیز ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں سے مخلوق مایوس ہو گئی:-

- ۱ توبہ کا التزام۔
- ۲ سنت رسول ﷺ کا اتباع۔
- ۳ مخلوق کو اپنی ایدہ سے بچانا۔

نیز کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ فوت (عالی ظرفی) کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ اتباع سنت۔



حضرت ابوسلیمان دارانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:  
بسا اوقات میرے قلب میں معارف و حقائق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی  
خاص نکتہ عجیبہ وارد ہوتا ہے اور ایک زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے۔ مگر میں اس  
کو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ اور وہ عادل گواہ کتاب  
و سنت ہیں۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-  
جو شخص کوئی عمل بلا اتباع سنت کے کرتا ہے، اُس کا عمل باطل ہے۔  
حضرت ابو حفص حداد رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

جو شخص ہر وقت اپنے احوال و افعال کو کتاب و سنت کی میزان میں وزن نہیں کرتا  
اور اپنے خواطر (وارداتِ قلبیہ) کو مہتمم (نا قابلِ اطمینان) نہیں سمجھتا۔ اس کو مردانِ  
راہِ تصوف میں شمار نہ کرو۔ نیز آپ سے بدعت کی حقیقت دریافت کی گئی، تو فرمایا۔  
کہ احکام میں تعدی، یعنی شرعی حدود سے تجاوز کرنا، اور تہاون فی السنن یعنی  
آنحضرت ﷺ کی سنتوں کے اتباع میں سستی کرنا۔ اور اتباع الآراء والاھواء  
یعنی اپنی خواہشات اور (غیر معتبر) آراءِ رجال کی پیروی اور ترکِ اتباع والاقتداء  
یعنی سلف صالح کے اتباع و اقتداء کو چھوڑنا اور کبھی کسی صوفی کو کوئی حالتِ رفیعہ بغیر  
امرِ صحیح کے اتباع کے حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت حمدون قصار رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی:

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں کے اعمال پر احتساب اور دار و گیر کسی  
شخص کے لئے کس وقت جائز ہوتی ہے؟ فرمایا۔ جب وہ یہ سمجھے کہ یہ احتساب اور  
امر بالمعروف مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔ فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ جس کو امر  
بالمعروف کیا جائے، وہ اس کا ماتحت اور تحتِ قدرت ہو، یا یہ یقین ہو کہ وہ ہماری  
بات مان لے گا۔ وغیر ذالک۔ یا یہ خوف ہو کہ کوئی انسان بدعت میں مبتلاء ہو کر



ہلاک ہو جائے گا۔ اور اس کو یہ گمان ہے کہ ہمارے کہنے سننے سے اُس کو نجات ہو جائے گی۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص سلف صالح کے احوال پر نظر ڈالتا ہے۔ اُس کو اپنا قصور اور مردانِ راہِ خدا کے درجات سے اپنا پیچھے رہنا معلوم ہو جاتا ہے۔

علامہ شاطبی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ غرض اس کلام کی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ لوگوں کو سلف صالح کی اقتداء کی ترغیب دیں کیونکہ یہی حضرات اہل سنت ہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی:-

آپ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ عارفین پر ایک حالت ایسی آتی ہے کہ وہ تمام حرکات و اعمال چھوڑ کر تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں۔ حضرت جنید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ یہ اُن لوگوں کا قول ہے، جو اسقاطِ اعمال کے قائل ہیں۔ اور فرمایا کہ میں تو اگر ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں، تو اپنے اختیار سے اعمال (طاعات و عبادات) میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں۔ ہاں مغلوب و مجبور ہو جاؤں تو وہ دوسری بات ہے۔

اور فرمایا کہ وصول الی اللہ کے جتنے راستے عقلاً ہو سکتے ہیں۔ وہ سب کے سب بجز اتباع آثار رسول اللہ ﷺ کے تمام مخلوق پر بند کر دیئے گئے ہیں۔ (یعنی بغیر اقتداء رسول اللہ ﷺ کے کوئی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا اور جو دعویٰ کرے وہ کاذب ہے)

اور فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب (یعنی سلوک و تصوف) کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو حفظ نہ کرے اور حدیث رسول ﷺ کو نہ دیکھے۔ اس معاملہ (یعنی تصوف) میں اُس کی اقتداء نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ ہمارا علم



کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔ اور فرمایا کہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت ابو عثمان جیسری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کے ساتھ معیت و صحبت تین چیزوں سے ہوتی ہے ایک ❶ حُسن ادب۔ دوسرے ❷ دوامِ ہیبت، تیسرے ❸ مراقبہ۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحبت و معیت اتباعِ سنت اور ظاہرِ شریعت کے التزام سے حاصل ہوتی اور اولیاء اللہ کی صحبت ادب و احترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی وفات کے وقت آپ کا حال متغیر ہوا۔ تو صاحبزادہ نے بوجہ شدتِ غم و الم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، ابو عثمان رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے آنکھ کھولی۔ اور فرمایا۔ بیٹا! ظاہرِ اعمال میں خلافِ سنت کرنا یہ باطن میں ریا ہونے کی علامت ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس پر قول و فعل میں سنت کو حاکم بنائے گا، وہ حکمت کے ساتھ گویا ہوگا۔ اور جو قول و فعل میں خواہشات ہوا کو حاکم بنائے گا، وہ بدعت کے ساتھ گویا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ تَطِيعُوا تَهْتَدُوا۔ یعنی اگر تم نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

حضرت ابوالحسنین نووی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں:-

جس کو تم یہ دیکھو کہ تقرب الی اللہ میں وہ کسی ایسی حالت کا مدعی ہے جو اس کو علم شرعی کے حد سے نکال دے تو تم اُس کے پاس نہ جاؤ۔

حضرت بن فضل بلخی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

اسلام کا زوال چار چیزوں سے ہے:-

- ❶ لوگ علم پر عمل نہ کریں۔
- ❷ علم کے خلاف عمل کریں۔
- ❸ جس چیز کا علم ہو، اس کو حاصل نہ کریں۔



۴) لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روکیں۔

علامہ شاطبی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ یہ تو اُن کا ارشاد ہے اور ہمارے زمانہ کے صوفیوں کا عام طور سے یہی حال ہو گیا اور فرمایا کہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کے ساتھ سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ شخص ہے، جو اُس کے اوامر کے اتباع میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہو۔ اور اس کے رسول ﷺ کا سب سے زیادہ متبع ہو۔

حضرت شاہ کرمانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

جو شخص اپنی نظر کو محارم سے محفوظ رکھے۔ اور اپنے نفس کو شبہات سے بچائے اور اپنے باطن کو دوام مراقبہ کے ساتھ معمور کرے اور ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کرے اور اپنے نفس کو اکل حلال کی عادت ڈالے۔ تو اُس کی فراست میں کبھی خطا نہیں ہو سکتی۔

ابو سعید خزاز رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

ظاہر شریعت جس باطنی حالت کا مخالف ہو وہ باطل ہے۔

ابوالعباس ابن عطاء رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی:

جو سید الطائفہ حضرت جنید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے اقران میں سے ہیں، فرماتے ہیں جو شخص اپنے نفس پر آداب الہیہ کو لازم کر لے، اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اس کے قلب کو نور معرفت سے منور فرما دیتا ہے۔ اور کوئی مقام اُس سے اعلیٰ و اشرف نہیں ہے، کہ بندہ حبیب اللہ ﷺ کے اوامر اور اعمال و اخلاق میں اُن کا متبع ہو۔ نیز فرمایا کہ سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے غافل ہو۔ اور یہ کہ اُس کے اوامر و احکام سے غافل ہو۔ اور یہ کہ اُس کے آداب معاملہ سے غافل ہو۔

ابراہیم خواف رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

علم کثرت روایت کا نام نہیں۔ بلکہ عالم صرف وہی شخص ہے جو اپنے علم کا متبع ہو اور اس پر عمل کرے۔ اور سنت نبوی ﷺ کی اقتداء کرے۔ اگرچہ اس کا علم تھوڑا



ہو۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ عافیت کیا چیز ہے؟ فرمایا:-

”دین بلا بدعت و عمل بلا آفت و قلب بلا شغل و نفس بلا شہوت!“

دین بغیر بدعت کے اور عمل بغیر آفت کے یعنی بدعات و مختصرات کی آفتیں اُس میں شامل نہ ہوں اور قلب فارغ جس کو (غیر اللہ کا) شغل نہ ہو۔ اور نفس جس میں شہوت کا (غلبہ) نہ ہو۔! اور فرمایا کہ حقیقی صبریہ ہے کہ احکام کتاب و سنت ہر مضبوطی سے قائم رہو۔

حضرت بنان حمال رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی:-

آپ سے دریافت کیا گیا کہ احوالِ صوفیہ کی اصل کیا ہے۔ فرمایا۔ چار چیزیں:-  
اوّل۔ جس چیز کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے۔ اُس میں اُس پر اعتماد و توکل کرنا (یعنی رزق)۔

دوم۔ احکامِ الہیہ پر مضبوطی سے قائم رہنا۔

سوم۔ قلب کی حفاظت (لا یعنی تفکرات سے)۔

چہارم: کونین سے فارغ ہو کر توجہ محض ذاتِ حق کی طرف رکھنا۔

حضرت ابو حمزہ بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:-

جس شخص کو حق کا صحیح راستہ معلوم ہو جاتا ہے اُس کو اُس پر چلنا بھی سہل ہو جاتا ہے اور اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی تک پہنچانے والے راستے کے لئے کوئی رہبر و راہنما بجز سنتِ رسول اللہ ﷺ کی احوال و افعال و اقوال میں متابعت کے نہیں ہے۔

ابو اسحاق رقاشی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:-

اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں حق تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوں، یا نہیں۔ تو علامت اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی محبت کی یہ ہے کہ وہ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کی طاعت اور اُس کے رسول ﷺ کی مطابعت کو سب کاموں پر ترجیح دے۔ اور دلیل اس کی



حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:-

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله!

حضرت مشاد دینوری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

آداب مرید کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کے احترام و عظمت کا التزام کرے اور اخوان طریقت کی حرمت کا خیال رکھے۔ اور اسباب کی فکر میں (زیادہ) نہ پڑے اور آداب شریعت کی اپنے نفس پر پوری حفاظت کرے۔

ابوعلیٰ روزباری قدس سرہ۔

آپ سے کسی نے ذکر کیا۔ بعض صوفیاء غنا و مزا میر سنتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے حلال ہے، کیونکہ میں ایسے درجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مجھ پر اختلاف احوال کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ تو سچ کہا کہ وہ پہنچ گیا ہے مگر اللہ تبارک و تعالیٰ تک نہیں، بلکہ جہنم تک۔

ابو محمد عبد اللہ بن منازل رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی فریضہ کو ضائع کرتا ہے اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ سنن کی اضاعت میں مبتلا فرمادیتا ہے اور جو شخص سنن کی اضاعت میں مبتلا ہوتا ہے وہ بہت جلد بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ابو یعقوب نہر جوری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

صوفی کا افضل ترین حال وہ ہے، جو علم شریعت سے زیادہ قریب ہو۔

ابو عمرو بن نجید رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

جو حال علم کا نتیجہ نہ ہو، اس کا ضرر نفع سے زیادہ ہے!

حضرت بندار بن الحسین رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

اہل بدعت کی صحبت حق سے اعراض پیدا کر دیتی ہے۔



ابوبکر طمستانی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:-

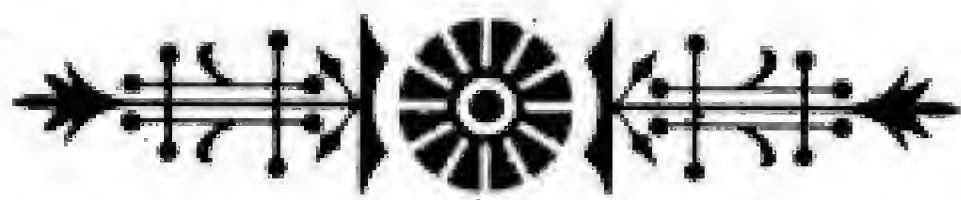
طریق تصوف گھلا ہوا ہے۔ اور کتاب وسنت ہمارے درمیان قائم ہے۔ اور فضیلت صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی بوجہ سبقت فی الہجرت اور صحبت نبی کریم ﷺ کے معلوم ہے۔ پس ہم میں سے جو شخص کتاب وسنت کا ساتھ دے۔ اور اپنے نفس اور مخلوق سے جدا ہو جائے اور اپنے دل سے اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی کی طرف ہجرت کرے، صرف وہی شخص صادق اور مصیب ہے۔

ابوالقاسم نصر آبادی رَحْمَةُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:-

تصوف کی اصل صرف کتاب وسنت کا التزام اور بدعات و ہوا سے اجتناب اور مشائخ طریقت کی عظمت واحترام اور خلق اللہ کے اعذار پر نظر، اور ان پر مداومت اور تاویلات اور رخصتوں کا ترک ہے۔

احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ چالیس سے زائد مشائخ صوفیہ کے اقوال اس بارہ میں نقل کئے گئے ہیں۔ جو سمجھدار کے لئے کافی سے زائد ہیں۔ اس لئے انہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ورنہ اس مقدس جماعت کے اکثر افراد سے اسی قسم کے اقوال منقول ہیں۔ جن کے جمع کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ حق تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی ان حضرات کی برکت سے اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائیں اور بدعات ومخترعات سے بچائے اور اس ناکارہ کو بھی ان حضرات کے زمرہ میں محسور فرمائے۔ (آمین)

(ماہنامہ فاران کراچی حصے نمبر، جون ۱۹۵۷ء)





از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

# مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

(مولانا محمد ادریس کاندھلوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی)

رفیق شفیق، انی فی اللہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اس وقت ان چند بزرگ ہستیوں میں سے تھے جو برصغیر پاک و ہند میں انگلیوں پر گنی جاتی ہیں، جو مدتوں اکابر علماء و مشائخ کی نظروں میں پلے، ان کی صحبتوں سے مستفید ہو کر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، جنہوں نے کتابوں سے زیادہ استادوں کو پڑھا آج دنیا میں انکی مثالیں کہاں اور کس طرح پیدا ہوں؟ مولانا محمد ادریس صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے ساتھ احقر کی رفاقت نصف صدی سے زائد کی رفاقت ہے جو ۷ رجب ۱۳۹۲ھ بروز دوشنبہ آپکی وفات حسرت آیات پر ختم ہوئی۔

فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ط

اس وقت دارالعلوم دیوبند کے اس دور کا نقشہ آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ جب کہ ۱۳۳۷ھ میں ہم چند نوعمروں کو بیک وقت دارالعلوم دیوبند میں خدمت درس و تدریس سپرد کی گئی ان میں مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہو کر ۱۳۲۶ھ میں دوبارہ دورہ حدیث کے لئے حضرت الاستاد مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس



طرح مکرر دورہ حدیث سے فارغ ہو کر ۱۳۳۷ھ میں خدمت درس و تدریس پر مامور ہوئے، اس سے ایک سال پہلے ۱۳۳۵ھ میں احقر دورہ حدیث سے فارغ ہوا تو ۱۳۲۶ھ میں کچھ اسباق سپرد کئے گئے اور ۱۳۳۷ھ مستقل درس و تدریس کی خدمت پر مامور کیا گیا، ہم تینوں اس وقت کے نو عمر بچے تھے، جنکو اکابر اساتذہ ہی کی خدمت میں رہ کر تعلیمی خدمات انجام دینے کا موقع حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند ائمہ فن علماء اور اولیاء و اتقیاء کا..... ایک بے مثال گہوارہ تھا۔

ایک طرف نمونہ سلف، قدوة المشائخ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دارالعلوم کا حلقہ درس، حافظ ابن حجر اور شیخ الاسلام نووی کے حلقہ درس کی مثال تھی تو دوسری طرف شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا حلقہ درس امام غزالی اور رازی کی یاد تازہ کرتا تھا، ایک طرف شیخ المشائخ کل ہند مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب کا حلقہ فتویٰ و درس حدیث و تفسیر اور اس کے ساتھ حلقہ اصلاح و ارشاد اور مالکان طریقت کی تربیت کا بے نظیر سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف یادگار سلف عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا درس حدیث و فقہ اور نہایت مفید و عام تصانیف کا سلسلہ تھا اسی کے ساتھ عام اصلاح خلق کے لئے ارشاد تربیت کا ایک بڑا حلقہ تھا جس سے ہزار ہا بندگان خدا کی اصلاح ہوتی تھی اور ان میں دینی انقلاب نمایاں نظر آتا تھا۔

شیخ الأدب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور شیخ المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی اور حضرت مولانا رسول خاں صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اُس زمانے کے متوسط مدرسین میں شمار ہوتے تھے۔ رئیس المناظرین حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب (چاند پوری) اس وقت کے ناظم تعلیمات تھے۔ حجتہ الاسلام بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم کے



صاحبزادے حضرت مولانا محمد احمد صاحب دارالعلوم کے صدر مہتمم تھے اور اس کے ساتھ ہمیشہ ایک سبق پڑھانے کا معمول تھا۔ ہدایہ اولین کا ابتدائی حصہ احقر نے انہیں سے پڑھا تھا۔ نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی تھے جن کے عربی قصائد اور عظیم الشان تصنیف ”دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا“ ہر طبقے کے علماء میں قبول عام حاصل کر چکے ہیں، غرض جس طرف دیکھو یہ بزرگان سلف کے نمونے پیکر و علم و عمل ستاروں کی طرح درخشاں نظر آتے تھے۔ جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا تھا ان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ ۔

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی

کسی شخص پر ان حضرات کی توجہ اور نظر عنایت ہو جانا بلاشبہ حق تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر تھا۔ اس پر اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس کے فضل سے ان سب بزرگوں کی نظر انتخاب نے ہم نوعمروں کو ان اکابر کی خدمت سے استفادہ کے مواقع فراہم فرمائے۔ ان حضرات نے ہم تینوں میں درس و تدریس کی خدمات کے ساتھ مسائل کی تحقیق اور علمی بحث و مباحثہ اور تصنیف و تالیف کا بھی ذوق پیدا کیا خصوصاً ۱۳۴۰ھ میں قادیانی فتنہ نے سراٹھایا اور ان لوگوں کو یہ جرأت ہونے لگی کہ علماء کو مناظرہ اور مقابلہ کی دعوت دینے لگے۔ اس نے سنی علماء کو اس فتنہ کی روک تھام کی طرف متوجہ کیا خصوصاً حضرت الاستاد سید محمد انور شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کے قلب مبارک میں اس کا اہتمام اس شان سے پیدا ہوا کہ جیسے کوئی مامور من اللہ کسی خاص خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اس وقت درس و تدریس کے بعد حضرت موصوف کے تمام اوقات اسی فتنہ کے انسداد پر خرچ ہونے لگے۔ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ہم تینوں نو عمر مدرسوں کو اس کام پر لگایا کہ عقائد اسلامیہ کے خلاف تمام مسائل میں قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کیا جائے، مسئلہ ختم نبوت پر لکھنے کے لئے احقر کو مامور فرمایا اور نزول مسیح ﷺ وغیرہ کے مسائل کا کام مولانا سید بدر عالم میرٹھی اور



مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے سپرد فرمایا۔ سب سے پہلے ہم تینوں میں وجہ ربط و ارتباط یہ سلسلہ بنا، احقر نے حضرت اُستاد کی ہدایات کے مطابق پہلے عربی زبان میں مسئلہ ختم نبوت کی تحقیق پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام حضرت استاد رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ہدیۃ المہدیین فی آیۃ خاتم النبیین رکھا۔ اس کو عربی زبان میں لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ عرب بغداد وغیرہ عرب ممالک سے ایسی خبریں آتی تھیں کہ وہاں بھی ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اس طرح کی تلبیس پھیلائی ہے پھر مزید تفصیل کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت کو اردو زبان میں تین حصوں میں لکھا۔ مولانا بدر عالم صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے الکلام الفصیح فی نزول المسیح کے نام سے ایک قابل قدر تصنیف فرمائی، مولانا محمد ادریس صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے کلمۃ اللہ فی حیۃ روح اللہ کے نام سے اس موضوع پر بہترین کتاب لکھی یہ سب کتابیں اسی زمانے میں چھپ کر شائع ہوئیں۔

اسی زمانے میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جسکی قیادت اُستاد محترم حضرت شاہ صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرما رہے تھے عام مسلمانوں میں قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا اس دورہ میں بھی ہم تینوں کو حضرات کا ہم سفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اسی زمانے میں یہ تجویز ہوا کہ سالانہ ایک جلسہ خود قادیان میں منعقد کیا جائے جس میں مرزا کے اوہام باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جا کر کی جائے، ان جلسوں میں بھی حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک رہنے کا موقع ملا۔

فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو ان کے مناظرہ کے لئے دارالعلوم کی طرف سے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیق سفر رہے، خود حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بھی پہنچ گئے، تین روزہ یہ تاریخی مناظرہ جاری رہا۔



حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کی خاص توجہ اور مسلسل کوشش نے چند سال میں ایسا کر دیا تھا کہ علمی اعتبار سے مرزا ملعون اور قادیانیت نے دم توڑ دیا اور یہ لوگ مناظرہ، مبالغہ کا نام لینا چھوڑ کر زیر زمین سازشوں میں مشغول ہو گئے۔

اکابر دارالعلوم کی خاص نظر عنایت نے ہم تینوں کو ایسا مخلص رفیق بنادیا تھا کہ نہ کبھی کوئی معاصرانہ چمک درمیان میں آئی نہ کوئی شکوہ شکایت۔

۱۳۴۶ھ کے ایک خاص واقعہ میں حضرت شاہ صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی مع بعض دیگر اکابر و اصاغر کے ڈابھیل تشریف لے گئے تو مولانا سید بدر عالم صاحب بھی ساتھ ہی تشریف لے گئے، دیوبند میں اب ہم تینوں میں سے احقر اور مولانا محمد ادریس صاحب رہ گئے اور دیوبند میں ہماری یہ رفاقت بناء پاکستان کے وقت تک مسلسل رہی پاکستان بننے کے بعد پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم تینوں کو پاکستان جمع فرمادیا۔

اور مجھے یہ بات ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ میرے پاکستان میں مستقل قیام کا سبب مولانا سید بدر عالم صاحب تھے کیونکہ احقر شروع میں جب پاکستان آیا تو ہجرت کی نیت سے نہیں بلکہ ایک کام دستور اسلامی کے سلسلہ میں انجام دینے کے لئے آیا تھا اسی لئے والدہ محترمہ اور اکثر عیال اس وقت تک دیوبند ہی تھے۔ رمضان ۱۳۶۸ھ میں ہمارا کام پورا ہو گیا تو میرا ارادہ واپس ہندوستان جانے کا تھا۔ یہ ماہ رمضان گرمی کے زمانے کا تھا۔ مولانا بدر عالم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی صاحب کئی مرتبہ گورا قبرستان کراچی سے میری جائے قیام و کٹورہ روڈ پر پیدل چل کر اس لئے تشریف لائے کہ مجھے پاکستان میں مستقل قیام کے لئے تاکید کریں کیونکہ ان کی نظر میں اس وقت میرا قیام پاکستان کے لئے ضروری تھا۔ ان کی ایک مخلصانہ ہمدردانہ فہمائش ہی کی بناء پر احقر نے ہندوستان سے ہجرت اور پاکستان کے مستقل قیام کا عزم کر لیا۔

مولانا محمد ادریس رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی صاحب پاکستان تشریف لائے تو پہلے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے سربراہ کی حیثیت سے بہاولپور میں مقیم ہوئے اس عرصہ میں



بھی ملاقاتیں اور خط و کتابت ہوتی رہتی تھی پھر جلدی آپ جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث ہو کر تشریف لے آئے اور جامعہ میں درس حدیث کی خدمت انجام دیتے ہوئے عمر گزاری کی آخری ساعات پوری فرمادیں۔ الھم اغفر له مغفرة ظاهرة باطنة لاتغادر ذنبا۔

قیام جامعہ اشرفیہ کے زمانے میں الحمد للہ بار بار باہمی ملاقات اور مسلسل خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ باہمی تعلق روز بروز بڑھ رہا ہے، وہ ہر تصنیف مجھے سناتے اور چھپنے کے بعد عطا فرماتے تھے یہی سلسلہ کچھ احقر کی طرف سے جاری رہتا تھا۔ باوجود اس فوقیت کے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر علم و فن اور عمل اور اخلاق میں ان کو مجھ پر عطا فرمائی تھی اپنی تواضع کی بناء پر فتویٰ میں مجھ پر اعتماد فرماتے تھے اور میری تمام تصانیف کو اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھتے تھے، وفات سے غالباً ایک سال پہلے جب میری تفسیر معارف القرآن مکمل ہوئی اور آخری آٹھویں جلد مولانا موصوف کی خدمت میں بھیجی تو اس پر اپنی انتہائی خوشنودی کا اظہار فرمایا جسکو دارالعلوم کے ماہنامہ البلاغ میں شائع کر دیا گیا ہے اسی کے ساتھ ایک خط میں تحریر فرمایا کہ میں تمہاری ہر تصنیف کے دو نسخے رکھتا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے۔ ومن کل شیء خلقنا زوجین مولانا موصوف کی ہر مجلس میں علمی چاشنی اور قرآن و حدیث کے جملے بڑے بر موقع ہوا کرتے تھے۔

ایک حج کے موقع میں اتفاقاً احقر بھی حاضر تھا، مکہ مکرمہ مدرسہ صولتیہ میں قیام تھا یہاں ہندوستان کے ایک عالم بھی ملاقات کے لئے آئے انہوں نے پاکستان کے سربراہ مملکت کے متعلق کچھ شکایت کی تو برجستہ فرمایا کہ وہ ہندوستان کے ہندو سربراہ مملکت سے بہر حال بہتر ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ ولعبد مؤمن خیر من مشرك ولو اعجبکم اور ولوا عجکم کے الفاظ کہتے ہوئے انکی طرف اشارہ کر کے مزید لطف بڑھا دیا وہ ہندوستانی عالم بھی بے تکلف دوست تھے بہت محفوظ ہوئے،



میرے لڑکے مولوی محمد تقی سلمہ، اب سے چند ماہ پہلے لاہور گئے تو مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے بڑی شفقت کے ساتھ بٹھایا اور فرمایا کہ معاصرین میں باہم کچھ چشمک ہوا کرتی ہے مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم میں اور مفتی صاحب میں کبھی اس کا نام نہیں آیا۔ جب کوئی مفتی صاحب کی تعریف و مدح کرتا ہے تو میں اس کو اپنی ہی تعریف سمجھتا ہوں کیونکہ ابن حاجب نے کافیہ میں توابع بیان کے تحت صفت کی دو قسمیں لکھیں ہیں جن میں ایک قسم صفت متعلق منوعات بھی ہے جیسے زید العالم اخوہ یعنی زید جس کا بھائی عالم ہے اس میں بھائی کے عالم ہونے کو خود زید کی صفت قرار دیا ہے تو میں مفتی صاحب کی صفت کو اپنی صفت کیوں نہ سمجھوں۔

حقیقت یہ ہے کہ مجھ بے علم اور بے عمل کا تو کہنا ہی کیا مولانا کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے علمی کمالات میں اپنے بھی معاصرین میں خاص امتیاز اور تفوق عطا فرمایا تھا مگر ساتھ بزرگوں کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی جو قدیم علماء دیوبند کا خاص امتیاز تھا کہ نہ کبھی علم کے دعوے نہ دوسروں پر اپنی فوقیت کا کہیں کوئی شائبہ، مشہور مقولہ ہے کہ معاشرت مفاخرت کی بنیاد ہوتی ہے مگر اللہ والوں کی شان ان سب چیزوں سے بلند ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے مولانا موصوف کو ایسا ہی بنایا تھا جس کے آثار ان کے تمام اعمال و افعال میں ظاہر ہوتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ علمی کمالات بھی کبھی اپنا رنگ لاتے ہیں جب ان کے ساتھ تزکیہ باطن اور تقویٰ و طہارت ہو، مولانا موصوف کو حق تعالیٰ نے جس طرح علمی کمالات میں فائق فرمایا تھا اسی طرح ان باطنی کمالات سے بھی مزین فرمایا تھا۔

مولانا موصوف کے عملی کمالات کا کچھ اندازہ ان کی تصانیف سے لگایا جاسکتا ہے حدیث کی کتاب مشکوٰۃ شریف پر آپ کی مفصل شرح تو عرصہ دراز سے علماء و طلباء میں خاص مقبولیت حاصل کر چکی ہے، بعد میں حل مشکلات بخاری وغیرہ دوسری تصانیف بھی فن حدیث سے متعلق ہوتی رہیں جو آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق



ہیں۔ سیرت نبوی ﷺ کے متعلق آپ کی تصنیف سیرۃ المصطفیٰ تین جلدوں میں بہترین تصنیف ہے، قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا تو معارف القرآن کے نام سے لکھنا شروع کیا بعض لوگوں نے کہا کہ اس نام کی تفسیر تو مفتی محمد شفیع صاحب کی چھپ رہی ہے تو فرمایا کہ میں اور وہ الگ الگ نہیں اسی طرح میرے رسالے دعاویٰ مرزاہی کے نام پر اسی موضوع پر دو رسالے تصنیف فرمائے۔

افسوس ہے کہ مولانا کی تفسیر قرآن مکمل نہ ہو سکی مگر اس کی جتنی جلدیں چھپی ہیں وہ بھی اپنی جگہ علماء و طلباء کے لئے بڑا مفید ذخیرہ ہے، حق تعالیٰ قبول فرمائیں۔

مولانا کے علمی شغل اور علمی ذوق نے ہمیشہ ان کو دنیا کے ساز و سامان سے بے نیاز رکھا تھا۔ ایک روز خود مجھے فرمایا کہ میرے گھر والے کبھی کبھی مجھ سے کہتے ہیں کہ کچھ تو دنیا کا بھی خیال کرو۔ تو میں کہہ دیتا ہوں کہ دنیا نے میرا کیا خیال کیا ہے جو میں اس کے خیال میں مبتلا رہوں۔

دن رات کے عملی اشتغال کا یہ عالم تھا کہ میرے بڑے لڑکے مولوی محمد زکی سلمہ، جولاہور ہی میں رہتے ہیں۔ اور مرض وفات میں تقریباً روزانہ ہی حاضر خدمت ہوتے تھے۔ وفات سے دو تین روز پہلے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ نیم بیہوشی کے عالم میں ضعف و نقاہت بے حد تھی اس حال میں آنکھ کھولی اور محمد زکی پر نظر پڑی تو پوچھا کہ حدیث کی کتاب موطا امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا اردو ترجمہ وحید الزمان صاحب کا آپ کے پاس موجود ہے یا نہیں؟۔ محمد زکی سلمہ نے عرض کیا کہ وہ مکمل نہیں چھپا۔ جس قدر چھپا ہے وہ موجود ہے تو فرمایا کہ وہ میرے پاس بھیج دینا اس وقت جب کہ سب طاقتیں جواب دے چکی تھیں، اب بھی اس دلدادہ علم کو کتابوں کی تلاش تھی جس کی نظیریں ائمہ سلف ہی کے حالات میں ملتی ہیں۔

مولانا کے عملی کمالات بیان کرنے کے لئے تو ایک ضخیم کتاب چاہئے اور امید ہے کہ مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد مالک صاحب اس کام کو انجام دیں گے۔ یہ



سطور اس تفصیل کی متحمل نہیں، یہاں تو اس وقتی تاثر اور ناقابل تلافی نقصان کا اظہار ہے جو مولانا کی وفات سے اُمتِ مرحومہ کو پہنچا ہے، مولانا علمی اور مولانا عملی کمالات میں تو مجھ سے بہت فائق اور آگے تھے مگر عمر میں پانچ سال پیچھے اس لئے ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ اُمید تھی کہ ان کی وفات کا سانحہ میری زندگی میں پیش نہ آئے گا اور تمنا اور دعا تھی مگر بحکم قضاء قدر میدان ہستی کے قطع کرنے میں بھی وہ ہی مجھ سے سبقت لے گئے۔ وَاِنَّا لِيَه رَاجِعُونَ مولانا کی وفات نے بالکل کمر توڑ دی اور اب اپنی زندگی بھی تلخ ہو گئی۔

ذهب الذين يعاش في اكنافهم

وبقيت منهم كالبعير الاجرد

ترجمہ: وہ لوگ چل بے جن کے سائے میں لوگ زندہ رہا کرتے تھے اور میں ان میں سے ایک خاشتی اونٹ کی طرح باقی رہ گیا، ایک زمانہ تھا کہ اس طرح کے واقعات پر نظمیں اور مرثیے اور تاریخی قطعات لکھا کرتا تھا، افسوس ہے کہ اب دل و دماغ اس سے بالکل ہی کورا ہو گیا۔ اسی کو اپنی اس تحریر کا ضمیمہ بناتا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مولانا محمد ادریس صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے اہل و عیال کو صبر جمیل دے کے اپنا تکفل عطا فرمائے۔ صاحبزادوں کو مولانا کی علمی میراث کا سچا جانشین بنائیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلیل

بندہ محمد شفیع، خادم دارالعلوم کراچی

(بشکریہ البلاغ کراچی) (بحوالہ ماہنامہ الرشید مئی ستمبر ۱۹۷۷ء)





حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی مدظلہ

## کچھ تلافی مافات

حضرت مفتی صاحب مدظلہم بحمد اللہ اب روبصحت ہیں۔ آپ نے اپنی علالت کے دوران یہ مضمون تحریر کروا کر اپنے احباب اور متعلقین تک پہنچانے کی خواہش ظاہر فرمائی ہے۔ قارئین سے دعائے صحتِ کاملہ کی اپیل ہے۔

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

احقر اس وقت اپنی عمر کا ستتر واں ۷۷ سال گزار رہا ہے، اور یوں تو انسان کی پوری زندگی ہی اس کام کے لئے ہے کہ اسے سفرِ آخرت کی تیاری میں صرف کیا جائے، کیونکہ اس سفر کے لئے جوانی یا بڑھاپے کی کوئی قید نہیں، کتنے بوڑھے ہیں جنہوں نے اپنے پوتوں پڑپوتوں کو مٹی دی ہے اور کتنے جوان ہیں جو اپنی اولاد بھی نہیں دیکھ پائے۔ لہذا واقعہ تو یہ ہے کہ زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں آخرت کی فکر سے غفلت برتی جاسکے لیکن خاص طور سے بڑھاپے کی اس عمر کا سب سے بڑا مطالبہ انسان سے یہ ہے کہ اگر اس نے ماضی میں غفلت برتی ہے تو کم از کم اب وہ مکمل طور سے سفرِ آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ ہو جائے۔

سفرِ آخرت کی تیاری کے یوں تو بہت سے شعبے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ سنگین معاملہ حقوق العباد کا ہے، کیونکہ وہ صاحبِ حق کی معافی کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جس کے



ذمہ کسی (مسلمان یا کسی دوسرے انسان) بھائی کا کچھ حق ہو اسکی آبرو کے متعلق یا اور کسی قسم کا، وہ اس سے آج معاف کرا لے ایسے وقت سے پہلے کہ نہ اس کے پاس دینار ہو گانہ درہم۔ (مشکوٰۃ باب انظام)

اسی لئے میرے شیخ و مرشد اور مربی سیّدی و سندی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے شوال ۱۳۴۴ھ کے ماہنامہ ”النور“ میں (یعنی وفات سے تقریباً آٹھ سال پہلے) ایک مضمون ”العذر والنذر“ کے نام سے چھپوایا تھا جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ اپنے ذمہ جو حقوق العباد رہ گئے ہوں ان کا تصفیہ کیا جائے۔

عرصہ سے میرا بھی ارادہ تھا کہ اس قسم کا ایک مضمون تحریر کر کے، اپنے اعزہ، احباب اور متعلقین میں شائع کروں، لیکن گونا گوں مصروفیات میں یہ کام ٹلتا گیا۔ آج جبکہ دورہ قلب کے حملہ کی وجہ سے میں تقریباً اٹھارہ روز سے ہسپتال میں زیر علاج ہوں۔ اور اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی نے طبیعت کو رو بصحت کر کے اتنا افاقہ بخشا ہے کہ میں اپنا یہ مجوزہ مضمون لکھوا سکوں میں چاہتا ہوں کہ اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔

حقوق العباد دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک مالی، دوسرے غیر مالی، جہاں تک مالی حقوق کا تعلق ہے اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کے فضل و کرم سے میں نے کوشش ہمیشہ یہ کی ہے کہ اس قسم کے حقوق سے سبکدوش رہوں اور جن کی ادائیگی باقی ہے، ان کا بحمد اللہ انتظام کر رکھا ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ کچھ حقوق میرے ذہن میں نہ رہے ہوں، لہذا اگر کسی صاحب کا کوئی مالی حق میرے ذمہ رہ گیا ہو جسے میں بھول گیا ہوں تو براہ کرم وہ مجھے یاد دلادیں، اگر مجھے یاد آ گیا تو انشاء اللہ اسکی ادائیگی کر دوں گا۔

رہے غیر مالی حقوق، مثلاً کسی کو ناحق کچھ کہہ لیا ہو، کسی کی دشمنی کی ہو، خواہ رو برو یا پس پشت اور خواہ ابتداء ایسا کیا ہو یا انتقام میں جائز حدود سے تجاوز ہو گیا ہو یا کسی کو



ناحق بدنی ایذا پہنچائی ہو (اور اس قسم کے حقوق کا احتمال زیادہ ہے) ان سب اہل حقوق کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت سے درخواست ہے کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے معاوضہ لے لیں۔ (بشرطیکہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جائے) اور خواہ حبسۃ للہ معاف فرمادیں۔ میں دونوں حالتوں میں ان کا شکر گزار ہوں گا کہ مجھ کو آخرت کے محاسبہ سے بری فرمایا۔ اور معافی کی صورت میں دعا بھی کرتا رہوں گا۔ کہ میرے ساتھ مزید احسان فرمایا۔

جن مسائل میں احقر کو دوسروں سے عملی نظریاتی یا سیاسی اختلاف رہا ہے، ان میں اپنے شیخ و مربی سیدی وسندی حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے مزاج کے مطابق احقر کا معمول ہمیشہ یہ رہا ہے کہ میں نے اختلاف کو نظریہ، اصول اور مسلک کی حد تک محدود رکھنے کی کوشش کی ہے اور اشخاص و ذوات کو اس کا ہدف بنانے سے حتی الوسع پرہیز کیا ہے، تاہم ان مسائل میں حدود کی رعایت آسان نہیں ہوتی، اس لئے ممکن ہے کہ کوشش کے باوجود کہیں حدود سے تجاوز ہو گیا ہو۔ اور میرا قلم یا زبان کسی کی ناحق دل شکنی کا سبب بنی ہو، اس لئے جن حضرات سے میرا علمی، نظریاتی یا سیاسی اختلاف رہا ہے، ان سے بھی میری یہی درخواست ہے۔

حدیث میں کسی مسلمان بھائی کی معذرت قبول کر لینے اور اسے معاف کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں بلکہ ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ: ”جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے اُس پر ایسا گناہ ہوگا، جیسا ظلماً محصول وصول کرنے والے پر ہوتا ہے“ (ابن ماجہ) اور ایک دوسری حدیث میں ہے، کہ ”جس شخص سے اس کا بھائی معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے، وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہ آنے پائے گا“

(ترغیب و ترہیب، منقول از العذراء والنداء)

لہذا امید ہے کہ جن حضرات کے ایسے حقوق مجھ پر واجب ہیں۔ وہ ان



احادیث کے پیش نظر انشاء اللہ مجھے ضرور معاف فرمادیں گے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ کسی شخص کی غلطی معاف کرنے یا معذرت قبول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے دوستانہ اور خصوصی تعلقات بھی ضرور رکھے جائیں، کیونکہ ایسا کرنا بعض اوقات مشکل اور بعض اوقات خلاف مصلحت ہوتا ہے، لہذا معافی کی اس درخواست کا مطلب دوستی، بے تکلفی اور خصوصی مراسم کی درخواست نہیں ہے، صرف حقوق شرعیہ سے سبکدوش کرنے کی درخواست ہے۔

اور جس طرح میں دوسروں سے معافی کا طلب گار ہوں، اسی طرح حدیث نبوی ﷺ کے بموجب اللہ تبارک و تعالیٰ سے عفو و درگزر کی امید کرتے ہوئے اپنے وہ تمام غیر مالی حقوق بلا استثناء سب معاف کرتا ہوں جو کسی دوسرے مسلمان پر ہوں اور میرے جو مالی حقوق دوسروں پر واجب ہیں۔ اُن کے بارے میں یہ گزارش ہے کہ جن حضرات کو ادائیگی پر قدرت نہ ہو وہ مجھ سے خاص طور پر گفتگو کر لیں۔ انشاء اللہ ان کے لئے کوئی آسان راستہ نکال دوں گا، خواہ معافی، خواہ تخفیف، خواہ مہلت، خواہ اور کچھ۔

آخر میں اپنے تمام اعزہ احباب اور متعلقین سے درخواست ہے کہ وہ احقر کو حتی الامکان دعاؤں میں یاد رکھیں۔

جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

احقر

(مفتی) محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

(بحوالہ ماہنامہ الحق اگست ۱۹۷۲ء)



مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## حضور ﷺ کی مکی زندگی

ابتداءً جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ اعلانا تبلیغ کے لئے مامور نہ تھے۔ بلکہ اس میں صرف آپ ﷺ کی ذات کے احکام تھے۔ پھر کچھ دنوں سلسلہ وحی منقطع رہنے کے بعد جو آپ ﷺ پر دوبارہ وحی شروع ہوئی تو اس میں تبلیغ اسلام کے لئے حکم ہوا۔ مگر دنیا میں جہالت و ضلالت کی حکومت تھی، بالخصوص عرب کا تکبر اور غرور اور تقلید آباؤی انہیں حق پر کان لگانے کی اجازت ہرگز نہ دیتی تھی اس لئے ابتدا میں حکمت الہیہ کا اقتضاء یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو اعلانا تبلیغ و اشاعت اسلام کا امر نہ کیا جائے تاکہ اول ہی سے لوگ متنفر نہ ہو جائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء دعوت اسلام اپنی جان پہچان کے لوگوں ان شخصیتوں سے شروع کی جن پر آپ ﷺ کو اعتماد تھا یا آپ ﷺ فراست کے ذریعہ ان میں خیر و صلاح کے آثار دیکھتے تھے، اس طریق پر سب سے پہلے زوجہ مطہرہ خدیجہ الکبریٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور آپ ﷺ کے صدق و دیانت اور اخلاق سے خوب واقف تھے۔ جب آپ ﷺ نے ان کو رسالہ الیہ کی خبر دی تو انہوں نے تصدیق کی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنی قوم کے مسلم بزرگ تھے۔ تمام معاملات میں لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے بھی ان لوگوں کو دعوت اسلام دینی شروع کی، جن میں کچھ صلاح و خیر کے آثار



دیکھے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی اور عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبید اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے دعوت قبول کی اور آپ ان سب کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور سب مسلمان ہو گئے۔

ان کے بعد ابو عبیدہ بن جراح اور عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب اور سعید بن زید عدوی اور ابوسلمہ مخزومی اور خلاد بن سعید بن العاص اور عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبد اللہ اور ارقم بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اجمعین مشرف باسلام ہوئے، یہ سب کے سب قریش میں سے تھے اور غیر قریش میں سے صہیب رومی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، عمار بن یاسر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابو ذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اسلام میں داخل ہوئے اس وقت تک یہ دعوت اسلام محض خفیہ جاری تھی۔ عبادات اور اعمال شرعیہ بھی چھپ چھپ کر ادا کیے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے چھپ کر نماز پڑھتا تھا جب مسلمانوں کی تعداد تیس سے بڑھ گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے ایک وسیع گھر مقرر کر دیا۔ جس میں وہ سب جمع ہو جایا کرتے اور آپ ﷺ ان کو تعلیم فرماتے تھے۔ اس طریقے کی دعوت اسلام تین سال تک جاری رہی۔ اس دوران میں قریش کی ایک خاصی جماعت اسلام میں داخل ہو گئی اور پھر اور لوگ بھی داخل ہونے لگے یہ خبر مکہ میں پھوٹ نکلی اور لوگوں میں جا بجا اس کا چرچا ہونے لگا، اب اعلان دعوت حق کا وقت آ پہنچا۔

## دعوتِ اسلام

تین سال کے بعد جب کثرت سے مردوزن اسلام میں داخل ہونے لگے اور لوگوں میں اس کا چرچا ہوا، تو خداوند عالم نے آنحضرت ﷺ کو فرمایا کہ علی الاعلان لوگوں کو کلمہ حق پہنچاؤ۔ آپ ﷺ نے فوراً اس کی تعمیل کی اور مکہ کی پہاڑی ”صفا“ پر چڑھ کر اور قبائل قریش کا نام لے کر آواز دی جب تمام قبائل جمع ہو گئے تو آپ ﷺ



نے سب سے پہلے دریافت کیا کہ اگر تم کو خبر دوں کہ غنیم کا لشکر تم پر چڑھا چلا آ رہا ہے اور قریب ہے کہ تم پر ٹوٹ پڑے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے، یہ سن کر سب بہ یک زبان ہو کر بولے کہ بے شک ہم آپ ﷺ کی خبر کو بالکل حق سمجھیں گے، کیوں کہ ہم نے آج تک کبھی آپ ﷺ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تم نے اپنے باطل عقائد کو نہ چھوڑا تو خدا تعالیٰ کا سخت عذاب تم پر آنے والا ہے اور فرمایا:

”جہاں تک مجھے معلوم ہے، دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے اس تحفہ سے بہتر لے کر نہیں آیا جو میں تمہارے لئے لایا ہوں میں تمہارے لئے دین و دنیا کی فلاح و بہبود لے کر آیا ہوں۔ اور خداوند عالم نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف دعوت دوں خدا کی قسم اگر میں تمام دنیا کے انسانوں سے جھوٹ بولتا، تب بھی تمہارے سامنے جھوٹ نہ بولتا۔ اور اگر ساری دنیا کو دھوکہ دیتا تب بھی تمہیں دھوکہ نہ دیتا۔ اس ذات قدوس کی قسم ہے کہ جو ایک اور جس کا کوئی سہیم و شریک نہیں کہ میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام عالم کی طرف عموماً خدائے تعالیٰ کا رسول اور پیغمبر ہوں۔“

### مخالفت و عداوت

یہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ عرب کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی وحی میں ان بتوں کی حقیقت کھولی گئی ہے، ان کی پرستش کرنے والوں کی بے وقوفی ظاہر کی گئی ہے۔ تو آپ ﷺ کی عداوت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ان کی ایک جماعت آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آئی کہ وہ آپ ﷺ کو اس قسم کی باتوں سے روک دیں اور یا آپ ﷺ کی حمایت کرنا چھوڑ دیں۔ ابوطالب



نے عمدہ پیرائے میں جواب دے کر ان لوگوں کو لوٹا دیا۔ آنحضرت ﷺ اسی طرح کلمہ حق کی نشر و اشاعت میں سرگرم رہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے بھتیجے کو باز رکھو ورنہ ہم سب تمہارے خلاف جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ فریقین میں سے کوئی ایک فنا ہو جائے۔ اب تو ابوطالب کو بھی فکر ہوئی اور آنحضرت ﷺ سے اس معاملے پر گفتگو کی آپ ﷺ نے فرمایا:

”خدا کی قسم اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب لا کر رکھ دیں، اور یہ چاہیں کہ میں خدا کا کلمہ اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں تو میں ہرگز اس کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ یہ خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے اور یا کم از کم میں اسی جدوجہد میں اپنی جان دے دوں۔“

ابوطالب نے جب یہ رنگ دیکھا تو کہا اچھا جاؤ۔ تم اپنا کام کرتے رہو میں بھی تمہاری حمایت و نصرت سے کسی وقت ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔

نصرت کا لٹا نتیجہ

جب قریش نے دیکھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، اور ادھر موسم حج قریب ہے اس موقع پر تبلیغ میں سرگرم کوشش کریں گے، اور آپ ﷺ کے کلام حق کی مقناطیسی کشش سے سب واقف ہیں اس لئے اندیشہ ہے کہ اب آپ ﷺ کا مذہب تمام دنیا کے اطراف میں پھیل جائے گا، تو سب نے جمع ہو کر طے کیا کہ مکہ کے تمام راستوں پر اپنے آدمی بٹھا دیے جائیں تاکہ اطراف عالم سے جو لوگ حج کیلئے آئیں انھیں دور ہی سے کہہ دیا جائے کہ یہاں ایک ساحر ہے جو اپنے کلام سے باپ بیٹے اور خاوند بیوی میں اور تمام رشتوں میں باہمی تفریق ڈال دیتا ہے تم اس کے پاس نہ جاؤ لیکن ۔

چراغے را کہ ایزد بر فردزد  
کسے کش تف ز ندریش بہ سورد

خدا کی قدرت ان کا یہ طرز عمل آنحضرت ﷺ کی تبلیغ کا کام کر گیا اگر وہ ایسا



نہ کرتے تو بہت ممکن ہے کہ بہت سے لوگ آپ ﷺ کا ذکر بھی نہ سنتے لیکن ان کی اس جدوجہد نے سب کو آپ ﷺ کا مشتاق بنا دیا۔

جب قریش اپنی تدبیروں میں ناکام رہے۔ اور دیکھا کہ روز آپ ﷺ کی دعوت عام ہوتی جاتی ہے اور لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اب ہر قسم کی ایذا رسانی شروع کی، مکہ کے چند اوباش لوگوں کو جمع کر کے اس پر آمادہ کیا کہ آپ ﷺ کا ہر مجلس میں استہزاء کریں اور جس صورت سے ممکن ہو آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے جب سجدے میں گئے تو ابو جہل نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ارادہ کیا کہ آپ ﷺ کا سر مبارک کچل ڈالے مگر۔

دشمن اگر قوی است نگہاں قوی تر است

جب پتھر لے کر آپ ﷺ کے قریب پہنچتا ہے تو ہاتھ کانپ جاتے ہیں۔ پتھر ہاتھ سے گر جاتا ہے۔ رنگ فق ہو جاتا ہے اور بھاگ کر اپنی جماعت کے پاس آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جب میں نے آپ ﷺ کے سر کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو ایک عجیب وضع کا اونٹ منہ کھولے ہوئے میری طرف جھپٹا، اور قریب تھا کہ مجھ کو کھا جائے۔ میں نے ایسا اونٹ آج تک نہیں دیکھا۔

ابو جہل، عقبہ بن ابی معیط، ابولہب، عاص بن وائل، اسود بن یغوث، اسود بن عبدالمطلب، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث یہ لوگ ہر وقت آنحضرت ﷺ کے درپے آزار رہتے، ان میں سے کسی کو اسلام کی توفیق نہیں ہوئی۔



## لاچ دینے کی تدابیر

جب کفار قریش نے دیکھ لیا کہ یہ تدبیر کارگر نہیں ہوئی تو سب نے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ اپنے سب سے چالاک سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجیں تاکہ وہ آپ ﷺ کو ہر قسم کی دنیاوی طمع دلائے، شاید اس تدبیر سے آپ ﷺ اپنے دعوے سے خاموش ہو بیٹھیں، عتبہ بن ربیعہ آپ ﷺ کی میں خدمت حاضر ہوا۔ آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے پاس جا کر کہا: بھیجتے تم حسب و نسب کے اعتبار سے ہم سب میں بہتر ہو اور اس کے باوجود تم نے اپنی جماعت میں تفریق ڈال دی۔ اور ان کے معبودوں کو اور ان کو برا بھلا کہا، ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو جاہل ٹھہرایا، تم آج اپنے دل کی بات کہہ دو۔ اگر سارے قصوں سے تمہاری غرض یہ ہے کہ بڑی دولت جمع کر لو، تو سنو! ہم تمہارے واسطے اتنا مال جمع کر دینے کو تیار ہیں کہ تم اہل مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے۔ اور اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہیں سرداری حاصل ہو جائے، تو ہم اس پر راضی ہیں کہ تمام قریش کا سردار بنادیں اور تمہارے حکم کے بغیر کوئی ذرہ نہ ہلاکیں اور تمہاری غرض بادشاہت ہے تو ہم تم کو اپنا سب کا بادشاہ بھی بنا سکتے ہیں۔ اور اگر تم پر (معاذ اللہ) کسی جن کا اثر ہے، اور یہ اس کا کلام (وحی) تم لوگوں کو سناتے ہو، اور تم اس کو دفع کرنے سے عاجز ہو، تو ہم تمہارے لیے کوئی طبیب تلاش کریں جو تمہارا علاج کرے۔“

عتبہ اپنے کلام سے فارغ ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اس کی ساری داستان کے جواب میں ایک سورۃ قرآن کی سُنادی۔ جس کو سن کر عتبہ ہکا بکارہ گیا۔ اور اپنی قوم میں واپس آ کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم آج میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے اپنی عمر میں کبھی نہ سنا تھا۔ خدا کی قسم نہ وہ سحر ہے، نہ وہ نجومیوں کا کلام ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم سب اس شخص (آنحضرت ﷺ) کی ایذا سے باز آ جاؤ۔ کیوں



کہ ان کا جو کلام میں نے سنا ہے واللہ اس کی شان عظیم ظاہر ہونے والی ہے۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تم میری بات مانو اور زیادہ نہیں تو کچھ دنوں انتظار کرو۔ اگر عرب ان پر غالب آگئے تو تم مفت میں نجات پا جاؤ گے۔ اور اگر وہ عرب پر غالب آگئے تو ان کی عزت ہماری عزت ہے کیوں کہ وہ ہمارے ہی قبیلے سے ہیں۔ قریش اپنے سب سے زیادہ ہوشیار سردار کی باتیں سن کر حیرت میں رہ گئے اور یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ اس پر محمد (ﷺ) نے جادو کر دیا ہے۔

جب قریش کا کوئی حیلہ کارگر نہ ہوا، تو اب نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور متعلقین و اقرباء کو بھی ستانا اور طرح طرح کی ایذائیں دینا شروع کیا۔ حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو سخت ایذائیں دی گئیں۔ حضرت عمار بن یاسر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی والدہ ماجدہ اسی بنا پر نہایت دردناک طریقے سے شہید کی گئیں اور یہ سب سے پہلا واقعہ شہادت ہے جو اسلام میں پیش آیا۔ (دروس السیرۃ ص ۲۱)

### ہجرت حبشہ کا حکم

آنحضرت ﷺ اپنی ذات پر ہر قسم کے مظالم اور تکالیف برداشت کرتے رہے۔ مگر جب صحابہ کرام اور دیگر اقارب تک اس کی نوبت پہنچی، اور دیکھا کہ وہ نہایت صبر کے ساتھ تمام مظالم سہنے کو تیار ہیں، مگر اس کلمہ حق اور نور الہی سے منہ موڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں، جو ان کو آپ ﷺ کے ذریعہ سے وصول ہوا ہے تو ان حضرات کو اجازت دے دی کہ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے جائیں۔ عطاء نبوت سے پانچ ویں سال ماہِ رجب میں بارہ مرد اور عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جن میں حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زوجہ مطہرہ رقیہ بھی تھیں۔



نجاشی: بادشاہ حبشہ نے ان مہاجرین کا احترام کیا۔ یہ سب امن و عافیت کے ساتھ وہاں رہنے لگے۔ جب قریش کو اس کی خبر ہوئی تو عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ یہ لوگ مفسد ہیں، ان کو اپنی قلمرو میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دو، بلکہ ان کو ہمارے سپرد کر دو۔ نجاشی ایک سنجیدہ آدمی تھا۔ اس نے ان کے جواب میں کہا کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا جب تک کہ ان کے مذہب اور خیالات کی تحقیق نہ کر لوں۔ ان حضرات سے جب نجاشی نے یہ دریافت کیا کہ اپنا مذہب اور اس کے صحیح صحیح واقعات بتلائیں تو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب نے آگے بڑھ کر فرمایا:

”شاہ ہم پہلے جاہلیت والے تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے اور مردار جانور کھاتے تھے، فحش کاری کرتے تھے، بد خلقی میں مبتلا تھے، ہمارا قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا، جو ہمارے کنبے سے ہے۔ ہم ان کے نسب اور سچائی امانت و عفت کو خوب سمجھتے ہیں۔ اور انھوں نے ہمیں اس کی دعوت دی کہ اللہ کو ایک سمجھیں اور اس کے ساتھ کسی کو سہیم و شریک نہ جانیں، اور بت پرستی چھوڑ دیں، سچ بولیں، عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کریں، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ اور محرمات سے منع فرمایا۔ اور خون بہانے، جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے روکا۔ اور ہمیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا حکم فرمایا۔ ہم نے جب یہ سنا تو اس پر ایمان لے آئے۔“

نجاشی یہ سن کر بہت متاثر ہوا اور قریش کے دونوں قاصدوں کو واپس کر دیا اور مسلمان ہو گیا۔ مہاجرین تقریباً تین مہینے وہاں عافیت کے ساتھ قیام کر کے واپس آ گئے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنحضرت ﷺ کی برکت سے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کی نفری، چالیس مرد اور گیارہ عورتوں سے زائد نہ تھی۔ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داخل



اسلام ہونے سے مسلمانوں کو ایک قسم کی شوکت حاصل ہوئی، اور جو لوگ دلائل واضح کے ذریعہ اسلام کی حقانیت کا یقین کر چکے تھے، مگر قریش کے ایذا کے خوف سے اسلام ظاہر نہ کرتے تھے۔ اب علانیہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اسی طرح قبائل عرب میں اسلام پھیلتا اور ترقی کرتا رہا۔

### شعب ابی طالب

جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی عزت روز بروز ترقی کر رہی ہے اور بادشاہ حبشہ نے بھی مسلمانوں کا احترام کیا، تو انہیں اپنا انجام نظر آنے لگا۔ تمام قریش نے یہ طے کیا کہ بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کو ہمارے سپرد کر دیں ورنہ ہم ان سے قطع تعلق کر دیں گے۔ بنی عبدالمطلب نے اس مطالبے کو منظور نہ کیا تو اتفاق رائے سے یہ عہد نامہ لکھا گیا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے بالکل مقاطعہ کیا جائے۔ رشتے، ناٹے، نکاح، بیاہ، خرید و فروخت سب بند کر دیئے جائیں۔ اور یہ عہد نامہ بیت اللہ کے اندر معلق کر دیا۔

ایک پہاڑ کی گھائی میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے تمام رفقاء اور اقرباء کو مقید کر دیا گیا۔ اس وقت ابوہب کے سوا بنی ہاشم، اور بنی عبدالمطلب کے تمام افراد بلا امتیاز مسلم و کافر سب کے سب ابوطالب کے ساتھ رہے، اور اس گھائی میں محصور ہو گئے۔ سب طرف سے آمد و رفت کے راستے بند تھے۔ خورد و نوش کا جو سامان تھا ختم ہو گیا، تو سخت اضطراب پیش آیا۔ شدت بھوک سے درخت کے پتے تک کھانے کی نوبت آئی۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے فرمایا۔ اس مرتبہ ایک بڑے قافلے نے ہجرت کی، جس کی تعداد تراسی آدمی اور بارہ



عورتیں بیان کی جاتی ہے۔ اور پھر ان کے ساتھ یمن کے مسلمان بھی مل گئے، جن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کی قوم بھی تھی، ادھر نبی کریم ﷺ اور باقی آل و اصحاب نے تقریباً تین سال انہی مظالم و مصائب کے ساتھ بسر کیے۔ اس کے بعد چند آدمی اس عہد کو توڑنے اور آپ ﷺ نے بیان فرمایا تھا الغرض آپ ﷺ سے محاصرہ اٹھا دیا گیا۔

اسی عرصے میں حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ (جو نہایت شریف اور اپنی قوم کے سردار تھے) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی بدیہی حقانیت اور آپ ﷺ کے اخلاق کو دیکھ کر بہ رضا و رغبت مسلمان ہو گئے۔ اور عرض کیا، یا رسول اللہ میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے میں جا کر ان کو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اپنے قبیلے میں پہنچ کر تبلیغ کی کچھ آدمی اپنی سعی سے مسلمان ہوئے۔ مگر کیوں کہ ان کے گمان کے مطابق زیادہ نہ ہوئے، اس لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ﷺ دعا فرمائیے کہ میری سعی کامیاب ہو۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا: جاؤ تبلیغ کرو اور نرمی سے کام لو، طفیل بن عمرو لوٹے اور لوگوں کو پھر اسلام کی طرف بلایا اور خدا کے فضل سے ایسے کامیاب ہوئے کہ غزوہ خندق کے بعد ستر، اسی گھرانے مسلمان کر کے غزوہ خیبر میں اپنے ساتھ لائے اور سب شریک جہاد ہوئے۔

## ابوطالب کی وفات

اسی عرصے میں آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کی وفات ہو گئی۔ یہ سانحہ نبوت سے دسویں سال ماہ شوال کے نصف پر پیش آیا۔ اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہو گئی۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے اس سال کو غم کا سال فرمایا ہے ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کو موقع مل گیا۔ آپ ﷺ



کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، جب آپ ﷺ کو اہل مکہ کے قبول اسلام سے مایوسی کی صورت پیدا ہونے لگی تو اس سال یعنی ۱۰ نبوی میں آخر ماہ شوال میں زید بن حارثہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے۔ اور اہل طائف کو کلمہ حق کی دعوت دی اور ایک ماہ تک متواتر ان کی تبلیغ و ہدایت میں مصروف رہے۔ مگر ایک شخص کو بھی قبول حق کی توفیق نہ ہوئی۔ بلکہ ظالموں نے اپنے شہر کے چند اوباش لوگوں کو اکسادی کہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں۔ یہ سنگ دل بد نصیب اس طرح سرور کائنات کے درپے ہو گئے کہ اگر شانِ رحمۃ للعالمین مانع نہ ہوتی تو آپ ﷺ کی ایک جنبش لب میں ان کی ساری بد مستیوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا، اور طائف، اور طائف کے بسنے والوں کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹایا جاسکتا تھا۔ ان بد بخت لوگوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسانا شروع کر دیئے، جن سے سرور عالم ﷺ کے قدم مبارک زخمی ہو گئے۔ زید بن حارثہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ جس طرف سے پتھر آتا ہوا دیکھتے، اس طرف خود کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ کو بچاتے اور پتھر اپنے سر پر لیتے تھے، یہاں تک کہ حضرت زید رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ کا سر زخمی ہو گیا۔ بالآخر رحمتِ عالم ایک ماہ بعد طائف سے اس طرح واپس ہوئے کہ آپ ﷺ کے ٹخنے شریف لہو لہان تھے مگر زبان پر حرفِ بد دعا اس وقت بھی نہ آتا تھا۔

### اسراء اور معراج

نبوت کا پانچواں سال تاریخ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے جس میں فخر الانبیاء علیہم السلام کو معراج حاصل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے اس کا ذکر کیا۔ اور جب صبح ہوئی اور یہ خبر قریش میں پھیلی تو ان کا عجیب عالم تھا کوئی تالیاں بجاتا تھا اور کوئی تعجب سے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا، کوئی تمسخر سے ہنس رہا تھا پھر



سب نے بغرض امتحان آپ ﷺ سے سوالات شروع کر دیئے۔ اور دریافت کیا کہ اچھا بتلائیے کہ بیت المقدس کی تعمیر اور ہیئت کیسی ہے۔ اور پہاڑ سے کتنے فاصلے پر ہے؟ آپ ﷺ نے اس کا پورا نقشہ بتلا دیا۔ اس طرح وہ مختلف چیزیں دریافت کرتے رہے اور آپ ﷺ بتاتے رہے۔ یہاں تک کہ اب انہوں نے ایسے سوالات شروع کیے جو باوجود ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بھی کوئی شخص نہ بتلا سکے۔ مثلاً یہ کہ مسجد کے کتنے دروازے ہیں کتنے طاق ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں کون شمار کرتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کو سخت اضطراب ہوا مگر معجزۃً مسجد اقصیٰ آپ ﷺ کے سامنے کر دی گئی۔ آپ ﷺ شمار کرتے اور بتاتے جاتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور قریش بھی اب تو سب کے سب چپ ہو گئے، اور کہنے لگے کہ حالات و صفات تو بالکل درست بیان کیے ہیں۔ اور پھر حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے خطاب کر کے کہنے لگے، کیا تم تصدیق کرتے ہو کہ آپ ﷺ ایک رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچ گئے اور لوٹ بھی آئے؟ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: میں اس سے بھی زیادہ بعید چیزوں پر آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں ایمان لاتا ہوں کہ صبح و شام ذرا سی دیر میں آپ ﷺ کو آسمانی خبریں پہنچ جاتی ہیں، تو پھر اس میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔ اس لیے بھی آپ کا نام صدیق رکھا گیا۔

اس کے بعد قریش نے پھر بغرض امتحان دریافت کیا۔ اچھا بتلاؤ ہمارا فلاں قافلہ جو شام کی طرف گیا ہوا ہے وہ کہاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ فلاں قبیلے کے تجارتی قافلے پر مقام روحاء میں میرا گذر ہوا تھا۔ ان کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ سب اسی کی تلاش میں گئے ہوئے تھے میں ان کے کجاوؤں کے پاس گیا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ اور ایک کوزے میں پانی رکھا ہوا تھا میں نے وہ پی لیا۔ اس کے بعد فلاں قبیلے



کے تجارتی قافلے پر فلاں مقام میں ہمارا گزر ہوا۔ جب براق اس کے قریب ہوا، تو اونٹ دہشت سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اور ان میں ایک سُرخ اونٹ تھا۔ جس پر وہ خروار (گون) سیاہ و سپید تھے۔ وہ تو بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس کے بعد فلاں قبیلے کے تجارتی قافلہ سے فلاں مقام میں ہمارا گزر ہوا۔ جس میں سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ تھا۔ اور اس پر سیاہ ٹاٹ اور دو سیاہ خروار (گون) تھے۔ اور یہ قافلہ عنقریب تمہارے پاس آنے والا ہے، لوگوں نے دریافت کیا کہ کب تک؟ آپ ﷺ نے فرمایا بدھ کے روز تک آجائے گا۔ چنانچہ ٹھیک اسی طرح ہوا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ اور ان قافلوں نے بھی آپ ﷺ کے بیان کی تصدیق کی۔

جب قریش پر خدا کی حجت تمام ہوئی اور مخیر العقول سفر کی خود ان کی قوم نے شہادت دی، تو آپ ﷺ کے معاندین کے لیے بھی اس کے سوا انکار کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا کہ آپ ﷺ کے اس سفر کو سحر اور آپ ﷺ کو معاذ اللہ جادو گر کہہ کر کھڑے ہو گئے۔

### مدینہ منورہ میں اسلام

دس سال تک برابر آنحضرت ﷺ قبائل عرب کو علی الاعلان دعوت اسلام دیتے رہے۔ اور عرب کی کوئی مجلس اور کوئی مجمع نہیں چھوڑا جس میں جا کر آپ ﷺ نے تبلیغ حق نہ کی ہو۔ موسم حج میں بازار عکاظ اور ذی الحجاز وغیرہ میں گھر گھر جا کر لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے۔ مگر وہ اس کے جواب میں ہر قسم کی ایذائیں پہنچاتے اور مذاق اڑاتے تھے کہ پہلے اپنی قوم کو مسلمان بنائیے پھر ہماری ہدایت کے لیے آئیے۔ اسی پر ایک مدت گزر گئی جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اسلام کی اشاعت و ترقی ہو تو قبیلہ اوس کے چند آدمی مدینہ طیبہ سے آپ ﷺ



کی خدمت میں بھیج دیئے۔ ان میں سے اس سال دو شخص اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور پھر آئندہ سال ان میں سے کچھ اور آدمی آئے۔ جن میں سے چھ یا آٹھ آدمی مسلمان ہوئے، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم پیغام خداوندی کی تبلیغ میں میری مدد کرو گے؟ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! بھی ہماری آپس کی اوس اور خزرج کی خانہ جنگی ہو رہی ہے اگر اس وقت جناب مدینہ تشریف لائے تو آپ کی بیعت پر سب کا اجتماع نہ ہو سکے گا۔ ابھی آپ ﷺ ایک سال اس ارادہ کو ملتوی فرمائیں۔ ممکن ہے کہ ہماری آپس میں صلح ہو جائے، اور پھر اوس و خزرج مل کر اسلام قبول کر لیں۔ آئندہ سال ہم پھر حاضر خدمت ہوں گے، اس وقت اس کا فیصلہ ہو سکے گا۔ یہ حضرات واپس مدینہ آئے اور مدینے میں سب سے پہلے مسجد بنو زریق میں قرآن پڑھا گیا۔

خداوند عالم کو منظور تھا کہ مدینہ میں اسلام کی اشاعت ہو۔ اسی سال بھر کے عرصے میں اوس و خزرج کے اکثر جھگڑے مٹ گئے۔ اور اگلے سال حج کے موقع پر حسب وعدہ بارہ آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جن میں دس قبیلہ خزرج کے اور دو اوس کے تھے۔ ان میں جو لوگ پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ اب مسلمان ہو گئے۔ اور سب نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت چوں کہ عقبہ کے پاس ہوئی تھی۔ اس لیے اس کا نام عقبہ اولیٰ رکھا گیا۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آ گئے تو مدینہ میں گھر گھر میں اسلام کا چرچا تھا اور ہر مجلس میں یہی بات رہ گئی۔

مدینہ میں پہنچ کر اوس و خزرج کے ذمہ دار لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو خط لکھا کہ یہاں بحمد اللہ اسلام کی اشاعت ہو چکی ہے۔ اب کسی صاحب کو ہمارے یہاں بھیج دیجئے، جو ہمیں قرآن پڑھائے۔ اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دے اور ہمیں احکام شرعیہ کی تعلیم دیں اور نماز میں ہمارے لیے امام



بنیں۔ آپ ﷺ نے مصعب بن عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو تعلیم قرآن کے لیے بھیج دیا۔ اور اسلام میں سب سے پہلے مدرسے کی بنیاد مدینہ طیبہ میں پڑ گئی۔

آئندہ سال حج کے ایام میں مدینہ طیبہ سے ایک بڑا قافلہ مکہ معظمہ پہنچا۔ اس میں ستر مرد اور عورتیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا استقبال کیا، اور ان سے عقبہ کے پاس رات کو ملنے کا وعدہ فرمایا۔ حسب وعدہ نصف رات کے وقت سب لوگ جمع ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے چچا عباس بھی تشریف لائے، اگرچہ حضرت عباس اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت عباس نے ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا بھتیجا (نبی کریم ﷺ) ہمیشہ اپنی قوم میں عزت و حفاظت کے ساتھ رہا ہے۔ تم جو اس کو مدینہ لے جانا چاہتے ہو تو دیکھ لو کہ اگر تم ان کے عہد کو پورا کر سکو۔ اور مخالفین سے ان کی حفاظت کر سکو، تو اس کا ذمہ لو۔ ورنہ ان کو اپنے قبیلے میں رہنے دو۔ مدنی قافلے کے سردار نے کہا: بے شک ہم اس کا ذمہ لیتے ہیں اور ہمارا یہی مقصد ہے کہ آپ ﷺ کی بیعت کو پورا کریں۔ یہ سن کر (عہد بیعت کو پختہ کرنے کے لیے) حضرت اسعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بن زرارہ بول اٹھے: اے اہل مدینہ ذرا ٹھہرو! تم سمجھتے ہو کہ آج تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ سمجھ لو کہ یہ بیعت تمام عرب اور عجم کے مقابلے میں مخالفت کا عہد ہے۔ اگر تم اس کو نباہ سکتے ہو تو عہد کرو، ورنہ عذر کر دو، اس پر سب نے بیک زبان ہو کر کہا کہ ہم کسی حال میں اس بیعت سے ہٹنے والے نہیں پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم نے اس عہد کو پورا کیا تو ہمیں اس کی جزا کیا ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کا راضی ہونا اور جنت۔ یہ سن کر سب نے کہا ہم راضی ہیں، آپ ﷺ دست مبارک دیجئے کہ ہم بیعت کریں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا اور سب بیعت سے مشرف ہوئے۔

خدا جانے اس رسول امین ﷺ کی نظر اثر اور چند کلمات نے ان لوگوں پر کیا



اثر کیا تھا کہ ایک ہی صحبت میں تمام دنیوی علاقے، اور چاہ و مال اور عزت و آبرو اس کے حکم پر قربان کرنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ اور پھر یہ رنگ ان کی اولاد تک قائم رہا۔ حضرت ام عمارہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا جو شریک بیعت تھیں، ان کے صاحب زادے حضرت حبیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا واقعہ ہے کہ ان کو مسلمہ کذاب مدعی نبوت نے گرفتار کر لیا اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رکھ کر نہایت بے دردی سے قتل کیا۔ لیکن عہد کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالا۔ یہ ظالم ان سے دریافت کرتا تھا کہ محمد اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تو وہ فرماتے بے شک۔ پھر پوچھتا کہ اس کی گواہی بھی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں؟ تو فرماتے ہرگز نہیں۔ اس پر وہ ان کے عضو کاٹ لیتا تھا پھر اسی طرح دریافت کرتا۔ اور جب وہ اس کی نبوت کو ماننے سے انکار کرتے تو کم بخت ایک اور عضو کاٹ ڈالتا اسی طرح ایک ایک عضو کر کے تمام بدن کے ٹکڑے کر دیئے۔ الغرض شہید ہو گئے مگر اس کو گوارا نہ کیا کہ عہد اسلام کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالیں۔

اگرچہ خرمن عمر م غم تو داد بباد بخاک پائے عزیزت کہ عہدِ نشکستم  
اس کے بعد سب نے بیعت کی۔ اس وقت مبایعین کی تعداد ستر مرد اور عورتیں  
تھیں اور اس کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان میں سے  
بارہ آدمیوں کو تمام قافلے کا ذمہ دار بنایا۔

قریش کو جب اس بیعت کی خبر ہوئی تو ان کے غیظ کی انتہا نہ رہی۔ اور  
مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، اس وقت آنحضرت ﷺ نے  
صحابہ کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ صحابہ نے آہستہ آہستہ قریش  
سے خفیہ ایک ایک دودو کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا شروع  
کردی۔ یہاں تک کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق  
رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور تھوڑے سے مستطیع لوگوں کے سوا کوئی



مسلمان باقی نہ رہا۔ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا۔ مگر آپ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ ابھی ٹھہرو، یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دے۔ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس کے انتظار میں رہے۔ اور دو اونٹنیاں اس سفر کے لیے مہیا کیں۔ ایک اپنے لیے اور دوسری آنحضرت ﷺ کے لیے۔

### ہجرتِ مدینہ

کفارِ قریش کو جب حالات معلوم ہوئے تو دارالندوہ میں مشورے کے لیے جمع ہوئے کہ اب آپ ﷺ کے معاملے میں کیا کیا جائے۔ کسی نے قید کرنے کی رائے دی اور کسی نے جلاوطن کرنے کی۔ مگر ان چالاک لوگوں نے کہا کہ یہ مناسب نہیں کیوں کہ قید کرنے کی صورت میں ان کے اعموان و انصار ہم پر چڑھ آویں گے، اور ہم سے چھڑالیں گے۔ اور جلاوطن کرنے کی صورت تو سراسر ہمارے لیے مضر ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں اطرافِ مکہ کے تمام عرب آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق، شیریں کلام اور کلامِ پاک کے گرویدہ ہو جائیں گے۔ اس لیے بد بخت ابو جہل نے یہ رائے دی کہ آپ ﷺ کو قتل کیا جائے۔ اور قتل میں ہر قبیلے کا ایک آدمی شریک ہوتا کہ عبد مناف (آنحضرت ﷺ کا قبیلہ) بدلہ لینے سے عاجز ہو جائے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور ہر قبیلے کے ایک ایک جوان کو اس کام کے لیے مقرر کر دیا کہ فلاں رات میں یہ کام کیا جائے۔

ادھر خداوند عالم نے آپ ﷺ کو ان کے مشورے کی اطلاع دے دی اور آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم فرمایا۔ جس رات میں کفارِ قریش نے اپنے خیالِ خام کو پورا کرنے کا ارادہ کیا، اور مختلف قبائل کے بہت سے جوان آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر کے بیٹھ گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت ہجرت کا ارادہ



فرمایا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد کیا کہ وہ آپ ﷺ کی چارپائی پر آپ ﷺ کی چادر اوڑھ کر سو جائیں تاکہ کفار کو آپ ﷺ کے گھر میں نہ ہونے کا علم نہ ہو اس کے بعد آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو دروازے پر قریش کا میلہ سا لگا ہوا تھا، آپ ﷺ سورۃ یسین شریف پڑھتے ہوئے باہر نکلے اور جب آیت وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ پر پہنچے تو اس کو کئی مرتبہ دہرایا یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکے اور آپ ﷺ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، وہ پہلے ہی سے تیار تھے ایک راستہ بتانے والے کو بھی اپنے ساتھ لے چلنے کے لئے تیار کر رکھا تھا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیے اور مکان کی پشت کی جانب سے ایک کھڑکی کے راستے دونوں باہر نکلے اور غار ثور کی طرف تشریف لے گئے، ثور مکہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔

### غارِ ثور کا قیام

آپ ﷺ اس پہاڑ کے ایک غار میں جا کر ٹھہرے، ادھر یہ قریشی جوان صبح تک آپ ﷺ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے رہے اور بالآخر معلوم ہوا کہ آپ کی جگہ علی ہیں تو سخت پریشان ہوئے اور چاروں طرف اپنے قاصد آپ ﷺ کی تلاش میں بھیجے، آنحضرت ﷺ کے گرفتار کرنے پر سواونٹ کا انعام مقرر کیا۔ بہت سے آدمی آپ ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور بعض قیافہ شناس لوگ آپ ﷺ کے نشان قدم تلاش کرتے ہوئے ٹھیک اس غار کے کنارے پہنچ گئے کہ اگر ذرا جھک کر دیکھتے تو صاف آپ ﷺ سامنے تھے اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غمگین ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:



گھبراؤ نہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، خدا کی قدرت کہ ان سب کی نظریں اس غار سے پھیر دی گئیں اور کسی نے جھک کر نہ دیکھا بلکہ ان کے سب سے بڑے چالاک امیہ بن خلف نے کہا کہ یہاں ان کا ہونا محال ہے کیوں کہ بہ حکم خداوندی اس غار کے دروازے پر رات کی رات میں مکڑی نے جالاتن دیا تھا اور جنگلی کبوتر نے گھونسل بنا لیا تھا۔

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اور صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس غار میں متواتر تین رات چھپے رہے۔ یہاں تک کہ تلاش کرنے والے مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ ان تین دنوں میں ابو بکر صدیق کے صاحب زادے عبداللہ رات کو خفیہ آپ ﷺ کے پاس آتے تھے اور صبح سے پہلے ہی مکہ پہنچ جاتے تھے۔ دن بھر قریش کی خبریں سن کر رات کو آپ کے سامنے بیان کرتے تھے۔ اور ان کی بہن اسماء بنت ابی بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہر رات میں کھانا آپ ﷺ کے پاس پہنچاتی تھیں۔ چوں کہ عرب کے لوگ نشان قدم کو بہت پہچانتے تھے، اس لیے عبداللہ نے اپنے غلام سے کہہ رکھا تھا روزانہ بکریاں چرانے کے لیے اس غار تک لے جاتا کرے تاکہ ان کے نشانات قدم مٹ جائیں۔

غارِ ثور کے قیام کے تیسرے دن ربیع الاول ۱ھ بروز پیر صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ دونوں اونٹنیاں لے کر پہنچے، جو اس سفر کے لیے حضرت صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مہیا کی تھیں۔ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن اریقط بھی پہنچے، جن کو راستہ بتلانے کے لیے اجرت دے کر ساتھ لے لیا تھا۔ نبی کریم ﷺ ایک ناقہ پر سوار ہو گئے اور صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ دوسری پر۔ حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے ساتھ عامر بن فہیرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بھی خدمت کے لیے بٹھالیا۔ اور عبداللہ بن اریقط آگے آگے راستہ دکھانے کے لیے چلے۔ آگے بڑھے تو قریش کے قاصدوں



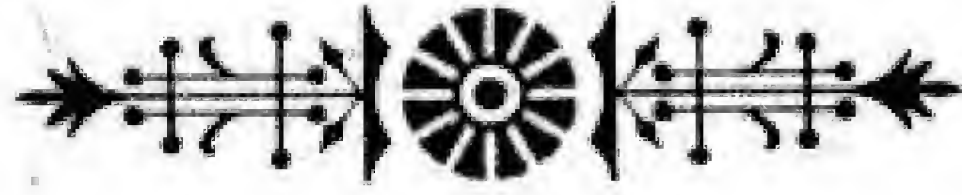
میں سے سراقہ بن مالک، جو آپ ﷺ کی تلاش میں پھر رہا تھا، یہاں تک پہنچ گیا۔ جب آپ ﷺ کے قریب آیا تو اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سراقہ گر پڑا۔ مگر پھر سوار ہو کر آپ کے پیچھے چلا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی تلاوت قرآن کی آواز اس نے سنی۔ اس وقت صدیق اکبر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بار بار مڑ کر اس کو دیکھتے تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف التفات ہی نہ کیا۔ جب زیادہ قریب آ گیا تو اس کے گھوڑے کے چاروں پاؤں زمین کے خشک ہونے کے باوجود گھٹنوں تک اندر اتر گئے اور سراقہ دوبارہ زمین پر گر پڑا۔ اب ہر چند گھوڑے کو نکالنے کی کوشش کرتا ہے مگر گھوڑا زمین کے باہر نہیں نکلتا۔ مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ سے پناہ مانگی۔ آپ ﷺ ٹھہر گئے، اور آپ ﷺ کی برکت سے گھوڑا وہاں سے نکل آیا۔ جب گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکلے تو پاؤں کی جگہ سے ایک دھواں سا اٹھتا دکھائی دیا۔ اس کو دیکھ کر سراقہ اور بھی زیادہ ششدر رہ گیا۔ اور نہایت عاجزی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سامنے توشہ اور موجود سامان اونٹ وغیرہ پیش کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا: جب تک تم اسلام قبول نہیں کرتے۔ ہم بھی تمہارے اونٹ وغیرہ قبول نہیں کرتے۔ بس اتنا کافی ہے کہ تم ہمارے حال کو کسی سے بیان نہ کرنا۔ سراقہ ادھر سے واپس ہوا اور جب تک آپ ﷺ کے متعلق خطرہ ہو سکتا تھا کسی سے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔

کچھ دنوں بعد سراقہ نے ابو جہل سے اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

”اے ابو حکم (ابو جہل) لات کی قسم! (لات ایک بت ہے جس کی قریش پوجا کرتے تھے) اگر تم اس گھوڑے کے زمین میں دھنس جانے کا مشاہدہ کرتے، تو تمہیں اس بات میں شک کی گنجائش نہ رہتی کہ محمد (ﷺ) خدا کے رسول ہیں۔



میری رائے میں لازم ہے کہ تم ان کی مخالفت سے خود بھی اجتناب کرو اور لوگوں کو بھی منع کرو کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی کامیابی کے نشانات اس طرح چمک جائیں گے کہ تمام انسان اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہم ان سے صلح کر لیتے۔ (سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر ص ۳۱۹ تا ۳۳۰ لاہور)





حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

# گانا بجانا

## اسلام کی نظر میں

احادیثِ نبوی ﷺ و آثارِ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ

غنا و مزامیر کے بارے میں دو قسم کی احادیث آتی ہیں، بعض احادیث اس کی کراہت اور تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور بعض اباحت اور جواز پر۔ پہلے وہ احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن سے کراہت اور تحریم معلوم ہوتی ہے:-

① عن عبد الرحمن بن غنم قال حدثني ابو عامر او ابو مالك الاشعري رضي الله عنه انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول ليكونن من امتي اقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف اخرجه البخاري في الاشربة وفي لفظ يشربن ناس من امتي الخمر يسمونها بغير اسمها يعزف على رؤسهم بالمعارف والمغنيات يخسف الله بهم الارض ويجعل منهم القردة والخنازير.

① حضرت عبد الرحمن بن غنم سے روایت ہے کہ مجھے حضرت ابو عامر یا ابو مالک اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بتایا کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور



باجوں کو حلال سمجھیں گے۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: ”عنقریب میری امت کے کچھ لوگ شراب پیئیں گے اور اس کا نام بدل دیں گے، ان کے سروں پر ناچ گانے ہوں گے، اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض کو خنجر یا اور بندر بنادے گا۔“

(رواہ ابن ماجہ وقال عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ ولم یسک منقہ الاخبار ص ۹۶ ج ۸)

ابوداؤد نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ ۲

اور ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ ۳

اس کے دیگر شواہد بھی موجود ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۸ ص ۹۷)

معارف کے بارے میں علمائے لغت کا اتفاق ہے کہ اس کے معنی باجے اور آلاتِ غنا ہیں۔ مذکورہ حدیث سے آلاتِ غنا کی حرمت پر استدلال نہایت واضح ہے، کیونکہ حدیث میں یَسْتَحِلُّونَ کا لفظ ارشاد فرمایا گیا جو صاف بتا رہا ہے کہ حدیث میں ذکر کردہ اشیاء جن میں باجے بھی شامل ہیں، شریعت میں حرام ہیں، جنہیں بعض لوگ حلال قرار دے لیں گے۔

نیز معارف کو زنا، ریشم اور شراب جیسی حرام چیزوں کی صف میں رکھا گیا ہے اور انہیں حلال قرار دینے کو ایسا ہی سنگین جرم بتایا گیا ہے جیسے شراب کو حلال قرار دینا، اور ۱ دیکھیے صحیح بخاری کتاب الاشریۃ، باب ما جاء فیمن یستحل الخمر و یمسہ بغیر اسمہ ج ۲ ص ۸۳۷ ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات ص ۳۰۰ ابن ماجہ کی روایت کی سند بالکل صحیح ہے، چنانچہ حافظ ابن قیم نے صحت کی تصریح بھی کی ہے۔ (اناشۃ المہفان ج ۱ ص ۲۶۱)

۲، سنن ابی داؤد، کتاب الاشریۃ، باب فی الداذی ج ۲ ص ۵۱۹۔ ابوداؤد کی روایت مختصر ہے اور اس میں معارف وقینات اور حسف و مسخ کا ذکر نہیں ہے۔

۳، موارد النظم ان الی زوائد ابن حبان، کتاب الاشریۃ باب فی من یستحل الخمر ص ۳۳۶۔ صحیح ابن حبان اور سنن ابی داؤد کی سند ایک ہی ہے، لیکن امام ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث پوری نقل کی ہے، جس میں معارف وقینات اور حسف و مسخ کا ذکر ہے، جب کہ امام ابوداؤد نے غالباً اختصار سے کام لیا ہے اور حدیث کا ابتدائی حصہ جو ان کے مطلب کا تھا، نقل کر دیا ہے۔ واللہ اعلم



پھر ان سب کی یکساں مذمت کر کے عذابِ الہی کی وعید سنائی گئی ہے۔

معارف کو حلال کرنے والے بعض لوگ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ ”اس سے حرمتِ معارف پر استدلال درست نہیں، کیونکہ معارف و مزامیر فی نفسہ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں مگر انھیں جب کسی حرام چیز کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو یہ قابلِ مذمت اور حرام ہو جاتے ہیں چنانچہ یہاں بھی باجے محض اس لیے مذموم قرار پائے کہ وہ شراب، زنا اور ریشم کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔“ وہ لوگ مزید کہتے ہیں کہ ”مذکورہ حدیث میں عذاب کی وعید چار چیزوں کے مجموعے پر سنائی گئی ہے، لہذا جب ان چاروں یعنی زنا، ریشم، شراب اور معارف کا ایک ساتھ ارتکاب ہوگا، تب ہی وعید کا استحقاق ہوگا۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب چند ترتیب وار چیزوں کی ممانعت ہو تو ان سب کی مجموعی وعید اس مجموعے کے کسی ایک فرد کی وعید کی دلیل نہیں ہوگی اور اس کی بڑی دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ قول ہے:-

خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَاٰیٰتِہٖ لَا يَحْضُرُ عَلٰی طَعَامِ الْمَسْكِيْنِ۔

اسے پکڑ کر گلے میں طوق ڈالو، پھر اسے جہنم میں لے جاؤ، پھر ستر۰ ے گز کے حلقے والی زنجیر میں اسے جکڑ دو۔ یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور مسکین کو کھلانے پر کسی کو ابھارتا نہ تھا۔ (پارہ ۲۹- رکوع ۵)

یہاں بلاشبہ اس وعید شدید کا سبب محض مسکین کو کھلانے پر نہ ابھارنا نہیں ہے اور نہ ایسا کرنا حرام ہے۔“

لیکن ان حضرات کا یہ اعتراض اور تاویل درست نہیں، بلکہ اصل یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کے غلام جب دین کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنا چاہتے



ہیں تو اس وقت ان کی دست دراز یوں سے کوئی چیز محفوظ نہیں رہتی، وہ اپنے دعوے ثابت کرنے کے لیے قرآن و سنت تک کو بدلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، اور ان میں وہ تاویلات کرتے ہیں جو تحریف معنوی کا بدترین نمونہ ہوتی ہیں، بلکہ بسا اوقات ان کی تاویلات عربی زبان کے مسلمہ قواعد کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل و شعور کی بھی صریح مخالف ہوتی ہیں۔ مندرجہ بالا تاویل کی نوعیت بھی کچھ یہی ہے۔

چنانچہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث میں مذکورہ چار چیزوں میں معازف ہی کی تنہا کیا خصوصیت ہے کہ وہ تنہا حلال ہیں اور مجموعے کی صورت میں حرام ہیں، آخر یہی بات زنا، شراب یا ریشم کے بارے میں بھی تو کہی جاسکتی ہے اور جس طرح انہوں نے گندگی کے اس ڈھیر میں سے معازف کو پاک صاف، حلال و طیب کر کے نکال لیا، اگر کل کوئی شخص شراب کے حلال ہونے کا دعویٰ کرے اور اس حدیث میں یہی تاویل کر کے کہے کہ شراب ایک حلال پاک چیز ہے، البتہ مجموعے کی صورت میں حرام ہے تو یہ حضرات اسے کیا جواب دیں گے؟ یا اگر یہی بات کوئی زنا کے بارے میں کہے یا ریشم کے بارے میں کہے اور اس حدیث میں یہی تاویل کرے تو ان کا کیا جواب ہوگا؟ پھر آخر مَعَارِزِ فِہی کی وہ کیا خصوصیت ہے جس کی بناء پر اسے مجموعے کے ساتھ مل کر حرام اور تنہا حلال کہا جا رہا ہے؟

دوسری بات یہ کہ ان کی یہ تاویل قواعد عربیہ کی صریح مخالف ہے اور اگر اسے مان لیا جائے تو ایک بہت گمراہی کے لیے راہ ہموار ہو جائے گی۔  
تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

حدیث میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں:-

یَسْتَحِلُّونَ الْحَرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ

اور ان میں چار چیزوں کو حرف عطف ”و“ کے ساتھ جوڑا گیا ہے، اور یہ عربیت کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ حرف عطف ”و“ معطوف اور معطوف علیہ کو ایک حکم



میں جمع کرنے کے لیے آتا ہے اور شمولیت حکم کے لیے معطوف اور معطوف علیہ کا ایک ساتھ پایا جانا یا بالترتیب پایا جانا ضروری نہیں۔ جسے آپ ٹھیٹھ اصطلاحی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ”مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔“ اس قاعدے کی تصریح تمام علماء عربیہ نے کی ہے، ہم محض صاحب الکشاف علامہ زمخشری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، جو کہ لغت عربیہ کے مسلم جلیل القدر امام ہیں، موصوف اپنی کتاب المفصل میں لکھتے ہیں:-

”فالواو للجمع المطلق من غیر ان یکون المبدؤ به داخلا فی الحکم قبل الآخر ولا ان یجتمعا فی وقت واحد بل الامر ان جائز ان وجائز عکسهما۔“ (شرح المفصل ج ۸ ص ۹۰)

مطلب یہ ہے کہ ”و“ مطلق جمع کے لیے آتا ہے، اس سے قطع نظر کہ معطوف علیہ پہلے حکم میں داخل ہوا ہے یا معطوف، نیز یہ کہ دونوں ایک ہی وقت میں حکم میں ہیں یا نہیں دونوں ہی صورتیں جائز ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ چونکہ واو مطلق جمع کے لیے آتا ہے اور اس میں معطوف اور معطوف علیہ کے اکٹھے پائے جانے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہوتا، اس لیے بالعموم یہی سمجھا جاتا ہے کہ فرداً فرداً حکم میں شامل ہیں، اور دونوں کا ایک ساتھ پایا جانا محض ایک اتفاقی امر ہے جو کسی قوی قرینے سے متعین ہوتا ہے، چنانچہ جب آپ کہتے ہیں کہ جَاءَ نَبِیُّ زَیْدٌ وَعَمْرُو تُو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ”میرے پاس زید اور عمرو آئے“، اب اس میں دونوں ہی احتمال ہیں کہ زید اور عمرو اکیلے اکیلے آئے یا دونوں اکٹھے آئے، لیکن اکٹھے آنے کا دعویٰ کرنا اسی وقت صحیح ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود ہو، ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ فرداً فرداً دونوں ہی آئے، یہی عربی زبان کا عام اسلوب ہے چنانچہ اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، ہم محض دو ایک مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:-



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ  
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدة-۹۰)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! شراب اور جو اور بت اور پانسے پلید شیطانی کام ہیں  
ان سے بچے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

یہاں چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں اور ان چاروں کو حرفِ عطف واؤ کے ذریعے  
جوڑا گیا ہے جو مطلق جمع کے لیے آتا ہے اور فردِ افراد ہر ایک حکم میں شامل ہوتا ہے۔  
مجموعی صورت کا دعویٰ اسی وقت ٹھیک ہے جب کوئی انتہائی قوی قرینہ موجود ہو، ورنہ  
کل کوئی منجلا اٹھ کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ شراب حلال پاکیزہ چیز ہے، کیونکہ ایک جہاں  
اسے پیتا ہے، دراصل قرآن کریم میں شراب کی جو مذمت آئی ہے، وہ دوسری حرام  
چیزیں ساتھ مل جانے کی وجہ سے آئی ہے، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ جہاں کہیں  
شراب کی مذمت بیان کی گئی ہے وہیں جوئے کا ذکر بھی کیا گیا ہے، تو وہ شراب حرام  
ہے جو جوئے تک پہنچا دے، ورنہ فی نفسہ شراب میں کوئی قباحت نہیں۔ ایسے ہی کوئی  
دوسرا شخص جوئے کے بارے میں بھی یہی دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ بھی صرف اجتماعی  
صورت میں حرام ہے، ورنہ انفرادی طور پر حلال پاکیزہ چیز ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا:-

”إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ.  
(البقرہ ۱۷۳ پارہ نمبر ۲)

ترجمہ: تم پر حرام کیا گیا ہے، مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ  
کے لیے کیا جائے۔

اس وقت میں بھی چار چیزیں بیان کی گئی ہیں جن کو حرفِ عطف واؤ کے ذریعے  
جوڑا گیا لہذا یہاں بھی ہر ایک چیز فردِ افراد احکم میں شامل ہوگی، یہ دعویٰ کہ اجتماعی



صورت مُراد ہے، نہایت قوی قرینے کا محتاج ہے، ورنہ کل کوئی ملحد اٹھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ سُور حلال پاکیزہ چیز ہے، ایک دنیا اس کا گوشت کھاتی ہے، البتہ جب وہ دوسری ناپاک چیزوں کے ساتھ مل جاتا ہے تو حرام ہو جاتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں سُور کی جو حرمت آئی ہے وہ دراصل مجموعے کی صورت میں ہے، یعنی وہ سُور حرام ہے جو مردار ہو یا غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی سُور کی حرمت بیان کی گئی ہے، وہیں ان دونوں اشیاء کا ذکر بھی ہے۔

دیکھا آپ نے! اگر ان کی یہ من گھڑت تاویل مان لی جائے، تو شاید قرآن و سنت سے کسی بھی چیز کو حرام یا حلال ثابت کرنا ممکن نہ رہے اور گمراہی کا ایسا دروازہ کھلے کہ اسلام کی اصولی تعلیمات بھی باقی نہ بچیں اور دین کا حلیہ بگڑ کر رہ جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ ان بُری چیزوں کو کیوں ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، تو جواب یہ ہے کہ بعض کاموں کی بعض کاموں سے خاص مناسبت ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے لیے معاون بنتے ہیں، اسی وجہ سے بسا اوقات ایک دوسرے کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

یہ اصول جس طرح طاعات میں جاری ہوتا ہے کہ بعض طاعات دوسری کے لئے معاون ہوتی ہیں، اسی طرح معاصی میں بھی کار فرما ہے۔ چنانچہ بعض معصیتیں دوسری معصیتوں سے خاص مناسبت اور تعلق رکھتی ہیں، اسی وجہ سے اکثر ان کا ذکر ایک ساتھ کیا جاتا ہے، مثلاً شراب کو جوئے سے خاص مناسبت ہے، چنانچہ اکثر جو ا کھیلنے والا شراب کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور شراب پینے والا جوئے کی طرف چل دیتا ہے، اسی وجہ سے ان کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے، بعینہ یہی معاملہ اس حدیث میں ہے کہ یہ چاروں گناہ ایک دوسرے کے ساتھ خاص مناسبت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے مدد و معاون بنتے ہیں۔ چنانچہ ناچ گانوں، زنا، شراب اور لباسِ حرام کی مناسبت اس قدر بدیہی ہے کہ اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہی وجہ



ہے کہ بعض انسانیت شناس لوگوں نے کہا ہے۔

”الغناء رقیۃ الزنا“

کہ گانا زنا کا انسواں (منتر) ہے۔

(اس مقولے پر تفصیلی بحث ہم آگے کریں گے)

۲ اپنے دعوے میں یہ دلیل پیش کرنا کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب چند ترتیب وار چیزوں کی ممانعت ہو تو ان سب کی مجموعی وعید کسی ایک فرد کی وعید کی دلیل نہیں ہوگی، آنکھوں میں دھول جھونکنا اور صاف مغالطے میں ڈالنا ہے۔

در اصل اس دلیل میں خلطِ مبحث سے کام لیا گیا ہے، چنانچہ ذرا غور کرنے کے بعد بات صاف ہو جاتی ہے، کیونکہ حدیث میں ”معارف“ کی حرمت یستحلون کے لفظ سے ثابت ہو رہی ہے نہ کہ عذاب کی وعید سے۔

مطلب یہ ہے کہ زنا، ریشم، شراب اور باجے شریعت میں حرام ہیں۔ جب امت کے بعض لوگ انہیں حلال سمجھنے لگیں گے تو ان پر عذاب نازل ہوگا۔ یہ بحث، کہ ان میں سے کسی ایک کو حلال کریں گے تو یہ عذاب نازل ہوگا یا جب ان سب کو حلال کریں گے تو عذاب نازل ہوگا، ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ ایک حرام چیز کو حلال کرنے کی کیا سزا ہوگی؟ اور کئی حرام چیزوں کو حلال کرنے کی کیا سزا ہوگی؟ بہر حال حدیث سے اتنا صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ چار حرام چیزوں کو حلال کرنے کی جسارت کریں گے جس کی سزا میں ان پر یہ عذاب نازل ہوگا۔

رہا اپنے اصول کے لیے آیت خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمِ الْآیۃ سے استدلال کرنا، سو وہ بھی درست نہیں، اس لیے کہ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ عذاب دو چیزوں کے مجموعے پر موقوف تھا، اور اگر وہ صرف کفر ہی کا مرتکب ہوتا تو یہ عذاب نہ دیا جاتا؟



واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کوئی قانون یا متعلق کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کا اسلوب خطابی اور وعظ و تذکیر پر مشتمل ہے، چنانچہ وہ کسی شخص کے عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے اعمال بد شمار کرتا ہے تو اس میں اس مسئلے سے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ یہ عذاب ان تمام اعمال بد کے مجموعے پر متفرع ہے یا ان میں سے ہر بد عملی اپنی انفرادی حیثیت میں بھی اس عذاب کے لیے کافی تھی؟ چنانچہ ان اعمال بد میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو تنہا بھی اس عذاب کے لیے کافی ہوتے، اور بعض ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو تنہا ہونے کی صورت میں چاہے اتنے شدید عذاب کے مستوجب نہ ہوں لیکن گناہ ضرور ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں آیات خُداوندی کو جھٹلانا بلاشبہ ایسا جرم ہے جو تنہا بھی اس عذاب کے لیے کافی ہو سکتا تھا؟ ہاں! مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا بیشک ایسا جرم ہے جس کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ گناہ ہونے کے باوجود شاید اتنے شدید عذاب کا مستوجب نہ ہوتا، لیکن اول تو اس کے بارے میں بھی کچھ علماء کی رائے یہ ہے کہ ”هَضْنِ اطْعَام“ سے مراد آخرت کا انکار ہے، کیونکہ مسکین کو کھلا کر اس سے اجرت نہیں مانگی جاتی، بلکہ ثواب آخرت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو جو شخص آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسکین کو کیا کھلائے گا، یا کھلانے پر کیوں ابھارے گا، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:-

”وفیه اشارة الى انه كان لا يؤمن بالبعث لان الناس لا يطلبون علی المساکین فیما یطعمونهم، وانما یطعمونهم لوجه الله رجاء الثواب فی الآخرة، فاذا لم یؤمن بالبعث لم یکن ما یحملہ علی اطعامهم“۔ (فتح البیان ج ۱ ص ۵۴)

”اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ شخص آخرت کا قائل نہ تھا اس لیے کہ لوگ مساکین سے کھانے کا بدلہ نہیں طلب کیا کرتے، وہ انہیں محض اللہ کی رضا اور آخرت میں ثواب کی امید پر کھلاتے ہیں تو جب وہ آخرت پر ایمان نہیں لایا تو کوئی چیز ایسی



نہیں، جو اسے کھلانے پر ابھارے۔

نواب صاحب کی اس تفسیر کو مان لیا جائے تو سرے سے بات ہی ختم ہو جاتی ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، اس لیے کہ یہ عذاب اللہ کو نہ ماننے پر بھی ہو سکتا ہے اور یہی عذاب آخرت کے انکار پر بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں مجموعہ مراد لینا اور مجموعے پر عذاب ثابت کرنا ضروری نہیں رہتا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ”حضن اطعام“ حقوق العباد سے کنایہ ہے اور حقوق العباد نہ کرنے کا سبب عدم ایمان ہے۔ چنانچہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اس قدر سخت عذاب اس وجہ سے ہوگا کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا نہ کرتا تھا۔ حقوق اللہ تو اس طرح کہ اللہ پر ہی ایمان نہ رکھتا تھا اور حقوق العباد اس طرح کہ کسی غریب، مسکین کی مدد کرنا اور اس کو کھلانا، پلانا تو درکنار، اسے اتنی توفیق بھی نہیں ہوتی تھی کہ کسی دوسرے ہی کو مسکین کی امداد پر ابھار دیتا۔

خلاصہ یہ کہ وہ حقوق العباد ادا نہ کرتا تھا، جس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ اللہ پر ایمان نہ رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کے اندر مخلوق کے لیے رحم و شفقت اور ان کی اعانت و امداد کا جذبہ بھی نہ تھا۔ اس صورت میں بھی حاصل یہی نکلتا ہے کہ ترک حضن اطعام سے مراد عدم ایمان باللہ ہے۔ یہی تفسیر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اختیار فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”یہاں اطعام اور حضن سے مراد مرتبہ واجبہ ہے اور اس کے ترک سے مراد وہ ترک جس کا سبب عدم ایمان ہو۔ حاصل یہ کہ خدا کی عظمت اور مخلوق کی شفقت جو اصل عبادات متعلقہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں یہ دونوں کا تارک اور منکر تھا، اس



لیے مستحق عذاب ہوا۔“ (بیان القرآن ج ۱۲ ص ۳۶)

اس تفسیر کی روشنی میں بھی مجموعہ مراد لینے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ دونوں کا مال ایک ہی نکلتا ہے، اور اگر بالفرض یہاں ”حض اطعام“ سے مراد ایمان بالآخرۃ یا حقوق کی ادائیگی نہ ہو بلکہ اس کے ظاہری معنی ہی مراد ہوں تب بھی زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں یہی کہا جاسکے گا کہ یہاں جس عذاب کا ذکر ہے، وہ صرف ”حض اطعام“ کے ترک کی سزا نہیں، لیکن یہ کیسے لازم آگیا کہ جہاں کہیں دو یا دو سے زیادہ اشیاء کی حرمت کا تذکرہ ہوگا، وہاں ان میں سے کوئی چیز اپنی انفرادی حیثیت میں حرام نہ ہوگی؟ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اسلام میں سور، کتا، بلی حرام ہے تو کیا کوئی صاحب عقل اس کا یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ سور اسی وقت حرام ہوگا، جب اسے کتے، بلی کے ساتھ ملا کر کھایا جائے، اور تنہا کھایا جائے تو حرام نہیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ اس قسم کے بے سرو پاتاویلات سے ہر صاحب ایمان کو محفوظ رکھے۔

### حدیث پر ایک اور اعتراض

اس حدیث کو امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنی ”صحیح“ میں یوں ذکر کیا ہے:-

”وقال هشام بن عمار حدثنا صدقة بن خالد الخ

جس سے علامہ ابن حزم ظاہری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو یہ وہم ہو گیا کہ حدیث منقطع ہے، چنانچہ انہوں نے لکھ دیا کہ۔

”اس حدیث سے حرمت معارف پر استدلال درست نہیں، کیونکہ هذا منقطع ولم يتصل ما بين البخاری و صدقة بن خالد“ یعنی یہ حدیث منقطع ہے اور امام بخاری اور صدقہ بن خالد کے درمیان



اتصال نہیں ہے۔“ (الحلی، احکام البیوع، مسئلہ ۱۵۶۵ ج ۹ ص ۵۹)

لیکن اول تو ہمارا استدلال روایت بخاری پر موقوف نہیں، کیونکہ امام بخاری کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی یہی روایت، انہی الفاظ میں نہایت قوی سند سے ذکر کی ہے، چنانچہ بیہقی (ج ۱ ص ۲۲۱) کو دیکھا جاسکتا ہے۔

دوسرے خاص بخاری کی اس روایت کے بارے میں بھی علامہ ابن حزم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا یہ دعویٰ درست نہیں بلکہ خلافِ حقیقت اور سراسر وہم ہے، چنانچہ محدثین نے ان کے اس قول پر سخت تنقید کی ہے اور بعض نے علامہ ابن حزم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے اس دعوے کی تردید میں مستقل رسائل لکھے ہیں، ہمارے زمانے میں بھی ناصر الدین البانی نے ایک مستقل جزء (رسالہ) علامہ ابن حزم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے اس دعوے کی تردید میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ شراح بخاری نے نہایت تفصیل و تحقیق سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے، بالخصوص حافظ ابن حجر رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی ذکر کردہ بحث خاص طویل اور مفید ہے۔ ذیل میں ہم کچھ جوابات کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں:-

یہ حدیث صحیح متصل ہے، کیونکہ ہشام بن عمار امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے مشہور اُستاذ ہیں، اور امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ان سے کئی جگہ روایات لی ہیں، البتہ اس حدیث کو امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ہشام سے مذاکرۃً یعنی باہمی گفتگو کے دوران سنا ہے، باقاعدہ تلمذ کے لیے بیٹھ کر اور دورانِ درس نہیں سنا۔ اسی بنا پر انھوں نے احتیاط سے کام لیا ہے اور مذاکرے کی روایت کے لیے حَدَّثَنَا یَعْنُ کے بجائے قَالَ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ عینی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا رجحان اسی طرف ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۰ ص ۹۱)

۲۔ جس جگہ امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی یہ کہتے ہیں کہ قَالَ فُلَانٌ اور اپنے



کسی شیخ کا نام ذکر کر دیتے ہیں تو وہ حدیث ”صحیح“ اور ”معتن“ ہوتی ہے، کیونکہ ان کا قال جیسا جزم کا لفظ استعمال فرمانا اور اس کے بعد اپنے کسی ایسے شخص کا ذکر کرنا جو ان کے مشہور استاذ ہیں، صحت حدیث کی قطعی دلیل ہے، کیوں کہ امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی سے بڑھ کر کون تدلیس سے بچنے والا ہے؟

(اغاثۃ المہفان ج ۱ ص ۲۶۰ فتح الباری ج ۱ ص ۴۶)

۳ چلیے اگر یہ مان بھی لیں کہ یہ حدیث متعلق ہے اور بظاہر منقطع نظر آتی ہے تو بھی اصول حدیث کا مسئلہ ہے کہ ”صحیح بخاری“ کی تعلیقات صحیح متصل حدیثیں ہوتی ہیں، جنہیں بعض مصالح کی بناء پر امام بخاری معلق ذکر کر دیتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن صلاح نے لکھا ہے کہ ”صحیح بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی میں جو احادیث تعلیقاً ذکر کی گئی ہیں اور بظاہر منقطع معلوم ہوتی ہیں وہ درحقیقت منقطع نہیں ہیں، لہذا انہیں منقطع کہنا اور ان پر ضعف کا حکم لگانا درست نہیں، چنانچہ حافظ ابن حزم کا یہ دعویٰ کہ حدیث لیکونن من امتی اقوام یستحلون الخ منقطع ہے۔ ہرگز لائق اعتناء نہیں بلکہ کئی وجوہ کی بناء پر غلط ہے، کیونکہ یہ حدیث صحیح کی شرط کے مطابق معروف الاتصال ہے۔“

دراصل یہ شبہ امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے اس اُسلوب نگارش سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات ایک حدیث کو کسی ایسی مصلحت کے پیش نظر جس سے انقطاع کا عیب بھی پیدا نہ ہو، معلقاً ذکر کر دیتے ہیں، مثلاً یہ مصلحت کہ اسی حدیث کو انہوں نے اپنی کتاب میں کسی دوسری جگہ متصل ذکر کیا ہوتا ہے۔ (علوم الحدیث ص ۶۱، ۶۲)

۴ امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اس حدیث کو اپنی کتاب صحیح بخاری



میں ذکر کیا ہے، جس میں انہوں نے احادیثِ صحیحہ کا التزام برتا ہے، نیز پھر اس روایت کو انہوں نے بطور دلیل پیش کیا ہے، محض استشہاد انہیں ذکر کیا ہے، ان کا اس روایت پر اس درجہ اعتماد کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ (تہذیب السنن لابن القیم الجوزی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ج ۵ ص ۲۷۲)

۵) یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح متصل ہے اور امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اسے خود ہشام سے سنا ہے، اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ دوسرے حفاظِ حدیث نے اسی حدیث کو ہشام سے موصولاً نقل کیا ہے۔

چنانچہ امام اسمعیلی اور طبرانی، نیز امام بیہقی نے ہشام سے تحدیث کی تصریح کی ہے، جب کہ ابو نعیم اور ابن حبان نے اسے معنعن نقل کیا ہے۔

(فتح الباری و تہذیب السنن، بحوالہ مذکورہ) (ماہنامہ البلاغ کراچی مارچ ۱۹۸۱ء)





# مفتی اعظم پاکستان رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی ایک اہم تقریر کے اقتباسات

جو پاکستان سے دیوبند پہنچ کر دارالعلوم دیوبند  
کے عظیم اجتماع میں کی گئی

ہجرت پاکستان کے تیرہ سال بعد والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی دیوبند کے عزیزوں اور دوستوں کے اصرار پر پاکستان سے دیوبند تشریف لے گئے، وہیں سے تھانہ بھون اور دہلی کا بھی سفر ہوا، اس کا سبق آموز دلچسپ سفرنامہ حضرت والد ماجد رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے نقوش و تاثرات کے نام سے قلمبند فرمایا تھا جو طبع ہو چکا ہے۔

خوبی قسمت سے احقر راقم الحروف بھی اس تاریخی سفر میں ساتھ تھا۔ حضرت والد صاحب کے دیوبند پہنچنے پر لوگوں کی خوشی کا یہ حال تھا کہ پورے قصبہ میں عید کا سماں معلوم ہوتا تھا۔

۳۰ نومبر ۱۹۶۰ء کو بعد عشاء دارالعلوم دیوبند کے منتظمین، اساتذہ کرام اور طلبہ کے اصرار پر آپ نے دارالعلوم کے دارالحدیث میں ایک اثر انگیز خطاب فرمایا، دارالحدیث کھچا کھچا بھرا ہوا تھا۔ متعدد اہل علم نے اس خطاب کو بروقت قلمبند فرمالیا



تھا، مگر افسوس کہ کبھی اس کی اشاعت کی نوبت نہ آئی۔ احقر نے بھی اس خطاب کا خلاصہ قلم بند کیا تھا، اب ۲۴ سال بعد کاپی میں وہ نظر آیا تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کے اہم اقتباسات، ملفوظات اور حکایات ہدیہ ناظرین کر دی جائیں۔ واللہ المستعان۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۷ شعبان ۱۴۰۴ھ

۹ مئی ۱۹۸۴ء



خطبہ مسنونہ اور مشکوٰۃ شریف کی دو حدیثیں پڑھنے کے بعد آپ نے طلبہ سے خطاب فرمایا کہ عزیزو! شاید آپ اس انتظار میں ہوں گے کہ میں کسی دقیق علمی بحث کو آپ کے سامنے پیش کروں گا، اور میرے نفس کے جذبات بھی اسی طرح چل رہے ہیں۔ لیکن میں یہ علمی گناہ اسی جگہ پہلے بہت کر چکا ہوں۔ اب بحمد اللہ اس خود نمائی کے گناہ سے توبہ کر چکا ہوں۔ چند پھیکے پھیکے کلمات نصیحت عرض کروں گا۔

### ملفوظ ۱:

حضرت شاہ صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی درس میں طلبہ سے فرماتے تھے کہ:-  
”جاہلین! اس فن میں دُنیا تو کبھی تھی ہی نہیں ایک دین تھا مگر وہ تم نے نہ لیا۔“

امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا واقعہ:

احمد غزالی اور محمد غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی دونوں بھائیوں کو ان کی بیوہ ماں نے صرف اس لئے مدرسہ نظامیہ بغداد میں داخل کیا تھا کہ ان کی پرورش ہو جائے گی، مگر بعد میں وہ ”حجۃ الاسلام“ بنے وزیر اعظم نے مدرسہ کے طلباء کا جائزہ لیا اور ہر ایک سے



پوچھا کہ علم دین حاصل کرنے سے ان کا مقصد کیا ہے؟ ہر ایک نے کہا کہ میں فلاں عہدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں، دل برداشتہ ہو کر اس نے سوچا کہ مدرسہ بند کر دے، ذرا آگے چلا تو امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی جو اس وقت طالب علم تھے مطالعہ کرتے ہوئے نظر آئے ان سے تعلیم کا مقصد پوچھا تو امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے فرمایا کہ:

”ہم نے عقل سے پہچانا کہ ہم کو ایک پیدا کرنے والا ہے اور عقل سے ہی یہ پہچانا کہ ایسی ہستی کا احسان مند ہو کر اس کی اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے اور اطاعت کا طریقہ معلوم کرنے کا ذریعہ رسالت اور وحی ہے لہذا ہمارے تحصیل علم کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی پسندیدہ اشیاء پر عمل کریں، اور نا پسندیدہ اعمال سے پرہیز کریں۔“

### ملفوظ ۲:

غالباً حضرت سفیان ثوری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا ارشاد ہے کہ:

طَلَبْنَا الْعِلْمَ لَغَيْرِ اللَّهِ فَأَبَىٰ أَنْ يَكُونَ إِلَّا لِلَّهِ

ترجمہ: ہم نے علم حاصل تو غیر اللہ (دُنیا) کیلئے کیا تھا، لیکن علم نے غیر اللہ کیلئے ہونے سے انکار کر دیا۔ یعنی علم کی برکت سے ہماری نیت بھی درست ہو گئی۔

### ملفوظ ۳:

حضرت حاجی امداد اللہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتے تھے کہ:

”تحصیل علم میں اگر نیت صحیح بھی نہ ہو تب بھی علم کو چھوڑنا نہیں چاہیے، کیونکہ علم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیت بھی صحیح ہو جاتی ہے۔“

## امام محمد کے متعلق خواب

امام محمد بن حسن رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کو (جو امام اعظم ابو حنیفہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے مشہور شاگردِ رشید ہیں) ان کی وفات کے بعد خواب میں کسی نے دیکھا کہ اللہ



تعالیٰ نے اُن سے، ارشاد فرمایا کہ اے محمد! اگر میرا تجھ پر احسان کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو تجھے علم نہ دیتا۔

#### ملفوظ ۴:

علامہ زرنوجی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے کسی امام کا قول نقل کیا ہے کہ:

الْعِلْمُ لَا يُعْطِيكَ بَعْضَهُ حَتَّى تُعْطِيَهُ كُلُّكَ

یعنی علم تم کو اپنا کچھ حصہ نہیں دے گا جب تک کہ تم اس کو اپنا سب کچھ نہ دیدو۔

### ایک طالب علم کا واقعہ

ہمارے بزرگ حضرت نانوتوی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی و حضرت گنگوہی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی جب دہلی میں پڑھتے تھے اُس وقت ان کے ایک ساتھی کا واقعہ ہے کہ مطالعہ کے لئے روشنی کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے وہ حلوائی کی دکان کے سامنے کھڑے ہو کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔

### مولانا عبدالحی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا واقعہ

مولانا عبدالحی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی لکھنؤی کے والد مولانا عبدالحلیم صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنے بیٹے کے علمی شغف کا امتحان لیا کہ جب بیٹے نے نوکر سے پانی مانگا تو اشارہ کر دیا کہ تیل کا پیالہ آگے کر دو صاحبزادے مطالعہ میں ایسے منہمک تھے کہ دیکھے بغیر ہی اسے پینے لگے تو باپ نے پیالہ اُن سے ہٹایا۔

#### ملفوظ ۵:

طالب علم کو ہر منافی علم کام سے پرہیز کرنا چاہیے، اس وقت جس فن میں خامی رہ جاتی ہے وہ عموماً کبھی دُور نہیں ہوتی۔



## ملفوظ ۶:

حضرت مولانا مدنی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اسی جگہ اسی موضوع پر اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ:

”اَدَوَاتِ عِلْمِ کَا ادبِ اسبابِ حصولِ عِلْمِ میں سے ہے۔“

یعنی علم جن جن ذرائع سے حاصل ہوتا ہے ان سب کا ادب کرنا چاہیے۔ اس سے علم میں برکت ہوتی ہے۔

## ملفوظ ۷:

حصولِ علم کے اسباب میں سے ایک اہم چیز تقویٰ ہے، عمل کے لئے تو وقت کی ضرورت ہوتی ہے مگر تقویٰ کے لئے وقت کی بھی ضرورت نہیں۔

## مسئلہ دیوبند کیا ہے؟

آپ حضرات کو ابھی اس نعمتِ خداوندی کی قدر نہیں ہے کہ اُس نے آپ کا تعلیمی رشتہ دارالعلوم دیوبند سے منسلک کر دیا، جب اس ”بسم اللہ کے گنبد“ سے آپ باہر نکلیں گے اور کتاب و سنت اور فقہی مسائل ہی کی تعبیر میں آپ کو افراط و تفریط کا ایک بھیانک منظر سامنے آجائے گا اُس وقت معلوم ہوگا کہ دیوبند اور اس کا معتدل مسلک کیسی عظیم نعمت ہے۔

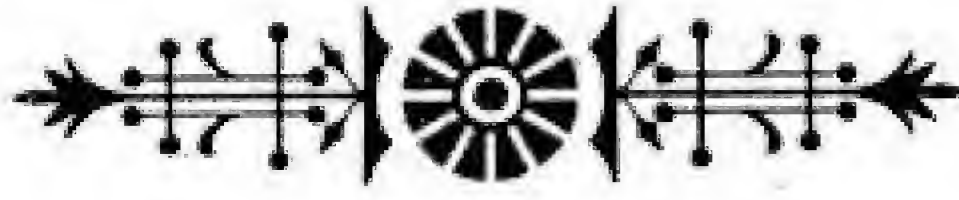
میں بھی طالبِ علمی کے زمانہ میں آپ کی طرح محض اپنے والد مرحوم کے حکم کی تعمیل میں دارالعلوم سے متعلق ہوا، اور مسئلہ دیوبند بھی تقلیداً اختیار کیا، لیکن دُنیا کے نشیب و فراز اور سرد و گرم چکھنے، اور فرقہ وارانہ مباحث سے گزرنے کے بعد اپنی تحقیق سے اس مسلکِ اعتدال کی خوبیاں مستحضر ہوئیں۔ وطن کے اعتبار سے تو میں دیوبندی فطرۃً تھا، اور مسلک کے اعتبار سے تقلیداً، لیکن طویل غور و فکر



بحث و تمحیص اور تجربہ کے بعد مسلک دیوبند کا محض تقلید سے نہیں، بلکہ بصیرت سے پابند ہوں۔

آخر میں ایک مختصر جملہ اس کے متعلق بھی سن لیجئے کہ دیوبند کوئی جداگانہ مذہب نہیں، بلکہ قرآن و سنت کی صحیح تعبیر و تعمیل کا، اور رخص و خروج، اعتزال و طاہریت، تقلید و عدم تقلید، بزرگانِ سلف کے اتباع و انکار کے مختلف مسلکوں میں سے ایک نہایت معتدل مسلک کا نام دیوبند ہے جس میں تقلید اور تنقید کو اپنی اپنی حد میں اختیار کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس روح دیوبند کو ہمیشہ دیوبند میں باقی رکھے اور مجھے اور آپ سب کو دیوبند کے سچے خادموں میں محشور فرمائے۔ آمین

(بحوالہ ماہنامہ البلاغ کراچی جون ۱۹۹۴ء)





افادات: از حضرت میاں صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

مرتبہ: مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

الرشید، دارالعلوم دیوبند (۱۳۳۲ھ)

## مدینہ منورہ میں

### سب سے پہلا اسلامی مدرسہ

حضور سرور کائنات ﷺ کے مبارک شہر میں اسلامی یونیورسٹی قائم ہونے کی دل خوش کن خبریں آجکل اخباروں میں گشت کر رہی ہیں۔ لہذا دیندار مسلمانوں کو بلدہ طیبہ کے سب سے پہلے مدرسہ کا حال یاد دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے رسول خدا ﷺ اور آپ کے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی محبت میں اضافہ ہو کر اتباع کی تحریک ہوتی ہے۔ (فقیر اصغر حسین۔ محرم ۱۳۳۲ھ)

حضور سرور دو عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے مختلف ذرائع سے مختلف فرقے ایک اولوالعزم پیغمبر کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ مدینہ کے مشرکین اور یہود میں جب کچھ مخالفت اور جنگ ہو جاتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ ذرا ٹھہرو غنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہو نیوالے ہیں، ان کے ساتھ مل کر ہم اپنا بدلہ لیں گے۔

حج کے ایام میں ایک مرتبہ حضور فخر دو عالم ﷺ مختلف قبائل اور مختلف اقوام کو پیام الہی پہنچا کر بلغ ما انزل الیک من ربک کی تعمیل فرما رہے تھے کہ اہل مدینہ کی ایک خوش قسمت جماعت سامنے آگئی۔ آپ نے حسب عادت اصول اسلام پیش کر کے دین خداوندی میں داخل ہونے کی رغبت دلائی ان حضرات کے قلوب تو حق تعالیٰ نے نور ایمانی سے منور ہونیکے لئے مستعد بنا ہی رکھے تھے، تاہم کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی معلوم



ہوتے ہیں جن کا ہمارے ہم وطن یہودی ذکر کیا کرتے ہیں۔ آپ کی تصدیق دل میں جاگزیں ہوگئی اور سات معتبر و معزز آدمی اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں پہنچ کر ان لوگوں نے دین حق کی اشاعت شروع کر دی اور اپنے مقصد میں اچھی کامیابی حاصل کر کے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنالیا۔

دوسرے سال حج کے موقع پر ان بزرگوں میں سے پانچ آدمی اپنے ہمراہ دوسرے نئے سات منتخب لوگوں کو لیکر حضور نبوی ﷺ کی خدمت میں نہایت مخفی طریقہ سے حاضر ہوئے اور یہ بارہ شخص اسلام کی ضروری باتوں پر بیعت کر کے رخصت ہوئے واپسی میں آپ نے حضرت مصعب ابن عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو (جو رسول خدا کی محبت میں تمام مال و دولت چھوڑ کر نہایت فقیرانہ حالت میں قرآن و اسلام سیکھ رہے تھے) ان لوگوں کے ساتھ روانہ فرمایا کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور امور اسلام کی تلقین کریں۔

مصعب بن عمیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مدینہ میں پہنچ کر حضرت اسعد بن ابی بن زرارہ کے مہمان ہوئے اور ان کے مشورے سے بنی ظفر کے ایک وسیع مکان میں سیدھے سادے مگر اسلامی دنیا کے بہترین مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ مدینہ منورہ کے مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے اور احکام و مسائل کی تعلیم پانے اور ذوق و شوق سے قرآن مجید یاد کرنے لگے۔

اس مدرسہ کا افتتاح اہل مدینہ کے لئے کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بہت جلد تمام شہر میں اس کی خبر پھیل گئی اور جہاں دین حق کے شیدائیوں کی امیدوں میں اس خبر نے تازہ جان ڈال دی وہاں مخالفان اسلام کی آتش بغض و عداوت کو بھڑکا دیا۔

۱۔ بہت بڑے انصاری صحابی ہیں بیعت عقبی میں سب سے پہلے انہوں نے بیعت کی ہے۔ یہ اور ذکوان بن عبد القیس سب سے اول مدینہ منورہ میں مسلمان ہو کر آئے ہیں۔ ہجرت کے بعد سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا۔ اور سب سے پہلی نماز جنازہ ان کی پڑھی گئی تھی موت کے وقت کسی قدر سونے چاندی کے زیور کی جن میں موتی جڑے ہوئے تھے انہوں نے حضور ﷺ کے لئے وصیت کی تھی آپ نے وہ زیور ان کی دونوں بیٹیوں کو پہنا دیے۔



بنی عبدالاشہل مدینہ منورہ کا ایک بہت پُر قوت قبیلہ تھا اس کے دو بڑے سرداروں اسید بن حضیر اور سعد بن محاذ نے یہ شہرہ سنا تو سعد نے اسید سے کہا کہ تم جا کر اس شورش کو موقوف کرواؤ اور ان لوگوں کو روکو مجھے اپنے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ سے لحاظ آتا ہے ورنہ میں خود جا کر روک دیتا۔

جناب اسید اپنا نیزہ لیکر اٹھے اور اسلامی مدرسہ میں پہنچ کر مصعب بن عمیر اور اسعد بن زرارہ کو مصروف تعلیم پایا۔ اسید نے دھمکا کر مصعب سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ ہمارے بھولے بھالے لوگوں کو بہکاتے ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ حضرت مصعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ کیا خوب ہوا اگر آپ ٹھہریں اور ہماری بات سُن لیں اگر آپ کو پسند آجائے تو قبول کر لیں، ناپسند ہو تو اپنے پاس سے ہٹا دیں، اسید نے کہا کہ ہاں یہ معقول بات ہے اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔

حضرت مصعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اصول و احکام اسلام بیان کرنے لگے اور اسید قربان ہونے لگے اور کہا کہ یہ تو نہایت اچھا دین اور جلیل القدر مذہب ہے جب تم لوگ اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟

مصعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سمجھ گئے اور فرمایا، تم غسل کرو، اور کپڑے پاک کرو، کلمہ شہادت پڑھو اور دو رکعت نماز پڑھو۔ اسید نہایت خوشی اور جوش سے تمام افعال بجالائے اور مسلمان ہو گئے اور کہا کہ میں ایک شخص کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں، اب جا کر اسے بھیجتا ہوں۔ اگر وہ اس دین میں داخل ہو جائے تو پھر کوئی تم سے علیحدہ نہیں رہ سکتا یہ کہہ کر اسید اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔

سعد منتظر بیٹھے تھے دُور سے دیکھ کر کہہ دیا کہ ”خدا کی قسم اسید کی وہ حالت نہیں رہی جس پر گئے تھے“۔ قریب آئے تو پوچھا کہ کہو کیا بات دیکھی۔ اسید نے جواب دیا کہ میں نے دونوں سے خوب گفتگو کی، معلوم ہوا کہ وہ کوئی بے موقع بات نہیں



کہتے مگر میں نے افسوس کیساتھ سنا ہے کہ بنی حارثہ اسعد بن زرارہ کے قتل پر آمادہ ہو کر جا رہے ہیں۔ سعد کو یہ سنکر بہت غصہ آیا اور جلد وہاں پہنچنے کے لئے اٹھے اور آکر دیکھا کہ اسعد اور مصعب دونوں نہایت آزادی اور اطمینان سے اپنا کام کر رہے ہیں۔

سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سمجھ گئے کہ گو ارادہ قتل کی خبر بھی بے اصل نہ تھی لیکن اسید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مقصد صرف مجھ کو یہاں بھیجنا تھا اور اسعد بن زرارہ سے کہا کہ اگر تم کو مجھ سے قرابت کا تعلق نہ ہوتا تو تم مجھ سے اس قدر مروّت کی امید نہ رکھتے۔ حضرت مصعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے بھی یہی کہا کہ یہ نہایت آسان بات ہے کہ آپ ہماری بات سن لیں پھر اگر آپ قبول کر لیں تو بہت خوب ہے اور اگر بُرا سمجھیں تو ہم کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے!

سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیٹھ گئے تو مصعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اصول اسلام سنا کر قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قلب تو خدا تعالیٰ نے نہایت ہی قابل بنا رکھا تھا سنتے ہی فریفتہ ہو گئے اور اس مبارک مذہب میں داخل ہونے کا طریقہ پوچھا۔ مصعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کپڑوں کی پاکی اور غسل و وضو اور کلمہ شہادت اور دو رکعت نماز کا ارشاد کیا۔ سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بخوبی غسل و وضو کیا، کپڑے پاک کئے اور صدق دل سے مسلمان ہو کر نماز پڑھی۔

اب حضرت سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نور ایمانی سے منور ہو کر اور حضرت اُسید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ساتھ لیکر اپنی قوم کے مجمع میں تشریف لائے اور کہا کہ:

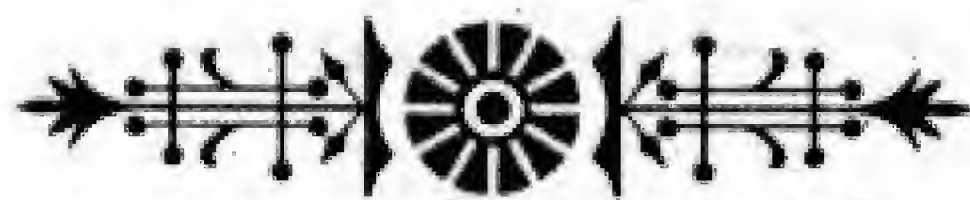
بنی عبد الاشہل کے لوگو! بتلاؤ میری نسبت کیا خیال رکھتے ہو؟ سب کہنے لگے کہ آپ ہمارے سردار ہمارے مقتدا ہم سب سے افضل ہو۔ سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ اب میری وہ حالت ہو گئی کہ میں تم میں سے کسی مرد و عورت سے بات کرنا بھی گوارا نہ کروں گا جب تک کہ تم خدا اور رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ۔



قبیلہ کے سب لوگ سمجھ گئے ایسے بڑے معتمد سردار نے بلاوجہ ایسا بڑا تغیر اختیار نہ کیا ہوگا۔ اور شام تک رفتہ رفتہ تمام مرد و عورت مشرف بہ ایمان و اسلام ہو گئے۔

یہ فخر المدارس چونکہ سرور عالم ﷺ کی سرپرستی کا فخر رکھتا تھا اس لئے مصعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے معاونین کی تعلیم و دعوت الی الحق سے چند ہی روز میں تمام مدینہ کو اسلام سے منور کر دیا اور (سوائے چند جگہ کے) گھر گھر میں مسلمان نظر آنے لگا۔ کہیں بیٹا مسلمان ہے باپ اور تمام لوگ مشرک، کہیں ایک بھائی مسلمان ہے دوسرا اس کا دشمن کہیں شوہر مسلمان ہے زوجہ بدستور کافرہ ہے۔

ہمارے فخر المدرسین حضرت مصعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مدینہ منورہ میں اپنے کام میں مصروف رہے یہاں تک کہ معلم الاسلام والمسلمین مصداق ”علمت علم الاولین والآخرین“ نے خود مدینہ منورہ میں تشریف لا کر اس تعلیم گاہ کو تمام دنیا کے لئے سرشمہ رحمت و ہدایت بنا دیا۔ (ماہنامہ الرشید لاہور مئی ۱۹۸۱ء)





## حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کا سفر نامہ شام

### مکاتیب کے آئینے میں

”حضرت مفتی اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ۱۹۵۶ء میں موتمر عالم اسلامی کی دعوت پر شام، اردن اور لبنان کا سفر کیا تھا۔ اس وقت کے چند خطوط جو آپ نے گھر والوں کو لکھے ذیل میں پیش خدمت ہیں۔

برخوردار عزیز مصدق کی سلامۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بندہ عاجز بعون اللہ سبحانہ و تعالیٰ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۵۶ء کو بعد العشاء تقریباً ۱۰ بجے کراچی کے شہر سے ایروڈروم پر گیا، تمہارے سب بھائی اور عزیز ہوائی اڈہ پر ساتھ تھے۔ نظریں تمہیں اس مجمع میں ڈھونڈتی تھیں۔ خصوصاً اس مرتبہ تمہاری ٹیلیفون کی گفتگو اور خطوط سے میرے اس سفر کا خاص اثر ظاہر ہو رہا تھا۔ اس لئے بھی تعلق خاطر رہا۔ بالآخر طیارہ بجائے ۱۲ بجے کے ایک بجے یہاں سے روانہ ہوا اور ۶ بجے بحرین میں اترا۔ یہاں چائے پی اور نماز صبح ادا کی۔ ۷ بجے پھر جہاز بیروت کے لئے روانہ ہوا۔ بحرین تک کا سفر کچھ نیا نہ تھا۔ پہلے بھی جدہ جاتے ہوئے یہ راستہ طے کیا تھا۔ مگر اس مرتبہ بحرین میں وہ گرمی محسوس نہیں ہوئی جو پچھلی دو مرتبہ میں ہوا کرتی تھی۔ بحرین کے بعد جہاز نے شمال مغرب کا راستہ اختیار کیا۔ کچھ دیر دیر یا پراڑتا رہا، اس کے بعد صحرا پر سفر ہوتا رہا۔ کہیں دور دور بستی کے آثار نہ تھے۔ حدود شام میں داخل ہونے کے بعد کچھ سبزی اور بستیاں نظر آئیں۔ گیارہ بجے طیارہ بیروت اترا۔ یہاں پاکستانی الیکشن کے افسر جعفری صاحب مع اپنے عملہ کے اور کچھ لبنانی حکومت کے آفیسر اور کچھ دمشق



سے برائے استقبال آنے والے حضرات موجود تھے۔ ایک گھنٹہ تقریباً یہاں کے  
 مطار (ہوائی اڈہ) پر قیام رہا۔ پھر اس کے متصل بیروت میں ایک جماعت عباد الرحمن  
 کے نام سے قائم ہے۔ اس کے رکن حوری صاحب کے مکان پر ایک گھنٹہ قیام رہا۔  
 یہاں کپڑے بدلے، ہماری گھڑی کے اعتبار سے وقت ایک بجے تھا مگر یہاں کا  
 وقت ۳ گھنٹہ آگے ہے۔ اس لئے اپنی گھڑی یہاں کے مطابق کر کے گیارہ  
 پر کر دی۔ یہاں کے ابجے بیروت سے دمشق کے لئے موٹر پر روانہ ہوئے۔ لبنان  
 اور سواہی کی سرحد سے استقبال کرنے والے اور کچھ موٹر کے اجلاس میں جانیوالے  
 حضرات سے ملاقاتیں شروع ہوئیں۔ ایک بجے کے قریب موٹر شہر دمشق کے قریب  
 پہنچا۔ جہاں ایک طرف جبل قاسیون صنوبر کے درختوں سے چھپا ہوا اور جگہ جگہ  
 چشموں اور نہروں سے بھرا ہوا اور دوسری طرف اسی طرح کا ایک دوسرا پہاڑ ہے۔ اس  
 مقام کو یہاں ربوہ کہا جاتا ہے اور مشہور یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو آیا ہے بربوۃ ذات  
 قرار و معین وہ یہی جگہ ہے۔ اس کے قریب ایک مقام غوطہ کے نام سے ہے یہ بھی  
 باغات اور درختوں سے چھپا ہوا۔ نہروں اور چشموں سے بھرا ہوا ایک پہاڑ ہے جس پر  
 مقامات حریری میں ایک مقامہ لکھا گیا ہے۔ شہر بیروت سے لے کر یہاں تک راستہ  
 میں ایسے ہی دلکش مناظر ہیں۔ تمام راستہ میں پہاڑوں کے عجیب و غریب مناظر  
 ہیں۔ عام طور پر صنوبر کے درخت ہیں جن کا پھل یہاں کے وزیراعظم تھے اور بعض  
 دوسرے وزراء اور علمائے کرام کی بڑی جماعت جن میں شیخ امجد زہاوی وغیرہ پہلے سے  
 معروف تھے، استقبال کے لئے تشریف لائے۔ اس کے ساتھ شہر دمشق میں داخل  
 ہوئے۔ سمیر ہوٹل میں منجانب موٹر قیام کا انتظام تھا اس میں مقیم ہو گئے۔ یہاں کے  
 ہوٹل نہایت شاندار، بارونق اور پر فضا ہیں۔ کراچی کا بڑے سے بڑا ہوٹل اس کے  
 مقابلہ میں کچھ نہیں۔ کراچی کے زینت تکلفات مصنوعی کا نتیجہ ہیں اور یہاں کے شہر  
 کے زینت قدرتی بھی ہے اور عمارات بھی شاندار مثل کراچی کے ہیں۔ یہاں کے



کھانے اور پھل بھی نہایت بہتر ہیں، جواب سے پہلے کہیں نہیں پائے۔ کھانوں کی قسمیں اکثر اپنے بلاد سے ملتی جلتی ہیں۔

مؤتمر کا اجلاس ۱۷/۱۲ ذی قعدہ سہ شنبہ کی صبح سے شروع ہو چکا تھا۔ ہم ظہر کے وقت پہنچے۔ کھانے پر چند حضرات نے بطور شکریہ تقریریں کیں جن میں یہاں کے وزیر عدل مصطفیٰ زرقا کی تقریر اہم تھی۔ انڈونیشیا کے نمائندے ڈاکٹر ناصر جو پہلے وہاں وزیر اعظم بھی رہے ہیں، انہوں نے عربی میں جوابی تقریر اپنے ایک نمائندہ سے کرائی۔ کھانے سے فارغ ہو کر آرام کے لئے وقت ملا۔ مگر ہمیں دوشنبہ کا تمام دن ویزا اور ایجنج کے چکر میں اس طرح گزرا تھا کہ ایک منٹ کی مہلت نہ ملی۔ پھر رات کے ایک بجے تک ایروڈرم پر طیارہ کے انتظار میں گزری۔ صبح سے پہلے طلباء بحرین اتر گیا۔ اس لئے رات میں بھی کچھ آرام نہ ملا تھا۔ اس وقت بدن تو تھکان سے چور چور ہو چکا تھا۔ مگر نیند اس وقت بھی نہ آئی۔ ۵ بجے شام سے مؤتمر کا اجلاس ہوا۔ اس میں شریک ہوئے۔ سات بجے تک یہ اجلاس رہا۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر ۸ بجے سے دوسرا اجلاس یہاں کی یونیورسٹی میں تھا۔ اس اجلاس میں ہر ملک کے نمائندوں کے مختصر تقریروں کا سلسلہ چلا جو رات کے بارہ بجے تک رہا۔ اس وقت نیند کا یہ عالم کہ کرسی سے گرا جاتا تھا۔ مگر یہاں بیٹھنے پر مجبور تھا۔ بارہ بجے اجلاس ختم کر کے کھانے اور پھر نماز عشاء سے فارغ ہوتے ہوتے دو بج گئے۔ اس وقت سونے کا موقع ملا۔ یہ سب تعب ہوا لیکن الحمد للہ صحت پر کوئی ناگوار اثر نہیں ہوا۔ صبح کو ناشتہ کے بعد آٹھ بجے سے مؤتمر کا اجلاس شروع ہو کر بارہ بجے تک چلا۔ پھر کھانے پر اجتماع ہوا۔ یہاں عرب کا یہ رواج عام ہے کہ کھانا بھی ایک مستقل جلسہ ہوتا ہے۔ کھانے کے بعد مختلف لوگوں کی تقریریں ہوتی ہیں۔ آج اس موقع پر میری بھی ایک مختصر عربی میں تقریر ہوئی۔ پھر شام کے ۵ بجے رات تک یہی سلسلہ اجلاس کا چلا۔ ۱۹/۱۲ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ جون ۵۶ء کو پھر شام کے ۵ بجے رات تک اجلاس رہا۔



میں آخر اجلاس سے اٹھ کر مدینہ طیبہ کے لئے ٹکٹ حاصل کرنے کے واسطے سید عبدالحمید الخطیب صاحب کو ساتھ لے کر خطوط سعودیہ میں چلا گیا تھا۔ ہنوز ٹکٹ کا انتظام نہ ہوا۔ پھر خطیب صاحب کے ساتھ ان کے اپنے مکان پر جو ربوہ میں نیا بنایا ہے، حاضر ہوا، مکان کے اندر سے نہر چل رہی ہے جا بجافوارے لگے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا جمعیت غزا کی طرف سے یہاں کے ایک تفریحی ہوٹل منتزہ الفردوس میں تھا۔ یہ ہوٹل ایسا ہے جیسا کراچی میں بیچ لگژری ہوٹل ہے۔ مگر اس کی قدرتی رعنائی اور دلفریب باغات میں منظر سے بیچ لگژری کو کوئی مناسبت نہیں۔ اسی ربوہ کے پہاڑ پر واقع ہے، باغات ہی باغات ہیں۔ چشمے اور نہریں ہیں اور جا بجافوارے ہیں۔ اس دعوت میں حکومت سورہ کے وزیراعظم بھی شریک تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر آرام کیا، شام کے ۵ بجے سے پھر اجلاس تھا جو ساڑھے آٹھ پر ختم ہوا۔ نوبے صدر اسمبلی کی طرف سے ادراہوٹل میں دعوت تھی۔ شاہی طرح کی مہمانی رہی۔ گیارہ بجے فراغت ہوئی۔ آج جمعہ کا روز ہے۔ موتمر میں آئے ہوئے علماء اطراف میں سے ایک مفتی عالم عبدالفتاح ابو غدہ حلب کے رہنے والے ہیں۔ یہ آج صبح تشریف لائے۔ ان کے ساتھ دمشق کے مشرقی جانب خوا کا بر کے مزارات ہیں، ان کی زیارت کے لئے جانا ہوا ان میں سے ایک حضرت بلال حبشی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مزار ہے۔ دوسرے اوس بن ثقفی صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا، ابن قیم، علامہ شامی اور صاحب درالمختار علامہ علاؤ الدین کے مزارات بھی ایک ہی جگہ ہیں، ان کی زیارت نصیب ہوئی۔ ابھی ابھی وہاں سے آکر یہ خط لکھا ہے۔ اب جلسے میں جانے کی تیاری ہے اپنا تجویز یہ ہے کہ ۳۱ جون کو یہاں کا اجلاس ختم کر کے بیت المقدس اور دوسرے مقامات مقدسہ کی طرف جانا ہے۔ یہاں سے تقریباً ۳ جولائی تک واپسی ہوگی۔ فکر یہ ہے کہ ۴، ۵ جولائی کو جہاز جانے والا ہے، خدا کرے اس میں انتظام ہو جائے۔ مکہ معظمہ میں



عبدالرزاق معلم کو اور ان کی معرفت عزیز شفقت علی کو خط لکھ دیا ہے کہ وہ بھی ۵ جولائی تک کے لئے مدینہ کا ٹکٹ کریں۔ مگر ہنوز کوئی انتظام نہیں ہوا۔ یہ اپنی تجویز ہے آگے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو منظور ہے، میں نے اس خط میں گویا اس وقت تک کا سفر نامہ لکھ دیا ہے۔ اس کی ایک نقل فوراً کراچی بھیج دیں کیونکہ سب کو علیحدہ علیحدہ تفصیلات لکھنا مشکل ہے۔ اور رفع سلمہ، کو تقاضہ لکھیں کہ یہ خط محفوظ رکھیں۔ والسلام ”محمد شفیع“

یوم الجمعہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۳۰ جون ۱۹۶۷ء

برخورداران عزیز محمد رضی ولی و رفیع تقی و مولوی نور احمد و شریف حسین و جملہ عزیزان السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یہاں پہنچ کر اگلے ہی روز ایک مفصل خط تمہارے نام لکھا تھا اور آج ایک مفصل سفر نامہ محمد زکی سلمہ کے نام لاہور کے لئے لکھا ہے اس میں آج قبل الجمعہ تک کی تفصیلات درج ہیں۔ یہ خط لاہور سے محمد زکی تمہارے پاس بھی بھیجیں گے۔ آج یہ معلوم ہوا کہ دمشق سے کراچی جانے والی ڈاک شنبہ، سہ شنبہ کو نکلتی ہے۔ اس لئے غالباً میرا پہلا خط بھی ابھی تک یہیں ڈاک میں پڑا ہوگا، کل کا سفر نامہ محمد زکی سلمہ، کے خط میں لکھ چکا ہوں۔ وہاں سے پہونچے گا۔ جی چاہے تو محفوظ رکھیں۔ اخبارات میں شائع نہ کریں بجز اس مختصر خبر کے جو آخر خط میں لکھوں گا۔

آج صبح موتمر کا اجلاس جمعہ کی وجہ سے ۱۰ بجے بند کر دیا گیا۔ یہاں جمعہ بارہ بجے ہوتا ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے جامع اموی میں پہلے پہل حاضری ہوئی جس کو جامع دمشق بھی کہا جاتا ہے۔ اصل میں تعمیر اسلام سے پہلے کی ہے۔ کوئی عبادت گاہ کسی امت کی پہلے سے تھی، حضرت داؤد علیہ السلام کے بعض آثار یہاں بتلائے جاتے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا مزار مسجد کے اندر ہے۔ مسجد کے شمال میں شہدائے کربلا کے سرمدفون ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر زمانہ اسلام میں ولید بن عبدالملک کی طرف منسوب ہے۔ اس کو جامع کی شکل شاید اسی وقت دی گئی اور اس وقت سے



تقریباً آج تک خلفاء ملوک کا گہوارہ رہی۔ اس کے عظیم الشان منبر ان لوگوں کی یاد گار ہے۔ جمعہ کا خطبہ وحید رمضان نے دیا۔ نماز جمعہ کے بعد مراکش، جزائر کے لوگوں نے تقریریں کیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر جلسہ گاہ میں پہنچے۔ یہیں کھانے کا انتظام تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد جلسہ شروع ہوا۔ ایک گھنٹہ کے بعد نیند کے غلبہ کی وجہ سے میں جلسہ چھوڑ کر آرام گاہ پر آ گیا۔ عصر تک آرام کیا۔ بعد عصر پھر جلسہ میں حاضر ہوا۔ مغرب تک اجلاس رہا۔ بعد مغرب دید عبدالحمید خطیب، سابق سفیر سعودی پاکستان کے مکان پر دعوت تھی، وہاں گئے۔ خطیب صاحب نے یہ نیا مکان ربوہ کے ایک ایسے پر فضا مقام پر بنایا ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ نہر بردہ ان کے مکان کے نیچے سے گذرتی ہے اور اس نہر کی شاخیں گھر کے کمروں کے نیچے سے مکان کے اندر ایک آبشار کی صورت میں لائی گئی ہیں۔ پانی اتنا سرد ہے کہ عشاء کا وضو اس پانی سے کرنا دشوار ہو گیا۔ سردی کی وجہ سے چادر کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ کھانے سے فراغت کے بعد خطیب صاحب نے ایک خطبہ دیا۔ گیارہ بجے شب واپس آ کر آرام کیا۔ اس وقت صبح کے ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔ جلسہ میں جانا ہے۔ ڈاک آج پاکستان کو جارہی ہے۔ اس لئے یہ خط جلدی میں پورا کر رہا ہوں، آج اجلاس موثر ختم ہو جائیگا اور کل انشاء اللہ تعالیٰ دمشق سے فلسطین بیت المقدس کی طرف جائیں گے۔

تحقیق کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ یہاں سے مدینہ کا ٹکٹ نہیں ملتا بلکہ صرف جدہ کا ملتا ہے۔ اس لئے شاید ہمیں یہ کرنا پڑے کہ ۵ راترئخ جولائی کو یہاں سے جدہ پہنچیں۔ وہاں سے مدینہ آئیں۔ برخوردار شفقت کے رہتے اگر یہ خط مل جائے تو ان کو بتلا دیں کہ مدینہ طیبہ جائے منزل جدہ میں حکیم معیم صاحب سے ہمارے متعلق دریافت کر لیں کہ یہاں آئے ہیں یا نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ہم سب جدہ میں جمع ہو جائیں اور وہاں سے مدینہ کا سفر بھی ساتھ ہو۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ



جانے کے لئے جدہ میں وہ بھی اپنا قیام حجاج منزل میں رکھیں۔ ہم بھی اگر سیدھے جدہ پہنچے تو حجاج منزل ہی میں اتر کر مدینہ طیبہ جانے کا انتظام کریں گے۔

میں یہ تفصیلی خط آپ سب اور خصوصاً والدہ صاحبہ اور تمہاری والدہ کے اطمینان کے لئے لکھتا ہوں اور یہ کہ یہ سفر نامہ بھی محفوظ ہو جائے۔

یہاں کے پھل اور کھانے بھی اتنی اقسام واجناس کے ہیں کہ شمار مشکل ہے۔ جو پھل اور کھانے ہماری طرف معروف ہیں وہ یہاں نہایت نفیس اور بہتر ہیں۔ اس کو جنۃ الارض کہا جائے تو مبالغہ نہیں۔ اس خط میں جتنا جو سفر نامہ ہے اس کو نقل کر کے محمد زکی سلمہ کے پاس بھی بھیج دیں تو بہتر ہے۔ والسلام بند محمد شفیع عفی عنہ یوم شنبہ ۳۱ / جون ۵۶ء

محمد شفیع من عمان (الأردن) صبیحۃ یوم الاثنين ۲ / جولائی ۵۶ء

عزیز محترم مولوی نور احمد صاحب و محمد رضی، محمد رفیع، محمد ولی، محمد تقی سلمہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ صبح یوم السبت ۳۱ / جولائی تک کے حالات لکھ چکا ہوں۔ یوم السبت ۳۱ / جولائی کو ۱۲ بجے تک موتمر کا اجلاس رہا۔ اس کے بعد وزیراعظم سوریہ کی طرف سے ایک ہوٹل میں دعوت، وہاں ۲ بجے تک دعوت کا سلسلہ رہا۔ وزیراعظم نے شرکاء موتمر کا خاص احترام کیا۔ یہاں کے کھانوں کے تکلفات کراچی سے زیادہ نظر آئے۔ ۲ بجے واپس آ کر تھوڑے سے آرام کے بعد پھر جلسہ میں شرکت کی جو عصر تک چلا۔ عصر کے بعد صدر مملکت کی طرف سے چائے کی دعوت تھی، وہاں گئے۔ صدر مملکت نے وزیراعظم سے بھی زیادہ اصحاب موتمر کا احترام کیا۔ مغرب کی نماز یہیں ادا کی۔ صدر مملکت نے ایک بہترین تقریر کی، جس میں موتمر کے مقاصد کی بڑی حمایت تھی اور اسلامی مقاصد پر بہت موثر تقریر کی، پھر سب کے ساتھ نماز مغرب ادا کی۔ جوابی تقریر ڈاکٹر ناصر انڈونیشیا نے کی۔ بعد



مغرب چائے کے نام سے ایک خاص طرح کا کھانا تھا۔ میں نے گرانی طبع کی وجہ سے کھانے میں شرکت نہیں کی۔ اس دعوت سے واپسی کے بعد پھر مؤتمر کا بقیہ اجلاس تھا جو نو بجے شب تک چلا۔ اس کے بعد جامع انگیز جو ایک عظیم الشان جامع مسجد ہے مگر فرانس نے ہنگامہ میں شہید کر دی تھی، ہنوز تعمیر جاری ہے اس میں جلسہ عام منعقد ہوا۔ میں گیارہ بجے تک اس میں شرکت کر کے مستقر پر واپس آ گیا۔ یہ جلسہ رات کے دو بجے تک چلا۔ میں آکر سو گیا۔ صبح کی قرارداد یہ تھی کہ استاذ عبدالفتاح ابو غدہ علی کے ساتھ مفتی ابوالیسر مفتی سوریہ کے مکان پر جانا تھا یہ علامہ ابن عابدین شامی کے پوتے ہیں۔ علامہ ذی علم آدمی ہیں۔ ان سے اس وقت ملاقات کا پروگرام تھا۔ مگر رات کو دیر تک جاگنے کے سبب ابو غدہ نہ آ سکے۔ ٹیلیفون پر بتلایا کہ اس کام کے لئے دوسرا وقت مقرر کریں گے۔ اب آگے پروگرام قدس کے لئے روانگی کا تھا، اصحاب مؤتمر کے اعزاز میں یہ ریل کا پورا سفر آمد و رفت اپنے مصارف پر رکھا۔ اسٹیشن پر وزیر مواصلات اور دوسرے وزراء کو پیغام بھیجا۔ ہمیں پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو آدھا گھنٹہ ریل کو لیٹ کیا اور احترام کے ساتھ ہمیں رخصت کیا۔ دمشق سے گاڑی روانہ ہو کر چھوٹے اسٹیشنوں سے گزرتی ہوئی ایک مقام پر پہنچی جس کو یہاں کے لوگ درعاء بولتے ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ وہ مقام ہے جس کا ذکر حدیث میں بین اذرعات و بصری کے نام سے آیا ہے۔ بصری یہاں سے فاصلہ پر ایک دوسرا مقام ہے جہاں تک رسول کریم ﷺ اپنے عم محترم ابوطالب کے ساتھ زمانہ طفولیت میں تشریف لا کر واپس ہوئے تھے۔ درعاء کے مقام پر اخوان المسلمین کے لوگوں کا خاصا اجتماع تھا۔ یہ لوگ بڑے اخلاص کے ساتھ فوری اطلاع ملنے پر شہر سے دوڑتے ہوئے ریل پر پہنچے۔ ملاقات ہوئی۔ یہاں سے رخصت ہو کر دوسرا بڑا اسٹیشن زرقاء آیا۔ یہ ایک بڑا شہر ہے نہر زرقاء کے اوپر واقع ہے۔ نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ حدیث و تاریخ میں الزرقاء کا جو ذکر آتا



ہے وہ غالباً یہی جگہ ہے۔ یہاں بھی اخوان کی ایک بڑی مقدار میں روزانہ نکالا جاتا ہے۔ امریکہ ہی ان چیزوں کا ٹھیکہ دار ہے وہ لے جاتا ہے۔ زرقاً سے آگے ایک اسٹیشن صبیحہ کا آیا۔ اس کے بعد عمان کا اسٹیشن آگیا۔ یہ نیا شہر بسایا گیا ہے۔ قدیم بستی مختصر تھی۔ آج کل مملکت اردن کا دارالحکومت یہی ہے۔ تقریباً ۳ بجے عمان پہنچ کر یہاں پلیس ہوٹل میں قیام کیا۔ کھانے کے بعد آرام کیا۔ رات آرام سے گزاری اس وقت ۸ بجے صبح کو رئیس مملکت اردن کے پاس جانے کے تیاری ہے۔ ان کی ملاقات کے بعد قدس کو روانگی بذریعہ موٹر ہوگی۔ ہم اپنا سامان درست کر کے رئیس مملکت کے یہاں جانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اس فرصت میں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ آج انشاء اللہ تعالیٰ ظہر کی نماز مسجد اقصیٰ میں پڑھیں گے اور اس کے بعد قدس کے دوسرے مقامات کی زیارت کے لئے عصر کے بعد مقام خلیل الرحمن جائیں گے، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار ہے، اس کے بعد بیت اللحم کے مولد عیسیٰ علیہ السلام اور بحر لوط اور موسیٰ نبی مقامات کی زیارت کے فلسطین کے اس حصہ کو دیکھنے جائیں گے جہاں یہودیوں کا تغلب ہے۔ کل صبح ان تمام مقامات مقدسہ کی زیارت سے فارغ ہو کر نظام الاوقات کے مطابق کام ہو سکا تو انشاء اللہ دمشق کل شام تک واپس چلے جائیں گے۔ ایک روز دمشق میں قیام اور وہاں کی سیر اور بزرگوں سے ملاقات کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ مدینہ طیبہ کو روانگی ہوگی۔

میں اپنے سفر کے مختصر حالات مسلسل لکھ رہا ہوں۔ کوئی کسی کے نام اور کچھ کسی کے نام۔ مناسب یہ ہے کہ ان سب کو یک جا جمع کر لیا جائے۔ آپ بھی یہ خط پڑھ کر محمد رفیع کو حوالہ کر دیں کہ پچھلے خطوط کے ساتھ محفوظ رکھے۔

میری طبیعت بحمد اللہ اس وقت بالکل اچھی ہے اور ہر طرح راحت و آرام سے سفر ہو رہا ہے۔ والدہ صاحبہ اور اپنی والدہ کا پورا اطمینان کر دیں۔ والسلام

”محمد شفیع“



بندہ محمد شفیع از دمشق سورہ

یوم الجمعہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ - ۶ جولائی ۱۹۵۶ء

عزیزان محترمان سلمہم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں اب تک آپ لوگوں کو اپنا مکمل سفرنامہ لکھتا رہا ہوں۔ آخری خط عمان سے روانہ کیا تھا۔ اتوار کا روز شب عمان میں گزار کر دو شنبہ ۲ جولائی کی صبح کو ہم سب قدس کے لئے ٹیکسیوں پر روانہ ہوئے۔ عمان تک تو سفر ریل کا تھا اور اس کا انتظام حکومت سورہ نے کیا تھا۔ عمان اردن کا دارالحکومت ہے۔ ان لوگوں نے بھی اعضاء مؤتمر کا خاصا اکرام کیا۔ صبح آٹھ بجے بارہ ٹیکسیوں پر ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ اردن کا علاقہ بھی سورہ کی طرح نہایت سرسبز و شاداب پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، ہر طرف نہریں ہیں۔ انجیر اور زیتون کے درختوں کی کثرت ہے۔ تربوز نہایت اچھا ہوتا ہے۔ خوبانیاں جن کو یہاں مشمش کہتے ہیں کراچی سے بڑی اور نہایت شیریں ہیں۔ آلوچہ بھی وہاں سے زیادہ شاداب اور شیریں ہے اور بھی مختلف قسم کے عمدہ پھل پائے جاتے ہیں۔ دمشق اور اردن میں یہ چیزیں مشترک ہیں۔ عمان سے روانہ ہو کر پہلے راستہ میں ایک قصبہ صویلیہ آیا۔ چھوٹا سا قصبہ ہے، مگر قدیم زمانہ کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک بڑا شہر جو عمان کی طرح پورے پہاڑ پر نیچے سے اوپر ایک چادر کی طرح پھیلا ہوا ہے، اس میں آیا۔ اس کا نام سلط ہے۔ یہ ترکوں کے زمانہ میں اس علاقہ کا دارالحکومت تھا۔ جنگ عظیم دوم اور ترکی خلافت کے زوال کے بعد جب ولایت شام چار حصوں میں تقسیم کر کے لبنان، سورہ، اردن، فلسطین میں تقسیم کر دیا گیا اور پھر اردن کی حکومت کو اس کی انگریز نوازی کے صلہ میں ایک چھوٹا حصہ مسجد اقصیٰ اور شہر قدس کا ایک حد دے کر حکومت اردن قرار دیا اور باقی شہر قدس اور فلسطین یہودیوں کے حوالہ کیا۔ اس وقت سے اس کا دارالحکومت عمان ہوا۔ سلط میں قیام نہیں ہوا۔ اس کے



آگے بڑھے تو ہمارے سیارات کچھ پیچھے رہ گئے تھے، ایک نہر کے کنارے سڑک پر ہوٹل تھا وہاں ٹھہر کر رفقاء کا انتظار کیا۔ مختلف پھل خریدے اور کھائے۔ شہ تو ت بہت شیریں تھے۔

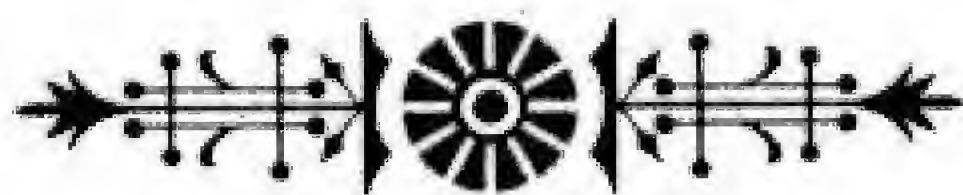
یہاں سے آگے بڑھے تو ایک ایسی وادی سے گزر ہوا، جس کا نام وادی شعیب تھا۔ حضرت شعیب عَلَيْهِ السَّلَامُ کی طرف منسوب ہے۔ یہ وادی کافی دور تک چلی۔ اس کے بعد نہر اردن آئی جس کے مشرق میں حکومت اردنی کا علاقہ ہے اور اسی کی وجہ سے اس کو شرق الاردن کہتے ہیں۔ نہر اردن وہی نہر ہے جس کا قرآن کریم میں جالوت و طالوت کے قصہ میں ذکر ہے۔ ان اللہ مَجْلِسِ۔۔۔۔۔ نہر پار کر کے فلسطین کے اس حصہ میں داخل ہوئے جو اب حکومت اردن کے تحت ہے۔ اس کا بڑا حصہ خشک پہاڑوں اور ریگستان سے گھرا ہوا ہے۔ اس میں سب سے پہلے شہر اریحا آیا جو دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ تورات و انجیل میں اس کا تذکرہ ہے۔ اس وقت بھی خاصا آباد ہے اس کے قریب مہاجرین فلسطین کی نو آبادی ہے۔

آج جمعہ کا دن ہے اور ہم مدینہ طیبہ کیلئے جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔ تھوڑی سی فرصت میں یہاں تک لکھ سکا تھا کہ اب ہوائی اڈہ پر جانے کا مطالبہ پہنچ گیا۔ اس لئے خط کو یہیں ختم کر کے مطار پر جا رہا ہوں، نو بجے ہیں۔ غالباً ایک بجے تک انشاء اللہ تعالیٰ مدینہ طیبہ پہنچ کر معلومات ہوں گی۔ والسلام

والدہ صاحبہ اور سب عزیزوں کو سلام و دعا۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ

(بحوالہ البلاغ مفتی اعظم نمبر جدید طباعت جولائی ۲۰۰۵ء)





حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ

## شمالی افریقہ میں نورِ نبوت کی پہلی کرن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شاہِ حبشہ کے دربار میں تعلیماتِ نبوی کا نہایت  
بلغِ خلاصہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب کے زبان سے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبِ قدس سرہ کے مسودات کے فائل سے غیر  
مطبوعہ مضمون جو ۷۸ھ بمطابق ۱۹۵۸ء میں لکھا گیا تھا، پیش خدمت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی عمر شریف کا چالیسواں سال اور عطاءِ نبوت کا چھٹا سال اللہ  
کا نام لینے والی مٹھی بھراؤمتِ مسلمہ کے لئے ایک عجیب ابتلاؤ امتحان اور انتہائی  
مصائب و آلام کا دور تھا۔ عرب کے سارے قبائل نے اس پر حلف اور معاہدہ کر لیا تھا  
کہ رسول کریم ﷺ اور ان پر ایمان لانے والے گئے چٹے مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ  
کر کے ان کو مجبور کر دیا جائے کہ یا وہ اپنے دین کو چھوڑ کر پھر ان میں شامل ہو جائیں یا  
بھوک پیاس سے مرجائیں۔ اور آپ کے خاندان میں سے جو لوگ آپ کی کچھ بھی  
حمایت کریں ان کا بھی اسی طرح مقاطعہ کر دیا جائے جس کے نتیجہ میں ابولہب کے سوا  
بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے پورے خاندان اس مکمل بائیکاٹ کے عذاب میں مبتلا  
ہوئے۔ مکہ کے بازاروں میں ان لوگوں کو ایک دانہ نہ ملتا تھا، ان کے بھوکے بچوں کے  
بلبلانے پر بھی کسی کو رحم نہ آتا تھا۔ جنگل کی گھاس اور پتے ان کی غذا رہ گئی تھی۔



اس وقت رحمۃ اللعالمین نے سب مسلمانوں کو حکم دیا کہ اب اس زمین کو چھوڑ کر متفرق ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں پھر جمع فرمادیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہاں جائیں؟ تو حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا، ان حضرات نے جن کے مردوں کی تعداد تراسی اور عورتوں کی اٹھارہ تھی اس ارشاد کے مطابق حبشہ کا قصد کیا اور متفرق طور پر خفیہ خفیہ اُس طرف چلنا شروع ہوئے یہاں تک کہ ساحل سمندر پر سب جمع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نبی مدد فرمائی کہ اس وقت دو تجارتی جہاز حبشہ کی طرف جانے والے مل گئے اور ان سب کو آدھا دینار کرایہ لے کر سوار کر لیا۔ ان حضرات نے حبشہ کی زمین پر اتر کر ذرا اطمینان کا سانس لیا۔

مگر قریش مکہ کو ان کی کینہ پروری اور جوش غیظ و غضب نے اس پر بھی نہ رہنے دیا کہ یہ لوگ اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ کر نکل گئے اس لئے اپنے دوسرے دار عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ان کے پیچھے شاہ حبشہ کو کچھ تحفے بھیجے اور اس کے ساتھ یہ درخواست بھیجی کہ یہ لوگ ہمارے خاندان کے افراد ہیں ہمارے دین سے نکل گئے اور آپ کے دین یعنی عیسائیت میں داخل نہیں ہوئے، ان کو ہمارے حوالہ کر کے مکہ بھیج دیا جائے۔

عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید نے یہ بھی ہوشیاری کی کہ شاہ حبشہ کے لئے تو تحفے لے ہی گئے تھے ان کی سلطنت کے امراء و وزراء اور علماء سب کے لئے علیحدہ تحفے لے گئے تاکہ وہ سب ان کی حمایت کریں اور شاہ کے پاس جانے سے پہلے یہ تحفے وزراء و امراء میں تقسیم کر کے انکی ہمدردی اپنے ساتھ کر لی اور پھر شاہ حبشہ کے پاس پہنچ کر بتلایا کہ یہ لوگ ہمارے دین آباؤی سے نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے بلکہ ایک نیا دین انہوں نے گھڑا ہے جو ہمارے اور تمہارے دونوں مذہبوں کے خلاف ہے اور ہم میں سے چند بے وقوف لوگوں کے سوا کسی نے اس دین کو قبول نہیں کیا۔ شاہ حبشہ چونکہ اُس وقت عیسائی تھا، اس سے یہ بھی کہا کہ یہ



لوگ حضرت عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور ان کی والدہ حضرت مریم عَلَيْهَا السَّلَامُ کی توہین کرتے ہیں، ان کو برا بھلا کہتے ہیں ان کو آپ فوری طور پر اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیں اور ہمارے ساتھ بھیج دیں۔

شاہ حبشہ نے اپنے ارکانِ دولت سے مشورہ کیا وہ پہلے ہی ہموار ہو چکے تھے، سب نے یہی مشورہ دیا کہ ہم تو ان لوگوں کے حالات سے واقف نہیں اور آنے والا وفد اور ان کی قوم ان کے حالات سے پوری طرح واقف ہے، ہمیں چاہیے کہ بغیر کسی تفتیش اور تحقیق کے ان لوگوں کو آنے والے وفد کے حوالہ کر کے اپنے ملک سے نکال دیں۔

لیکن نجاشی شاہ حبشہ تورات و انجیل کا عالم اور مذہب کا پابند تھا۔ اس نے کہا کہ واللہ میں ہرگز ایسا نہ کروں گا کہ یکطرفہ بیان سن کر کوئی فیصلہ کروں بلکہ ان لوگوں کو بلا کر خود ان سے حالات دریافت کروں گا پھر جو کچھ صحیح معلوم ہوگا اس پر عمل کروں گا۔ اسی قرارداد کے مطابق شاہی فرمان ان مسافروں کے پاس بھیج دیا۔

حضرات صحابہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو سہم گئے اور آپس میں گفتگو ہونے لگی کہ شاہ حبشہ سے کس قسم کی گفتگو کی جائے۔ اور کون کرے؟ حضرت جعفر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بن ابی طالب نے خود بڑھ کر فرمایا کہ میں گفتگو کروں گا۔ آپ سب خاموش رہیں۔ ان حضرات نے سوال کیا آپ کیا گفتگو کریں گے؟ حضرت جعفر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اس وقت بھی جو بات کہی وہ ہر مسلمان کو یاد رکھنے اور حرزِ جاں بنانے کی چیز ہے۔ فرمایا کہ۔

”میرے نزدیک یہ کوئی فکر کی چیز نہیں ہمیں جو کچھ معلوم ہے اور جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے بغیر کسی جھجک یا ملمع سازی کے صاف صاف وہی بیان کریں گے انجام کچھ بھی ہو۔“

سب نے اس پر اتفاق کیا اور شاہی دربار میں حاضر ہوئے۔



حق و باطل کا یہ ہنگامہ بھی قابل دید تھا کہ ایک طرف رؤساء قریش کا بھیجا ہوا وفد بڑی عزت و شان کے ساتھ شاہی دربار میں موجود ہے۔ اور اس نے پہلے سے تحفہ تحائف کے ذریعہ امراء دولت کی ہمدردیاں حاصل کر لی ہیں۔ پھر ایک خالی الذہن مختار مطلق بادشاہ کے کان اپنے حریف کی برائیوں سے بھر دیئے ہیں اور بادشاہ کو یہ بھی بتلا دیا ہے کہ یہ لوگ نہ بادشاہ کو سجدہ کریں گے نہ شاہی آداب بجالائیں گے۔ متکبر سرکش لوگ ہیں۔ اور دوسری طرف چند ٹیکس مسافر ہیں جن کا امراء دولت میں نہ کوئی تعارف ہے نہ سہارا۔

مگر یہ حق کے پرستار قرآنی آیات سے سرشار ہی دربار میں اجازت لے کر داخل ہوتے ہیں۔ تو خالص اسلامی طرز کی رسم سلام ادا کر کے بیٹھ جاتے، نہ درباری سلام، نہ رکوع نہ سجدہ۔

شاہ حبشہ نے سوال کیا کہ آپ لوگ شاہی آداب کیوں بجا نہیں لائے نہ سجدہ کیا اور نہ درباری رسم کے مطابق سلامی دی؟؟

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے، نجاشی حبشہ نے سوال کیا کہ تم نے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑا اور ہمارے دین یعنی عیسائیت میں بھی داخل نہیں ہوئے تو وہ کیا دین ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے؟

اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو دین اسلام کی ترجمانی کی ہے وہ آپ زر سے لکھنے اور ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے اس کو انہیں کے متبرک الفاظ میں مع ترجمہ کے لکھتا ہوں:-

ایہا المملک کنا قوما اهل جاهلیة نعبد الالهة و ناکل المیثة  
وناتی الفواحش و نقطع الارحام و نسیئ الجوار و یا کل القوی  
الضعیف فکنا علی ذلک حتی بعث الله لنا رسولا کما بعث  
الرسل الی من قبلنا و ذلک الرسول منا علم نسبه و صدقه



وامانتہ وعفافہ فد عا الی اللہ تعالیٰ لنوحده و نعبدہ ونخلع ما  
 کان یعبد آباؤنا من دونه من الحجارة والاثان وامنا ان  
 نعبد اللہ تعالیٰ وحده وامرنا بالصلوة والزکوة والصیام وامرنا  
 بصدق الحدیث واداء الامانة وصلة الارحام وحسن الجوارو  
 الکف عن المحارم والدماء ونهاننا عن الفواحش وقول الزور  
 واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناہ و آماناہ.

(سیرت حلبیہ ص ۳۲۳ ج ۱۷)

تَرْجَمًا: اے بادشاہ! ہم ایک جاہلیت والی قوم تھے کہ بتوں کی پوجا پاٹ کرتے اور  
 مردار جانور کھاتے اور بے حیائی کے سارے کام کرتے تھے۔ عزیزوں سے قطع  
 تعلق، ہمسایوں کے ساتھ بدسلوکی ہمارا شیوہ تھا، ہمارا قوی ہمارے ضعیف کو کھا جاتا  
 تھا، ہم اس تاریکی اور گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ، نے ہم میں اپنا ایک  
 رسول بھیجا جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے۔  
 آپ ﷺ نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ  
 کریں۔ اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت ہم اور ہمارے آباؤ اجداد  
 کرتے آئے ہیں اُن سب کو چھوڑ دیں، اور ہمیں نماز، صدقہ اور روزہ کا حکم دیا اور سچ  
 بولنے اور امانت ادا کرنے اور عزیزوں کے حقوق ادا کرنے کا پابند کیا، پڑوسیوں سے  
 اچھا سلوک سکھایا اور حرام چیزوں، خونریزی سے بچنے کی ہدایت فرمائی اور بے حیائی  
 کے کاموں سے منع فرمایا، جھوٹ بولنے اور یتیموں کا مال کھانے اور عقیف پاکدامن  
 عورت پر تہمت لگانے سے سختی کے ساتھ روکا، ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور  
 آپ ﷺ پر ایمان لائے۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اصول اسلام اور تعلیمات رسول ذکر  
 کرنے کے بعد فرمایا کہ جب ہم نے اللہ کے رسول پر ایمان اور ان کی پیروی



اختیار کر لی تو ہماری قوم قریش نے ہم پر ظلم و تعدی شروع کر دی تاکہ وہ پھر ہمیں بت پرستی اور گندی چیزوں میں مبتلا کر دیں۔ جب ان کا ظلم و جور حد سے گزر گیا اور زندگی ہم پر تلخ ہو گئی تو ہم نے آپ کے ملک کا رخ کیا اور دوسرے ملکوں سے اس کو اس لئے ترجیح دی کہ ہمارا گمان آپ کے متعلق یہ تھا کہ یہاں ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے گا، ہم پر ظلم نہ ہوگا۔

نجاشی ملک حبشہ اور اس کے امراء و وزراء، حضرات جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بیان اور اسلامی تعلیمات کی خوبی و ہمہ گیری سے متاثر ہو چکے تھے، نجاشی نے حضرت جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہا کہ جو کتاب آپ کے رسول پر نازل ہوئی ہے اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس ہے؟ جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا کہ صرف پاس نہیں بلکہ سینوں میں محفوظ ہے نجاشی نے اس کے سننے کی درخواست کی تو حضرت جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سورہ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یکے بعد دیگرے ان کی درخواست پر سب سنائی ہوں۔

آیات قرآنی سننے کا یہ اثر سب لوگوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ شاہ حبشہ نجاشی اور اس کے امراء و وزراء سب پر گریہ طاری تھا، آنسو بہہ رہے تھے.....! نجاشی چونکہ تورات و انجیل کا عالم تھا، اور کچھ عرصہ عرب میں رہ کر عربی زبان سے بھی کافی واقفیت حاصل کئے ہوئے تھا۔ یہ آیات سن کر بول اٹھا۔

”ان هذا الذي جاء به موسى ليخرج من مشكوة واحدة (سیرت حلبیہ) یعنی! یہ کلام اور وہ کلام جو موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ بعض روایات میں عیسیٰ علیہ السلام لائے ہیں۔ ایک ہی مرکز نور سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

اس وقت شاہ حبشہ اور اس کا پورا دربار کلام ربانی کے اثرات سے لبریز اور حضرت جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بیان سے متاثر تھا۔ حضرت جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا اب ذرا ان لوگوں سے بھی تو پوچھئے کہ انہوں نے ہمارا تعاقب کیوں کیا؟ اور کیوں



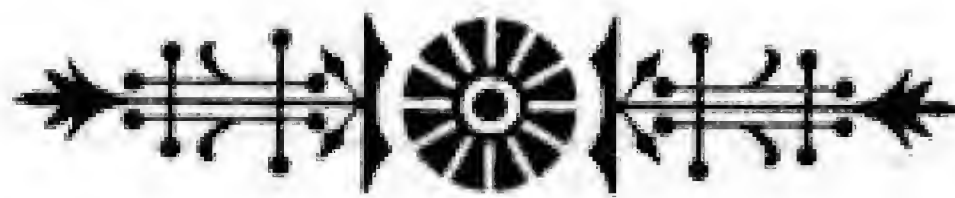
ہمیں اپنی حراست میں مکہ لے جانا چاہتے ہیں، ان سے دریافت کیجئے کہ ہم آزاد ہیں یا ان کے غلام ہیں اور بھاگ کر آگئے ہیں۔ اگر ہم ان کے بھاگے ہوئے غلام ہیں تو بیشک ان کو مطالبہ کا حق حاصل ہے اور آپ کو چاہیے کہ ہمیں ان کے حوالہ کر دیں۔ نجاشی نے ان سے سوال کیا تو عمرو بن عاص کو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ صحیح بات کا اقرار کریں کہ یہ لوگ غلام نہیں بلکہ آزاد ہیں۔ اس کے بعد حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ شاہ! ان سے دریافت کیجئے کہ ہم نے کوئی خون کیا ہے یا ان کے کسی آدمی کو قتل کیا ہے جو یہ ہم سے قصاص لینے کے لئے یا ہم نے ان کا کچھ مال لیا ہے جس کو وصول کرنے کے لئے انہوں نے ہمارا پیچھا کیا ہے؟ عمرو بن عاص نے ان دونوں سوالوں کے جواب میں بھی اس کا اقرار کیا کہ انہوں نے کسی کو قتل کیا نہ کسی کا مال لیا۔ اب نجاشی نے خود ایک سوال کیا کہ کیا پھر ان لوگوں کے ذمہ آپ کا کچھ قرض ہے؟ عمرو بن عاص نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔

اب تو نجاشی شاہ حبشہ پر حقیقت حال پوری طرح روشن ہو گئی تو فرمایا خدا کی قسم اگر تم لوگ ایک پہاڑ سونے کا مجھے دے دو تب بھی میں ان کو تمہارے حوالہ ہرگز نہ کروں گا اور حکم دیا کہ یہ لوگ جو ہدیہ تحفہ لے کر آئے ہیں وہ واپس کر دیا جائے اور ان کو یہاں سے واپس بھیج دیا جائے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حبشہ میں کسی تبلیغ و دعوت کی نیت سے نہیں بلکہ صرف اپنی حفاظت اور امن کی خاطر داخل ہوئے تھے۔ مگر دشمنوں کے تعاقب نے ان کو اور ان کے دین حق کو حبشہ کے سرکاری حلقوں اور عوام میں اس طرح روشناس کرادیا کہ سب کے سب اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو گئے اور ان میں سے بہت سے مسلمان بھی ہو گئے، خود نجاشی شاہ حبشہ نے بھی بالآخر اسلام قبول کیا۔

یہ ہے اشاعت اسلام اور اس کے عالمگیر اثرات کا نمونہ کہ اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے اخلاق و معاملات خود ایک جادو کی تاثیر رکھتے تھے۔ جس جگہ پہنچ گئے



ملکوں اور قوموں کی کایا پٹ دی۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو بیان میں نے ان کے عربی الفاظ میں نقل کیا ہے یہ تعلیمات اسلام کا ایک بہترین اجمال ہے۔ جس سے اس کا بھی انداز کیا جاسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عالم انسانیت پر کتنا بڑا احسان فرمایا کہ کفر و شرک، ظلم و جور، گندگی و ناپاکی اور ناحق شناسی کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا کو ایک بقعہ نور میں لے آئے، انسان جو چوپایوں سے اور وحشی درندوں کی صف میں بلکہ اس سے بھی نیچے گر چکا تھا اس کو اس قعر مذلت سے نکالا اور ایک صحیح مقام پر پہنچا دیا۔ (ماہنامہ الاشرف کراچی۔ جون ۱۹۸۷ء)





حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

## اسلامی خلافت

ملوکیت ہے۔ یا۔ جمہوریت

اسلام جس توسط و اعتدال کو اپنے ساتھ لایا ہے اس کے آثار تمام اسلامی احکام، اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، معاملات، سیاسیات و معاشریات میں نمایاں طور پر مشاہد ہیں اور یہی اعتدال اس امت کی طرہ امتیاز ہے۔

و کذالک جعلنا کم امة وسطا لئلا تكونوا شهداء علی الناس . (بقرہ ۱۴۳)

اس طرح ہم نے تمہیں ایک متوسط امت بنائی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو۔  
مکہ معظمہ کی زاہدانہ زندگی کے بعد جب اسلام تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اس نے اپنی سیاست اور تدبیر ممالک میں بھی اسی اعتدال اور توسط سے کام لیا۔ اور ملوکیت و جمہوریت کے افراط و تفریط کو اٹھا کر سلطنت و سیاست کا ایک ایسا محکم قانون تیار کیا جو تمام مفاسد سے پاک اور تدبیر ممالک کی تمام ضروریات کے لئے صحیح معنوں میں کفیل ہے۔

### ملوکیت اور شخصیت کے مفاسد

تو محتاج بیان نہیں کیونکہ مروجہ ملوکیت کا خلاصہ یہ ہے کہ

- ① تمام ممالک ایک شخص کا غلام بلکہ غلاموں سے زیادہ پابند ہو۔
- ② یہ شخص ظلم کرے یا انصاف کسی کو اس کے خلاف لب کھولنے کا حق نہ ہو۔



۳۰ عہد سلطنت اس کی نسل میں متوارث ہو باپ کے مرنے کے بعد سارا ملک بیٹے کے قبضے میں آجائے خواہ یہ کیسا ہی جاہل بدخلق اور نااہل، نالائق ہو۔

۴۰ تمام ملک کے جان و مال اس کی ایک جنبش لب سے زیروزبر ہو سکتے ہیں۔

(الغرض شخصیت کا قانون محض بادشاہ کی زبان ہے اور تمام خلق اللہ کی موت و حیات محض اس کے رحم پر موقوف ہے۔ ساری مخلوق اس کی ذاتی خواہشات کی تختہ مشق ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورت سے نظام سلطنت کیا قائم رہ سکتا ہے اور لوگوں کے حقوق کیا ادا ہو سکتے ہیں۔

### جمہوریت کے مفاسد

آج کل کی مصطلحہ اور مروجہ جمہوریت میں اگرچہ وہ مفاسد نہیں جو ملوکیت میں بیان کئے گئے لیکن اس میں بعض دوسرے ایسے مفاسد موجود ہیں جو نظام عالم کے قطعاً خلاف ہیں۔

۱ پہلی بات تو یہی ہے کہ جمہوریت میں امیر و بادشاہ کی حقیقت ایک شطرنج کے بادشاہ سے زائد نہیں صرف اتنی عنایت اس کے حال پر کی جاتی ہے کہ اس کی رائے کو دورائے کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے اور بس حالانکہ عالم کا فطری نظام اول سے آخر تک اسی کا مقتضی ہے کہ نظام سلطنت کا ذمہ دار کوئی با اختیار شخص ہونا چاہیے جس کو حقیقی طور پر امیر و حاکم کہا جاسکے اور جو امور سلطنت کے حل و عقد کا مالک ہو اور جس کی اطاعت تمام رعایا پر فرض ہو۔

۲ دوسرے ممبران جمہوریت کے باہمی اختلاف رائے کے وقت جمہوریت کا فیصلہ کثرت رائے کے تابع ہوتا ہے کثرت رائے کے مقابلہ میں نہ امیر کی کوئی ہستی ہے اور نہ دوسرے اہل رائے اور تجربہ کار لوگوں کی۔



اور یہ ایک ایسی اصولی غلطی ہے جو سینکڑوں غلطیاں اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ آج ہمارے یہاں کونسلوں اور بورڈ کے الیکشن میں جو طوفان بے تمیزی کے منظر سامنے آتے ہیں اور کثرت رائے کے فیصلوں کے جو ناگوار نتائج ہیں روزمرہ بھگتتے پڑتے ہیں ان کے مفاسد سے شاید کوئی انسان آنکھ نہ چرا سکے۔ آٹھ آٹھ آنہ میں رائے بکتی ہے ہر فریق کثرت رائے حاصل کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز ہتھیار کام میں لاتا ہے۔

تعلقات کے دباؤ و زور و زر کی نمائشوں سے ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں اور بالآخر نتیجہ اس شخص کے ہاتھ ہوتا ہے جس کی کرہ میں روپیہ زیادہ ہو اور جو فضولیات میں بے دریغ خرچ کرنے کا عادی ہو۔ یا جس کے تعلقات سے یا زور سے لوگ مرعوب ہوں، یہ ایک ایسی بداہت ہے کہ جس کا ہر شخص سالانہ مشاہدہ کرتا ہے۔

اور پھر یہ طوفان بے تمیزی اپنی برکات جو ملک میں چھوڑ جاتا ہے وہ سب سے زیادہ قابل غور ہیں الیکشن کا فتنہ تو چند روز میں ختم ہو جاتا ہے لیکن باہمی خانہ جنگیاں، عداوتیں اور بغض و عناد جو اس وقت قلوب میں قائم ہو جاتی ہے وہ اکثر ایسا صدقہ جاریہ ہوتا ہے جو قبروں میں ساتھ جاتا ہے۔

ایک مرتبہ کونسل کے الیکشن کے زمانہ میں ایک مقتدر باپ نے بیٹے کے شرمناک عیوب اخبارات و اشتہارات میں شائع کرنے سے دریغ نہ کیا تھا۔ ہونہار فرزند کو بھی ہم اس میدان کارزار میں باپ سے کسی طرح کم نہ پاتے تھے بلکہ ہر گالی کا جواب اس سے زیادہ وزن کی گالی سے دیا جاتا تھا۔

خیر یہ تو حریت کا نتیجہ تھا جو یورپین تمدن کا لازمی اثر ہے اور جس کا خلاصہ نہ فقط مذہب سے آزادی بلکہ انسانیت کی ہر پابندی سے آزادی ہے۔

(الغرض یہ سب اس جمہوریت اور کثرت رائے کے فیصلوں کی برکتیں ہیں جس کو آج سیاست کا اساسی قانون بنالیا گیا ہے۔



موجودہ اور مردّہ جمہوریت کے فیصلوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو جمہوری حکومت کا خود سر امیر یا روپیہ نکالتا ہے اور یا جبر و استبداد اور مکرو فریب کیونکہ جب کثرت رائے کا پردہ فاش ہوتا ہے تو اس کے پس پردہ یہی چیزیں کارفرما نظر آتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ الیکشن کے تمام انتخابات میں عموماً وہ خود غرض ہوا پرست، نااہل لوگ، خلق اللہ کی جان و مال کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ جن کی نیت اور ہمت ابتدا ہی سے اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ ہمیں حکومت کی کرسی مل جائے۔ پھر مخلوق آرام سے رہے یا تباہ ہو۔ چنانچہ ان کی رائے زنی کا حاصل بھی اس سے زیادہ نہیں ہوتا کہ جس طرف زیادہ ہاتھ اٹھتے نظر آئے انہوں نے بھی اپنی جھنڈی اسی طرف کے لئے اٹھا دی۔ اکثر انہیں یہ خبر نہیں ہوتی کہ کس معاملے کے متعلق ہم سے رائے لی گئی ہے۔ اور ان تمام فتنوں کے طوفان کی ذمہ داری صرف کثرت رائے کے فیصلوں پر ہے اگر اختلاف رائے کے وقت فیصلہ امیر مجلس کے سپرد ہو تو ان میں سے اکثر مفاسد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

(الغرض جس طرح شخصیت محض بادشاہ پرستی کا نام ہے اور نظام عام کے لئے کسی طرح مناسب نہیں۔ اسی طرح آجکل کی مصطلحہ جمہوریت اس کے بالکل خلاف ایک غوغاء ناس کا نام ہے جس کے مفاسد بھی شخصیت سے کم نہیں۔ اسلام جو نظام عالم کا حقیقی ذمہ دار ہے اس کا فرض تھا کہ اس افراط و تفریط کے درمیان ایسا راستہ اختیار کرے جو ہر قسم کے مفاسد اور خطرات سے پاک ہو۔ چنانچہ اسلامی حکومت کی بنیاد ایک ایسے قانون پر رکھی گئی جو بعض اعتبارات سے شخصیت سے ملتا ہے اور بعض وجوہ سے جمہوریت کا ہمرنگ ہے۔ یعنی

خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كُدِرَ

جو بات اچھی ہو اس کو اختیار کر لو اور جو بری ہو چھوڑ دو۔

کے قانون پر عمل کرتے ہوئے شخصیت و جمہوریت دونوں کی وہ دفعات جو



مفاسد پر مشتمل ہیں اسلام نے ان سب کو نظر انداز کر دیا اور جن دفعات کے ماتحت نظام عالم درست ہو سکے۔ ان کو اختیار کر لیا۔ جس کی اجمالی صورت یہ ہے۔

① اسلامی خلافت میں وراثت نہیں چلتی۔ یہ ضروری نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا یا اسی کی نسل کا کوئی اور آدمی خلافت و امارت کا جاگیردار ہو۔ بلکہ بیعت عامہ یا مشورہ سے انتخاب ہو جائے اور یا سابق خلیفہ کسی شخص کو اپنی رائے سے مقرر کر دے (وہی اس عہدہ پر فائز ہوگا) (ازالۃ الخفاء)

لا خلافة الا عن مشورہ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۲۹)

کوئی خلافت بغیر مشورہ کے نہیں ہو سکتی۔

② مہم معاملات میں تنہا خلیفہ بغیر مشورہ کے طے نہیں کر سکتا۔ آیت کریمہ۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران۔ ۱۵۹)

اور معاملات میں صحابہ سے مشورہ لیجئے۔

میں خود حضرت اقدس ﷺ کو مشورہ کا حکم فرما کر امت کے لئے اسوہ بنا

دیا گیا ہے۔

③ اگر خلیفہ کوئی خلاف شرع فعل اختیار کرے تو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کو حق ہے

کہ امر بالمعروف کے قواعد و آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے ناصحانہ طور پر کلمہ حق اس کے

سامنے پیش کر دے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ از لہ الخفاء میں اس

کے متعلق فرماتے ہیں۔

”واذا عظم انواع جہاد است امر کردن خلیفہ بمعروف ونہی اواز منکر بغیر خروج

بسیف ومی باید کہ بلطف باشند دون الغف ودر خلوت باشند دون الجلوۃ تافتنہ برنخیزد۔“

④ خلفاء راشدین اور صحابہ کے بہت سے واقعات اس کے شاہد عدل ہیں۔

خلیفہ وقت اگر کسی کو صریح خلاف شرع کام کرنے کا حکم دے تو اس کام میں

خلیفہ کا اتباع واجب نہیں۔ حدیث میں اسی دفعہ کے متعلق ارشاد ہے۔



لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

۵) بادشاہ اگر اسلام کو ترک کر کے مرتد ہو جائے تو وہ امارت سے معزول ہو جائے گا۔ اور مسلمانوں پر اس سے جہاد کرنا فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی امیر عام طور پر بے دریغ قتل و غارت اور عورتوں کی عفت دری اور غصب مال کرنے لگے اور شریعت کے قانون کا کوئی لحاظ نہ رکھے تب بھی جائز ہے کہ مسلمان اس کے خلاف جمع ہو کر اسے معزول کر دیں۔ کیونکہ اس کا حکم ڈاکوؤں کا سا حکم ہے (ازالۃ الخفاء ص ۷) لیکن جب تک یہ نوبت نہ آئے بلکہ شخصی طور پر کسی کسی پر ظلم کرے اس وقت تک اس کی بغاوت ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ اس کی اطاعت پر صبر کرنا فرض ہے جس کی تفصیل عنقریب آتی ہے۔

یہ چند اصول دفعات ہیں جو جمہوریت سے ملتی جلتی ہیں شخصی سلطنت میں یہ صورتیں موجود نہیں ہوتیں۔ اور دفعات ذیل شخصیت کی ہمرنگ ہیں۔

۶) مشورہ میں اگر اختلاف رائے پیش آئے تو فیصلہ کثرت رائے کے سپرد نہیں۔ بلکہ امیر کے رائے پر ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اقلیت کو اکثریت پر ترجیح دیدے۔ قرآن عزیز میں آنحضرت ﷺ کو مشورہ کا حکم فرمانے کے بعد فاذا عزمتم فتوکل علی اللہ (پھر جب آپ عزم کریں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کریں) بصیغہ واحد حاضر فرما کر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مشورہ کے بعد کسی جانب کو ترجیح دے کر اس کا عزم کرنا یہ فقط آپ کی رائے پر ہوگا، آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین اور دوسرے خلفاء کے بہت سے معاملات اس کے شاہد ہیں جن کو انشاء اللہ تعالیٰ بتفصل عرض کیا جائے گا۔

۷) امیر کی اطاعت ہر مسلمان کے ذمہ سرأعلانیۃ فرض ہے جب تک کہ وہ کسی صریح حرام کا حکم نہ کرے۔ قرآن عزیز میں اسی کے متعلق ارشاد ہے۔



اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (نساء-۵۹)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امراء کی اطاعت کرو۔

۸ امیر اگر کوئی ظالمانہ حکم نافذ کرے تب بھی رعایا کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت کرے۔ ان کو اس وقت صرف اتنا حق ہے کہ امر بالمعروف کے ذریعہ حق بات اس کے سامنے پیش کر دیں اور بس۔ لیکن اگر امر بالمعروف کے بعد بھی امیر اپنے اس حکم پر قائم رہے تو رعایا کا فرض ہے کہ صبر کے ساتھ اس کی اطاعت کرے۔ اس کی سرکشی اور بغاوت کے لئے آمادہ ہونا اس وقت بھی جائز نہیں۔ حدیث میں اس دفعہ کے متعلق بکثرت تصریحات موجود ہیں۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ چند گاؤں والے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بعض صدقات ۱، زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم پر ظلم کرتے ہیں (یعنی مقدار واجب سے زیادہ ہم سے وصول کرتے ہیں) آپ نے ارشاد فرمایا۔

ارضوا مصدقیکم (ابوداؤد)

اپنے عامل صدقہ کو راضی کرو۔

انہوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر وہ ہم پر ظلم کریں تب بھی ہم ان کو راضی کریں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ارضوا مصدقیکم وان ظلمتم رواہ ابوداؤد (از مشکوٰۃ)

اپنے عاملین صدقہ کو راضی کرو اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے۔

۱۔ اموال ظاہرہ یعنی مال تجارت اور جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے خلیفہ وقت کی طرف سے کچھ لوگ ملازم ہوتے تھے جو تمام صدقات وصول کر کے خلیفہ کے پاس جمع کرتے تھے اور پھر خلیفہ ان کو مصرف زکوٰۃ میں اپنے انتظام سے خرچ کرتا تھا ان لوگوں کو عامل صدقہ کہا جاتا تھا جو امیر وقت کے نائب ہو کر صاحب نصاب لوگوں کے پاس جاتے تھے۔



یہ عاملین صدقہ چونکہ خلیفہ اور امیر وقت کے نائب ہو کر ان لوگوں کے پاس جاتے تھے اس لئے ان کو مجبور کیا گیا ہے کہ ہر حال میں ان کی اطاعت کریں۔ وہ ظلم کریں تب بھی ان کے ذمہ ان کی اطاعت ضروری ہے۔

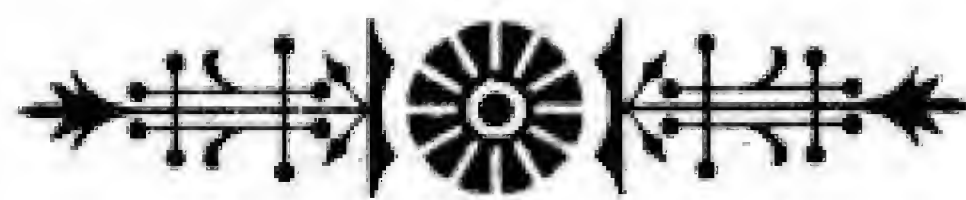
اسی کے متعلق ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر ابن عتیک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

سَيَاتِيكُمْ رَكِيبٌ مَبْغُوضُونَ فَإِذَا جَاؤُكُمْ فَجُودُوا بِهِمْ وَخَلُّوا  
بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُونَ فَإِنْ عَدَلُوا فَلَا تَنْفُسُهُمْ وَأَنْ ظَلَمُوا فَعَلَيْهِمْ  
وَأَرْضُهُمْ فَإِنْ تَمَامَ زَكَاةُكُمْ رَضَاهُمْ وَلِيدٌ عَوَالِكُمْ.

(رواہ ابو داؤد) (از مشکوٰۃ)

قریب ہے کہ تمہارے پاس چند مبغوض لوگ آئیں گے پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے ساتھ فراخ دلی سے پیش آؤ اور جو کچھ وہ طلب کریں ان کو دیدو۔ اگر وہ انصاف کریں گے تو ان کو اس کا فائدہ پہنچے گا اور اگر انہوں نے ظلم کیا تو اس کا ضرر بھی بھگتیں گے تم ان کو راضی کرو اس لئے تمہاری زکوٰۃ کا اتمام ان کی رضا پر موقوف ہے (اور تم ان کے ساتھ اس طرح پیش آؤ) کہ وہ تمہارے لئے دعا کریں۔

ان احادیث سے بصراحت معلوم ہوا کہ امیر وقت اگر ظلم بھی کرے تب بھی رعیت کے لئے اطاعت کے سوا کسی حربہ کا استعمال جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کا ظلم و جور اور بددیانتی عام خلق اللہ کو محیط ہو کر اس درجہ کو نہ پہنچ جائے کہ اس کو ڈاکوؤں کی فہرست میں داخل سمجھا جائے۔





## اخلاقِ نبوی ﷺ کے چند نمونے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی

حضور نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ حلیم، بردبار اور سب سے زیادہ شجاع تھے۔ سب سے زیادہ انصاف کرنے والے اور سب سے زیادہ معافی دینے والے تھے، آپ ﷺ سب سے زیادہ عقیف تھے، ساری عمر آپ ﷺ کا متبرک ہاتھ کسی اجنبی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا، جب تک کہ آپ ﷺ اس کے مالک نہ ہوئے ہوں یا اس سے نکاح نہ کیا ہو یا وہ آپ کی محرم نہ ہو۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے، کبھی کوئی درہم و دینار آپ ﷺ کے پاس ایک رات نہ گزارتا تھا۔ تقسیم کرنے کے بعد اگر کچھ بچ جاتا اور اس وقت کوئی محتاج نہ ملتا تو رات آتے ہی تلاش کر کے کسی محتاج کو دے کر بے فکر ہو جاتے تھے، جو کچھ مال آپ ﷺ کے پاس آتا تھا آپ ﷺ اس میں صرف سال بھر کے خرچ کی مقدار اپنے لئے رکھتے اور باقی کو تقسیم فرما دیتے تھے اور وہ بھی محض معمولی ادنیٰ درجہ کی چیزوں میں سے جیسے کھجوریں اور جو وغیرہ اور پھر اس میں بھی آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تو کبھی رد نہ فرماتے تھے اور اس سال بھر کے خرچ میں سے بھی ایثار فرما کر لوگوں کو دیتے تھے۔ اسی وجہ سے سال تمام ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ کا سامان ختم ہو جاتا تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ اپنا جو تہ خود کانٹ لیتے اور کپڑے میں پیوند لگا لیتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے کاروبار اور خدمت کرے تھے۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر گوشت کاٹتے تھے۔



حضور نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ حیا دار تھے۔ کسی کے چہرے پر (بوجہ شدہ حیا) آپ ﷺ کی نظر مبارک نہ جمتی تھی۔ آزاد اور غلام سب کی دعوت قبول فرما لیتے تھے اور ہدیہ کو قبول فرماتے، اگرچہ وہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران ہو۔ اور پھر ہدیہ کا بدلہ دیتے تھے اور ہدیہ کی چیز کو تناول فرماتے اور صدقہ کا مال نہ کھاتے تھے۔ معمولی کنیز اور مسکین آدمیوں کی دعوت سے انکار نہ فرماتے تھے۔ خدا کے لئے یعنی حدود اللہ اور شریعت کے خلاف کرنے پر ناراض ہوتے اور اپنے نفس کے لئے غصہ نہ فرماتے تھے، حق ہوتے تھے، اگرچہ اس کا نقصان آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس پر عائد ہوتا تھا۔

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ مشرکین کے مقابلہ میں دوسرے مشرکین سے مدد لیجئے تو انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم مشرکین سے مدد نہیں لیتے، حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھی بہت کم تھے۔

آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں ایک نہایت بزرگ صحابی کی لاش یہود کے محلہ سے برآمد ہوئی۔ مگر آپ ﷺ نے ان سے کوئی زیادتی نہیں فرمائی۔ بلکہ قاعدہ شریعہ کے موافق صرف سواونٹ سے ان کی دیت دلوادی اور بس۔ حالانکہ اس وقت صحابہ کرام کو ایک ایک اونٹ کی شدید ضرورت تھی اور یہودی مالدار تھے۔ ان سے جس قدر بھی حکم کیا جاتا خوشی سے برداشت کر لیتے۔

بعض اوقات حضور نبی کریم ﷺ بھوک کی وجہ سے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے تھے اور جب کچھ ملتا تو جو کچھ مل جاتا خوشی سے کھا لیتے اور کسی حلال کھانے سے احتراز نہ فرماتے تھے۔ اگر فقط چھوڑے مل جاتے تو انہیں پراکتفا فرماتے اور اگر گوشت بھنا ہوا مل جاتا یا روٹی گیہوں یا جو کی مل جاتی یا کوئی شیریں یا شہد مل جاتا تو تناول فرماتے۔ اور اگر کبھی روٹی نہ ہوتی اور صرف دودھ مل جاتا تو اسی پراکتفا فرماتے اور اگر خر بوزہ یا کھجوریں مل جاتیں تو وہی تناول فرما لیتے تھے۔



حضور نبی کریم ﷺ تکبیر لگا کر یا میز یا چوکی وغیرہ پر کھانا رکھ کر کبھی نہ کھاتے تھے۔ آپ ﷺ کا رومال (ہاتھ پونچھنے کے لئے) یا پاؤں کا تلوہ تھا۔ (یعنی بوجہ تکلفی کے اس کا اہتمام نہ تھا کہ کوئی تولیہ یا رومال ہی رکھا جائے بلکہ ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھوں یا پاؤں سے مل کر خشک فرمالیا جاتا)

آپ ﷺ نے گیہوں کی روٹی تین دن متواتر پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھائی اور آپ ﷺ کا یہ طرز عمل فقر و احتیاج یا بخل کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ اس لئے کہ اپنے اوپر دوسرے فقراء و مساکین کو ترجیح دیتے اور ایثار کرتے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے اور مریضوں کی مزاج پرسی کرتے اور جانبازوں میں شریک ہوتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے دشمنوں کے جتھہ میں تنہا بلا کسی پاسبان (ساتھی) کے چلتے پھرتے تھے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ تواضع اور عاجزی کرنے والے اور سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے۔ مگر یہ خاموشی تکبر کی وجہ سے نہیں تھی۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے۔ مگر کلام زیادہ طویل نہ فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

آپ ﷺ ظاہری شکل و صورت میں بھی سب سے زیادہ حسین و خوبصورت تھے۔ دنیا کی کسی خوفناک چیز سے نہ ڈرتے تھے۔

(مسند احمد عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

جو کچھ مل جاتا پہن لیتے۔ کبھی سادہ چادر اور کبھی یمن کی منقش چادر اور کبھی ادنیٰ جبہ غرض حلال مال سے جو کچھ مل جاتا زیب تن فرمالیا جاتا تھا۔

(بخاری عن سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

آپ ﷺ کی انگشتی چاندی کی تھی جس کو اکثر اپنے داہنے ہاتھ کی اور کبھی بائیں ہاتھ کی کس انگلی میں پہنتے تھے۔ (مسلم بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

آپ ﷺ اپنے ساتھ کبھی اپنے غلام کو اور کبھی کسی دوسرے کو سواری پر ردیف بنا کر سوار فرما لیتے تھے اور امراء و سلاطین کی طرح اس سے عار نہ تھا۔ (بخاری و مسلم)



سواری کے متعلق کوئی تکلف نہ تھا۔ کبھی گھوڑے پر، کبھی اونٹ پر، کبھی خچر پر اور کبھی حمار پر۔ جیسا موقع ہوتا سوار ہو جاتے تھے اور بعض اوقات پیادہ ننگے پاؤں بغیر عمامہ اور ٹوپی کے چلتے پھرتے تھے اور مدینہ کے دور محلوں میں جا کر مریضوں کی عیادت یعنی مزاج پرسی فرماتے تھے۔

(بخاری و مسلم بروایت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ و جابر بن سمرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ)

آنحضرت ﷺ خوشبو کو پسند فرماتے تھے اور بدبو سے نفرت رکھتے تھے۔

(نسائی بروایت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ)

فقراء و مساکین کے ساتھ مجالس (ہم نشینی) کی عادت تھی۔ مساکین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ اہل فضل و کمال کا احترام و اکرام ان کے اخلاق کی وجہ سے فرماتے تھے اور ہر قوم کے شریف لوگوں کو احسان و اکرام کے ساتھ مانوس کیا جاتا تھا۔ (شمائل ترمذی)

اپنے عزیز و اقربا کے حقوق صلہ ادا فرماتے۔ مگر جو لوگ ان سے افضل ہوں ان پر اقرباء کو ترجیح نہ دیتے تھے۔ (حاکم فی مستدرک عن ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما) کسی کے ساتھ بد مزاجی اور درشتی کا معاملہ نہ فرماتے۔

حدود شرعیہ کے خلاف کرنے کی صورت میں کسی پر غصہ کرنا یا سزا دینا بد مزاجی میں داخل نہیں بلکہ درستی اخلاق کا سب سے اہم ذریعہ ہے، جو شخص آپ ﷺ کے سامنے معذرت پیش کرتا تو آپ ﷺ اس کا عذر قبول فرماتے تھے۔ آپ ﷺ مزاح (ہنسی خوش طبعی) کی باتیں بھی کرتے تھے۔ مگر اس میں بھی کوئی خلاف واقعہ بات زبان مبارک سے نہ نکلتی تھی۔ آپ ﷺ ہنستے تھے مگر قہقہہ نہ لگاتے۔ بلکہ آپ ﷺ کا ہنسنا محض تبسم ہوتا تھا۔ آپ ﷺ مباح (جائز) کھیل کود دیکھتے تو منع نہ فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم عن عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا)

مباح کھیل وہ ہیں جو بدن کی چستی و مضبوطی کے لئے یا جہاد کی تیاری کے



لئے یا طبعیت کی تھکان دور کرنے کے لئے کھیلے جائیں اور ان میں کوئی ناجائز چیز مثل قمار (ہار جیت) یا مشابہت کفار یا سر کھلنا وغیرہ نہ ہوں۔ حدیث میں نشانہ سیکھنے اور تیرنے، کشتی لڑنے اور گتگا وغیرہ کھیلنے کو پسند کیا گیا ہے اور فقہاء نے گیند وغیرہ کے کھیل کو بھی اس میں داخل قرار دیا ہے۔ (شامی عالمگیری) مگر شرط یہ ہے کہ گتگا کا کھیل تعزیه داری میں اور کشتی کا کھیل گھٹے کھول کر اور گیند کا کھیل کفار و فساق کے مخصوص طریقہ پر نہ ہو۔ ورنہ ان چیزوں کی شمولیت سے یہ کھیل بھی ممنوع ہو جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے لوگوں کی آوازیں بلند ہو جاتی تھیں تو آپ ﷺ صبر فرماتے تھے۔ (بخاری عن عبد اللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ)

یہ آنحضرت ﷺ کا تو کمال اخلاق تھا کہ اس پر صبر فرمایا۔ مگر حضرات صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے لئے ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ اسی لئے اس کی ممانعت قرآن کریم میں نازل ہوئی: ”یا ایہا الذین آمنوا لاتقعدوا بین یدی اللہ ورسولہ“

آنحضرت ﷺ کے گھر میں چند اونٹنیاں اور بکریاں تھیں جن کے دودھ سے آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے اہل و عیال کا گزارہ تھا۔

(طبقات ابن سعد عن ام سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا)

آنحضرت ﷺ کے پاس چند غلام اور باندیاں تھیں جن کو کھانے پہننے میں اپنے سے کم نہ رکھتے تھے۔ (بلکہ ہر چیز میں ان کو برابر رکھا جاتا تھا۔) بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور حدیث میں ہے کہ غلاموں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ لیکن یہ سب تواضع اور حسن اخلاق کی تعلیم بدرجہ مستحب ہے اور ایسا کرنا واجب نہیں۔ بشرط یہ کہ ان کو کھانے، پہننے کی تکلیف نہ ہو۔



کیونکہ ضرورت کے موافق کھانا کپڑا وغیرہ دینا ان کو واجب ہے اور اس کے خلاف کرنے والا گنہگار ہے۔

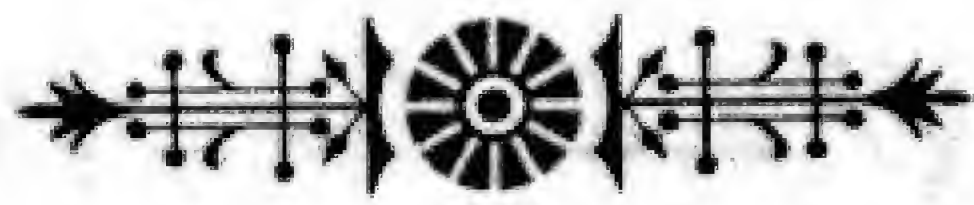
آنحضرت ﷺ کا یہ معاملہ ان غلاموں کے ساتھ ہے جو آپ ﷺ کی ملک تھے اور جب پر ہر طرح آپ ﷺ کو اختیار حاصل تھا۔ افسوس ہے کہ آج کل مسلمان اپنے ملازم اور نوکروں کے ساتھ بھی وہ معاملہ نہیں کرتے۔ باورچی سے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے جاتے ہیں۔ لیکن اس بے چارے کا حصہ اس میں بجز آگ اور دھوئیں کے کچھ نہیں ہوتا۔ تیار ہونے کے بعد اس کی خوشبو بھی اس کے پاس نہیں جاتی۔ اخلاق کی بات یہ ہے کہ تھوڑا بہت ہر کھانے میں سے اس کو بھی دیا جائے جو کام کسی نوکر کے سپرد کیا جائے اس میں اس کی راحت و طاقت کا خیال رکھ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا کوئی وقت بے کاری میں نہ گزرتا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اور دین کے کام میں یا اپنی دنیوی ضرورتوں میں۔ (شمائل ترمذی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

کبھی کبھی آپ ﷺ اپنے اصحاب کے باغات میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نہ کسی مسکین یا ایاہج کو اس کے فقر و محتاجی کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے اور نہ بادشاہ و امیر سے اس کی دولت و سلطنت کے سبب مرعوب ہوتے تھے۔ بلکہ دونوں کو یکساں طریق پر حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ میں اخلاق فاضلہ اور سیاست کاملہ جامع فرمادی تھی۔ حالانکہ آپ ﷺ امی (ان پڑھ) تھے اور لکھنا بھی نہ جانتے تھے۔ آپ ﷺ اسی شہر میں پیدا ہوئے جہاں کوئی علم کی جگہ (مدرسہ و یونیورسٹی) نہ تھی۔ بلکہ جہالت عام تھی۔ پھر آپ ﷺ کا نشو و نما فقر و فاقہ اور بکریاں چرانے میں ہوا۔ وہ بھی اس حالت میں کہ آپ ﷺ بے ماں اور بے باپ کے یتیم بچے تھے۔ مگر حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو محاسن اخلاق اور خصائل حمیدہ کی تعلیم دی اور اولین و آخرین کے علوم عطا فرمائے اور ان چیزوں کی تعلیم دی جن سے آخرت میں نجات اور



فلاح نصیب ہو اور دنیا میں پریشانیوں سے خلاصی اور لوگوں کے لئے غبطہ (رشد) کا سبب ہو اور آپ ﷺ کو مفید و ضروری کاموں میں مشغولی اور بے فائدہ فضول کاموں سے اجتناب عطا فرمایا۔

حق تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کی اتباع نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!





## فضائل بیت اللہ مع تاریخ تعمیر

ساری دنیا کے مکانات یہاں تک کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بیت اللہ یعنی کعبہ کا شرف اور افضلیت کا بیان ہے اور یہ شرف و فضیلت کئی وجہ سے ہے۔ اول اس لئے کہ وہ دنیا کی تمام سچی عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ برکت والا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ پورے جہان کے لئے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

سب سے پہلا گھر جو منجانب اللہ لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ کعبہ ہے۔ اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ دنیا کے سب گھروں میں پہلا گھر عبادت ہی کے لئے بنایا گیا ہو۔ اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ ہو، نہ دولت خانہ۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان کی شان سے کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے زمین پر آنے کے بعد اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ کا گھر یعنی عبادت کی جگہ بنائی ہو۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ، سدی رحمہما اللہ تعالیٰ، وغیرہ صحابہ و تابعین اسی کے قائل ہیں کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات پہلے بھی بن چکے ہوں۔ مگر عبادت کے لئے یہ پہلا گھر بنا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی منقول ہے:

بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب دلائل النبوة میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کے ذریعہ ان کو یہ حکم



بھیجا کہ وہ بیت اللہ (کعبہ) بنائیں۔ ان حضرات نے حکم کی تعمیل کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ اول الناس یعنی سب سے پہلے انسان ہیں۔ اور یہ اول بیت وضع للناس ہے۔ یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا۔ (ابن کثیر)

بعض روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی یہ تعمیر کعبہ نوح علیہ السلام کے زمانے تک باقی تھی۔ طوفان نوح علیہ السلام میں منہدم ہوئی اور اس کے نشانات مٹ گئے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا۔ پھر ایک مرتبہ کسی حادثہ میں اس کی تعمیر منہدم ہوئی تو قبیلہ جرہم کی ایک جماعت نے اس کی تعمیر کی۔ پھر ایک مرتبہ منہدم ہوئی تو عمالقہ نے تعمیر کی اور پھر منہدم ہوئی تو قریش نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی زمانہ میں تعمیر کی جس میں آنحضرت ﷺ بھی شریک ہوئے اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا۔ لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تعمیر کی تھی کہ ایک حصہ بیت اللہ کا بیت اللہ سے الگ کر دیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی بناء میں کعبہ کے دو دروازے تھے۔ ایک داخل ہونے کے لئے دوسرا پشت کی جانب سے باہر نکلنے کے لئے۔ قریش نے صرف مشرقی دروازہ کو باقی رکھا۔ تیسرا تغیر یہ کیا کہ دروازہ بیت اللہ کا سطح زمین سے کافی بلند کر دیا۔ تاکہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جاسکے۔ بلکہ جس وہ اجازت دیں وہی جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اس کو بالکل بناء ابراہیمی کے مطابق بنادوں۔ قریش نے جو تصرفات بناء ابراہیمی کے خلاف کئے ہیں ان کی اصلاح کئے ہیں ان کی اصلاح کر دوں۔ لیکن جو مسلم ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی لئے سروسٹ اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔ اس ارشاد کے بعد اس دنیا میں آپ ﷺ کی حیات زندہ نہیں رہی۔



لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنے ہوئے تھے۔ خلفائے راشدین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کے بعد جس وقت مکہ مکرمہ پر ان کی حکومت ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ کو منہدم کر کے ارشاد نبوی ﷺ اور بناء ابراہیمی کے مطابق بنادیا۔ مگر عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حکومت مکہ معظمہ پر چند روزہ تھی۔ ظالم الامۃ حجاج بن یوسف نے جملہ پرفوج کشی کر کے ان کو شہید کیا اور حکومت پر قبضہ کر کے اس کو گوارا نہ کیا کہ عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ فعل غلط تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو جس حالت پر چھوڑا تھا، ہمیں اسی حالت پر اس کو رکھنا چاہئے۔ اس بہانے سے بیت اللہ کو پھر منہدم کر کے اسی طرح کی تعمیر بنادی جو زمانہ جاہلیت میں قریش نے بنائی تھی۔ حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بعض مسلم بادشاہوں نے پھر حدیث مذکور کی بناء پر یہ ارادہ کیا کہ بیت اللہ کو از سر نو حدیث رسول اللہ ﷺ کے موافق بنادیں۔ لیکن اس زمانہ کے امام حضرت امام مالک بن انس رَحْمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے یہ فتویٰ دیا کہ اب بار بار بیت اللہ کو منہدم کرنا اور بنانا آگے آنے والے بادشاہوں کے لئے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنادے گا۔ ہر آنے والا بادشاہ اپنی نام آوری کے لئے یہی کارے گا۔ اس لئے اب جس حالت میں بھی ہے اس حالت میں چھوڑ دینا مناسب ہے۔ تمام امت نے اس کو قبول کیا۔ اسی وجہ سے آج تک وہی حجاج بن یوسف ہی کی تعمیر باقی ہے۔ البتہ شکست و ریخت اور مرمت کا سلسلہ جاری رہا۔

بیت اللہ کا بابرکت ہونا ظاہری طور پر بھی ہے، معنوی طور پر بھی۔ اس کے ظاہری برکات میں یہ مشاہدہ ہے کہ مکہ اور اس کے آس پاس ایک خشک ریگستان اور بنجر زمین ہونے کے باوجود اس میں ہمیشہ ہر موسم میں ہر طرح کے پھل اور ترکاریاں اور تمام ضروریات مہیا رہتی ہیں کہ صرف اہل مکہ کے لئے نہیں۔ بلکہ اطراف عالم سے آنے والوں کے لئے بھی کافی ہو جاتی ہیں اور آنے والوں کا حال دنیا کو معلوم



ہے کہ خالص موسم حج میں تو لاکھوں انسان اطراف عالم سے جمع ہوتے ہیں جن کی مردم شماری اہل مکہ سے چوگنی یا پانچ گنی ہوتی ہے۔ یہ ہجوم عظیم وہاں صرف دو چار روز نہیں، بلکہ مہینوں رہتا ہے۔ موسم حج کے علاوہ بھی کوئی وقت ایسا نہیں آتا جس میں باہر سے ہزاروں انسانوں کی آمد و رفت نہ رہتی ہو۔ پھر خالص موسم حج میں جبکہ وہاں لاکھوں انسانوں کا زائد مجمع ہوتا ہے کبھی نہیں سنا گیا کہ بازار میں کسی وقت بھی ضروریات ختم ہو گئیں، ملتی نہیں، یہاں تک کہ قربانی کے بکرے جو وہاں پہنچ کر ایک ایک انسان سو سو بھی کرتا ہے اور اوسط فی کس ایک کا تو یقینی ہے۔ یہ لاکھوں بکرے وہاں ہمیشہ ملتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہ دوسرے ملک سے منگانے کا اہتمام کیا جاتا ہو۔ یہ تو ظاہری برکات کا حال ہے جو مقصود کی حیثیت نہیں رکھتیں اور معنوی و باطنی برکات تو اتنی ہیں کہ اس کا شمار نہیں ہو سکتا۔ بعض اہم اہم عبادات تو بیت اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان میں جو اجر عظیم اور برکات روحانی ہیں ان سب کا مدار بیت اللہ پر ہے۔ مثلاً حج و عمرہ اور بعض دوسری عبادات کا بھی مسجد حرام میں ثواب بدرجہا بڑھ جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی انسان گھر میں نماز پڑھے اس کو ایک نماز کا ثواب ملے گا اور اگر اپنے محلہ کی مسجد میں ادا کرے اس کو پچیس نمازوں کا ثواب حاصل ہوگا اور جو جامع مسجد میں ادا کرے تو پانچ سو نمازوں کا ثواب پائے گا اور اگر مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرے تو ایک ہزار نمازوں کا اور میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا (یہ روایت ابن ماجہ و طحاوی وغیرہ نے نقل کی ہے) حج کے فضائل میں یہ حدیث عام مسلمان جانتے ہیں کہ حج کو صحیح طور پر ادا کرنے والا مسلمان پچھلے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پاک و صاف پیدا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب بیت اللہ کی معنوی اور روحانی برکات ہیں۔ اس میں اللہ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ منجملہ ان کے مقام ابراہیم ہے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے



وہ امن والا اور محفوظ ہو جاتا ہے۔ کوئی اس کو قتل نہیں کر سکتا۔ تیسرے یہ کہ ساری دنیا کے مسلمانوں پر اس بیت اللہ کا حج فرض ہے۔ بشرطیکہ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت اور قدرت رکھتا ہو۔

### مقام ابراہیم

ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی مقام ابراہیم ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اس کو مستقل طور پر علیحدہ بیان فرمایا ہے۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ پتھر تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ خود بخود بلند ہو جاتا تھا اور نیچے اترنے کے وقت نیچا ہو جاتا تھا۔ اس پتھر کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا گہرا نشان آج تک موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک بے حس و بے شعور پتھر میں یہ ادراک کہ ضرورت کے موافق بلند یا پست ہو جائے اور یہ تاثر کہ موم کی طرح نرم ہو کر قد میں کا مکمل نقش اپنے اندر لے لے۔ یہ سب آیات قدرت ہیں جو بیت اللہ کی اعلیٰ فضیلت ہی سے متعلق ہیں۔ یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا۔ جب قرآن کا یہ حکم نازل ہوا کہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھو: ”وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی“ اس وقت طواف کرنے والوں کی مصلحت سے اس کو اٹھا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلہ پر مطاف سے باہر بیرزمزم کے قریب رکھ دیا گیا اور آج کل اس کو اسی جگہ ایک محفوظ مکان میں مقفل کیا ہوا ہے۔ طواف کے بعد کی دو رکعتیں اسی مکان کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں۔ حال میں یہ ترمیم ہوئی کہ وہ مکان تو ہٹا دیا گیا اور مقام ابراہیم کو ایک بلوری خول کے اندر محفوظ کر دیا گیا۔ مقام ابراہیم اصل میں اس خاص پتھر کا نام ہے اور طواف کے بعد کی رکعتیں اس کے اوپر یا اس کے پاس پڑھنا افضل ہے۔ لیکن مقام ابراہیم کے لفظی معنی کے اعتبار سے یہ لفظ تمام مسجد حرام کو حاوی ہے۔ اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ مسجد حرام کے اندر جس



جگہ بھی طواف کی رکعتیں پڑھ لے، واجب ادا ہو جائے گا۔

داخل بیت اللہ کا مامون ہونا

بیت اللہ کی دوسری خصوصیت یہ بتلائی گئی ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ امن والا یعنی مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس میں داخل ہونے والے کا مامون و محفوظ ہونا ایک تو شرعی اعتبار سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے اس کو نہ ستاؤ، نہ قتل کرو۔ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے یا کوئی اور جرم کر کے وہاں چلا جائے اس کو بھی اس جگہ سزا نہ دی جائے۔ بلکہ اس کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ حرم سے باہر نکلے۔ حرم سے باہر آنے پر سزا دی جائے گی۔ اس طرح حرم میں داخل ہونے والا شرعی طور پر مامون و محفوظ ہو گیا۔

دوسرے حرم میں داخل ہونے والے کا مامون و محفوظ ہونا یوں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر ہر قوم و ملت کے دلوں میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم ڈال دی ہے اور وہ سب عموماً ہزاروں اختلافات کے باوجود اس عقیدے پر متفق ہیں کہ اس میں داخل ہونے والا اگر نہ مجرم یا ہمارا دشمن ہی ہو تو حرم کا احترام اس کا مقتضی ہے کہ وہاں اس کو کچھ نہ کہیں۔ حرم کو عام لڑائی جھگڑوں سے محفوظ رکھا جائے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب اور ان کی جنگ جوئی اور تند خوئی ساری دنیا میں مشہور ہے۔ لیکن حرم کے احترام کا یہ حال تھا کہ باپ کا قاتل بیٹے کے سامنے آتا تو مقتول کا بیٹا جو اس کے خون کا پیاسا ہوتا تھا اپنی آنکھیں نیچی کر کے گزر جاتا تھا۔ اس کو کچھ نہ کہتا تھا۔

فتح مکہ میں صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے دین کی اہم مصلحت اور بیت اللہ کی تطہیر کی خاطر صرف چند گھنٹوں کے لئے حرم میں قتال کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی اور فتح کے بعد آپ ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ اس کا



اعلان و اظہار فرمایا کہ یہ اجازت صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے تطہیر بیت اللہ کی غرض سے تھی اور وہ بھی چند گھنٹوں کے لئے تھی۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے پھر اس کی وہی مرتبہ ثبت ہے جو پہلے سے تھے اور فرمایا کہ حرم کے اندر قتل و قتل نہ مجھے سے پہلے تھا نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہے اور میرے لئے بھی صرف چند گھنٹوں کے لئے حلال ہوا تھا پھر حرام کر دیا گیا۔

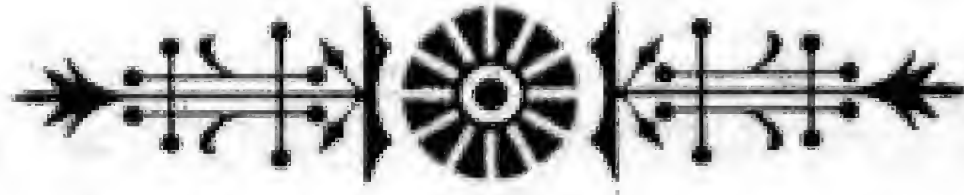
رہا یہ معاملہ کہ رسول ﷺ کے بعد حجاج بن یوسف نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مکہ میں فوج کشی کی اور قتل و غارت کیا۔ یہ اس امن عام کے تشریحی طور پر اس لئے خلاف نہیں کہ باجماع امت اس کا یہ فعل حرام اور سخت گناہ تھا۔ تمام امت نے اس پر نفرین کی اور تکوینی طور پر بھی اس کو احترام بیت اللہ کے منافی اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ حجاج خود بھی اپنے اس عمل کے حلال ہونے کا معتقد نہ تھا۔ وہ بھی جانتا تھا کہ میں ایک سنگین جرم کر رہا ہوں۔ لیکن سیاست و حکومت کی مصالح نے اس کو اندھا کیا ہوا تھا۔

### حج بیت اللہ کا فرض ہونا

آیت میں بیت اللہ کی تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم و واجب قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت و استطاعت رکھتے ہوں۔ اس قدرت و استطاعت کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے پاس ضروریاتِ اصلیہ سے فاضل اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں کے قیام کا خرچ برداشت کر سکے اور اپنی واپسی تک ان اہل و عیال کا بھی انتظام کر سکے جن کا نفقہ ان کے ذمہ واجب ہے۔ نیز ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے معذور نہ ہو۔ کیونکہ ایسے معذور کو تو اپنے وطن میں چلنا پھرنا بھی مشکل ہے۔ وہاں جانے اور ارکان حج ادا کرنے پر کیسے قدرت ہوگی؟ اسی طرح عورت کے لئے چونکہ بغیر محرم کے سفر



کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اس لئے وہ حج پر قادر اس وقت سمجھی جائے گی جبکہ اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو۔ خواہ محرم اپنے خرچ سے حج کر رہا ہو یا یہ عورت اس کا خرچ بھی برداشت کرے۔ اسی طرح وہاں تک پہنچنے کے لئے راستہ کا مامون ہونا بھی استطاعت کا ایک جز ہے۔ اگر راستہ میں بدامتی ہو، جان مال کا قوی خطرہ ہو تو حج کی استطاعت نہیں سمجھی جائے گی۔





## شبِ قدر

### حضرت کی آخری نشری تقریر

”حضرت“ کی وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل ریڈیو پاکستان سے فرمائش کی گئی کہ شبِ قدر کے بارے میں ایک تقریر ریڈیو سے نشر فرمائیں۔ احقر نے ریڈیو کے حضرات سے عذر کیا کہ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی علیل ہیں اور تقریر میں بارہوگا۔ لیکن جب انہوں نے براہِ راست اصرار کیا تو حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے قبول فرمالیا اور خود اپنے دستِ مبارک سے بسترِ علالت پر ہی یہ تقریر لکھی اور بستر ہی سے ریکارڈ کرائی۔ کسے معلوم تھا کہ یہ حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی نہ صرف آخری نشری تقریر ہے، بلکہ اس کے بعد کوئی مضمون آپ کے قلم سے نہیں نکلا۔ اس تقریر کے ریڈیو سے نشر ہونے کے کل تیرہ دن بعد حضرت رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ (محمد تقی عثمانی)

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی اس آخری امت کو بڑی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازا ہے۔ دوسری ساری امتوں کے مقابلہ میں اس امت کو کچھ خصوصی امتیازات عطا فرمائے ہیں۔

انہیں امتیازی فضائل میں سے شبِ قدر بھی ہے جو سال بھر میں ایک مرتبہ آتی ہے اور صرف اس رات کو عبادات میں مشغول کر دینے والوں کو ایک ہزار مہینے کی خالص عبادت سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے لیلۃ القدر خیر من الف شہر (یعنی ایک شب قدر بہتر ہے ایک ہزار مہینے سے) قرآن کریم



نے اس رات کی عبادت کو ایک ہزار مہینے کی عبادت کے برابر نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بہتر فرمایا ہے اور اس میں زیادت کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی کہ کتنا زیادہ۔ اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ وہ اسکو ایک ہزار سال کے برابر بنادیں۔

امت مرحومہ پر اس خاص امتیازی انعام کی ایک وجہ حدیث شریف میں آئی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو کچھ چھلی امتوں کی کچھ طویل طویل عمریں بطور وحی دکھائی گئیں (جو تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں سال کی ہوتی تھیں) اس کے بالمقابل یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی امت کی عمریں ان کے مقابل بہت کم ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوں گی۔ اس واقعہ نے آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک پر یہ اثر کیا کہ اس حساب سے تو میری امت اعمال صالح اور عبادات میں سب سے کم رہ جائے گی۔ اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی نے آپ کے قلب مبارک سے اس غم کو دور کرنے کے لئے لیلۃ القدر کی آیت نازل فرما کر بتلادیا کہ آپ فکر نہ کریں۔ اس امت کے عمل کی قیمت بہت بڑھادی گئی ہے کہ صرف ایک رات میں ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے زیادہ ثواب حاصل کر سکتے ہیں، تا کہ دوسری امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے۔ یہ حدیث مؤطا میں امام مالک رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اور ترغیب ترہیب میں حافظ منذری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے نقل کی ہے۔

شب قدر کو شب قدر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات کی عمریں اور رزق اور بھلے بُرے مختلف قسم کے حالات جو روز اول سے لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس رات میں اس سال کا پورا بجٹ اور سب کی مقداریں فرشتوں کے حوالہ کردی جاتی ہیں کہ کس کی کتنی عمر ہوگی، کتنا رزق ملے گا، وہ کیسے کیسے حالات سے گزرے گا۔ سورہ دخان کی آیت میں حق تعالیٰ نے اس رات کو لیلہ مبارکہ کے نام سے ارشاد فرمایا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے فیہا یفرق کل امر حکیم امر امن



عندنا یعنی اس رات میں طے کر دیا جائیگا ہر کام حکمت والا ہماری طرف سے۔ اس رات کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نزول قرآن اس رات میں ہوا اور درمنثور کی ایک روایت میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔ سنن بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ شب قدر میں جبریل امین فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں۔ اور جس شخص کو ذکر و عبادات میں مشغول دیکھتے ہیں اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه (یعنی جس شخص نے قیام کیا شب قدر میں ایمان کے ساتھ، خالص ثواب کی نیت سے کہ کوئی دنیوی غرض نہیں۔ اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔) قیام کرنے سے مراد کسی عبادت میں لگنا ہے، جس میں نماز پڑھنا بھی داخل ہے اور ذکر و تلاوت وغیرہ بھی۔

گناہوں کی معافی کے متعلق شریعت کا اصلی ضابطہ یہ ہے کہ صغیرہ گناہ تو نفلی عبادات اور دوسری نیکیوں کے ذریعہ بھی خود بخود معاف ہو جاتے ہیں مگر کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صغیرہ کی معافی کی قید نہیں لگائی بلکہ عام رکھا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اول تو مومن سے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہونا بہت بعید ہے اور اگر ہو بھی گیا تو مومن کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک توبہ نہ کر لے اور فرض کرو کہ پہلے غفلت ہی ہوتی رہی اب جبکہ شب قدر میں وہ اللہ کے سامنے کھڑا ہے اور اس سے اپنی مغفرت کی دعا اور دوسری مرادیں مانگ رہا ہے تو یقیناً اس کو اپنے پچھلے گناہوں پر ندامت و شرمندگی بھی ہوگی اور آئندہ ان سے بچتے رہنے کا پختہ ارادہ بھی کرے گا۔ اسی کا نام توبہ ہے۔ اس سے



معلوم ہوا کہ شب قدر کی عبادت کے لئے پچھلے گناہوں سے توبہ لازم و ملزوم ہیں۔  
 ایک حدیث میں ہے کہ حضرت صدیقہ عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ آج شب قدر ہے تو میں کیا دعا مانگوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا کرو اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔ یعنی اے میرے معبود آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ میرے بھی گناہوں کو معاف فرما۔ اس حدیث میں شب قدر کی سب سے بڑی عبادت توبہ ہی کو قرار دیا ہے اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس مبارک رات میں اپنے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور معافی مانگنے کا اہتمام کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شب قدر اس امت کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے امتیازی انعام ہے کہ ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار مہینے کے برابر نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ کر دیا ہے۔ ایک ہزار مہینے کے تر اسی برس چار ماہ ہوتے ہیں۔ پھر اس میں رحمت کے فرشتوں کا نزول اور عبادت گزار کے لئے رحمت کی دم بدم دعائیں بھی ہیں اور تمام گناہوں سے مغفرت کا وعدہ بھی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ منادی بھی ہوتی ہیں کہ ہم سے جو دعا مانگی جائے گی قبول کریں گے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی برکات سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا اور اس بھلائی سے صرف وہی شخص محروم ہوگا جو بڑا ہی بد نصیب ہو۔ یہ روایت ابن ماجہ نے حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کی ہے۔

اب ایک سوال باقی رہ گیا کہ مبارک رات کون سی رات ہے۔ اس کے متعلق اتنی بات تو خود قرآن کریم نے متعین کر دی ہے کہ یہ رات ماہ رمضان کی کوئی رات ہوگی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی مزید توضیح تعین بذریعہ وحی الہی اس طرح فرمائی ہے کہ مشکوٰۃ میں بحوالہ بخاری شریف حضرت صدیقہ



عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ یعنی اکیس، تیس، پچیس، ستائیس، انتیس ان راتوں میں سے کوئی رات شب قدر ہوگی۔ اور بعض روایات میں ستائیسویں شب کے متعلق مزید رجحان ثابت ہوتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی احکام میں اکیسویں شب وہ کہلائے گی جو ۲۱ تاریخ سے پہلے آئے۔ اسی طرح ۲۳، ۲۵ وغیرہ کو سمجھئے اللہ تَعَالٰی کے احکام کی حکمتوں کو پورا کون دریافت کر سکتا ہے۔ یہاں بالتصریح کسی ایک رات کو متعین کر کے نہ بتلانے اور عشرہ اخیرہ رمضان کی پانچ طاق راتوں میں دائر کر دینے میں ایک حکمت یہ بھی کہ ہے انسان کے شوق عبادت اور فکر آخرت کی آزمائش ہو کہ شب قدر کی برکات حاصل کرنے کے لئے ان پانچوں راتوں میں بیدار رہ کر عبادت کی کوشش کرے۔ غور کیجئے کہ سرکاری اور نجی ملازمتوں میں کتنی ملازمتیں ایسی ہیں کہ ان میں ملازم کو پوری رات بیدار رہنا پڑتا ہے۔ ہوائی جہازوں کے پائلٹ، ریلوں کے چلانے والے، رات کی شفٹوں میں کام کرنے والے، ملوں اور کارخانوں کے مزدور فانی فوائد اور چند ٹکوں کی خاطر کتنی راتیں جاگ کر گزارتے ہیں۔ اگر اللہ کے نیک بندے سال بھر میں صرف پانچ راتیں اتنی بڑی نعمت کے لئے جاگیں کہ تراویح سال چار ماہ کی عبادت کا ثواب ملے گا، فرشتوں کی دعائیں ملیں گی، سب پچھلے گناہوں کی مغفرت حاصل ہوگی، دین و دنیا کی سب مرادیں حاصل ہوں گی تو کیا مشکل کام ہے۔ اور قربان جائیں حق تعالیٰ کے فضل و انعام کے کہ ان راتوں میں بھی تمام رات جاگنا شرط نہیں، کچھ سو بھی رہے تو اس مقصد میں خلل نہیں آتا۔

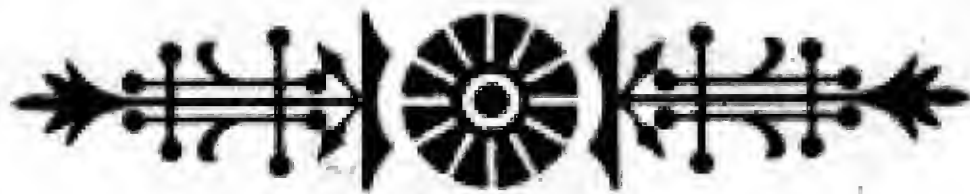
اور حضرت سعید بن مسیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت تو یہ ہے کہ جو شخص اسی رات میں عشاء کی نماز جماعت سے پڑھے پھر صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لے وہ بھی لیلة القدر کی برکات سے محروم نہیں رہتا۔ پھر یہ رات غروب آفتاب کے بعد



سے شروع ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ بیمار یا بہت کمزور یا کم ہمت ہوں اور مغرب کے بعد سے ہی عبادت میں لگ جائیں۔ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھیں تو وہ بھی شب قدر کی خیر و برکت سے محروم نہیں ہوں گے۔ اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی ہم سب کو ان راتوں میں جاگنے اور عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمادیں۔

یہ بات سب مسلمانوں کو یاد رکھنی چاہیے کہ ایسی خاص راتوں میں اپنے متعلقین کے لئے دعا تو سمجھی کریں گے۔ ضرورت اس کی ہے کہ پورے ملک پاکستان بلکہ عالم اسلام کے مسلمانوں کے لئے دعا کریں کہ اللہ تَبَّارَکَ وَتَعَالٰی ان کو تمام ظاہری اور باطنی فتنوں اور سب پریشانیوں سے محفوظ رکھیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (محمد شفیع ۶/ رمضان ۱۳۹۶ھ)

(بحوالہ ابلاغ مفتی اعظم طبع جدید ایڈیشن، ماہ جولائی ۲۰۰۵ء)





قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

مَنْ يُرِي اللَّهَ بِهَا خَيْرًا يُفَقِّهَهُ فِي الدِّينِ مَتَّفِقٌ عَلَيْهِ

هَذَا بِإِسْنَادٍ

إِلَى

دُرِّ اسْتِزْجَارٍ

مُقَدِّمَةِ شَرْعٍ صَحِيحٍ ابْنِ خَارِ

الْجُزْءُ الْأَوَّلُ وَالثَّانِي

لِلْعَلَمَةِ الْمُحَقِّقِ الْمُحَرِّثِ تَوْلَا زَيْنُ الدِّينِ وَالدُّرِّ

السُّلَيْمِيُّ . الْبَنْغَلَادِشِي



# معارف شیخ الحدیث

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی  
رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قلم فیض سے علمی، اصلاحی، تبلیغی، تعلیمی اور تاریخی  
مضامین و مقالات اور علوم و معارف اور ملفوظات و ارشادات نیز  
حالات و واقعات کا نادر و نایاب نہایت مفید و نافع مجموعہ۔

مرتبہ  
حافظ قاری محمد اکبر شاہ بخاری

زمزم پبلشرز



# اویان حدیث کا ذکر

اول

# ان پر محبین کا تبصرہ

اہل مدارس سے درخواست  
اس رسالہ کو حدیث کے شروع کروانے سے پہلے ضرور  
پڑھائیں جس سے اسماء رجال اور جرح و تعدیل  
سے مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

مولانا مفتی خالد حسین صاحب مدظلہ  
استاذ جامعہ بنوریہ، مکہ مکرمہ

تالیف

محمد حسین صاحب مدظلہ

استاذ حدیث جامعہ بنوریہ ساٹ کراچی

زمزم پبلشرز



# حُطُّبَاتُ الْإِسْلَامِ لِجُمُعَةِ الْعِجَامِ

لِلشَّيْخِ الْعَلَامَةِ قُدْرَةِ الْإِسْلَامِ الْمُحَرِّثِ الْفَقِيهِ  
أَشْرَفُ عَلَى رَتْبِهَا نَوَى رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى

١٢٨٠ هـ — ١٣٦٢ هـ

حَقَّقَهُ وَعَلَّقَ عَلَيْهِ

مُحَمَّدُ عُمَانُ الْبَسْتَوِيُّ  
أَمِينُ الْمَكْتَبَةِ بِدَارِ الْعُلُومِ زَكْرِيَا. أَفْرِيقِيَّةُ الْجَنُوبِ

أَشْرَفَ عَلَى تَحْقِيقِهِ وَسَاعَدَهُ  
رِضَاءُ الْحَقِّ حَفْظُهُ وَرِثَةُ  
خَادِمِ الْحَدِيثِ النَّبَوِيِّ وَدَارِ الْإِفْتَاءِ بِدَارِ الْعُلُومِ زَكْرِيَا

ناشر

مَكْتَبَةُ بَيْكَلْشِكْرِي

لِلطَّبَاعَةِ وَالنَّشْرِ وَالتَّوْزِيعِ



# مَعَارِفِ مُفْتٰی اَعْظَمِ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے  
علمی، فقہی، تبلیغی اور اصلاحی مواعظ و مقالات اور نادر ملفوظات و ارشادات پر مشتمل  
افادات کا حسین مجموعہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کا نایاب انمول خزانہ

## افادات

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

## مرتب

سید محمد اکبر شاہ بخاری

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کلاں